ردا ڈائجسٹ

AUGUST
20

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

افسانے

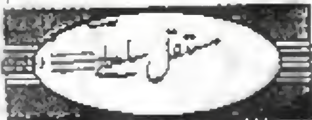
ناولٹ

اگست 2015ء
جلد نمبر 21 شمارہ نمبر 8
قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
720 روپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۹۳/۲ ڈی بلاک ۔2۔ پی ۔ ای ۔ سی ۔ ایچ ۔ سوسائٹی، کراچی


مستقل سلسلے

گوشہ

صلہ محمود

ماہ و سال پلٹ آئے زندگی کی وہ شام ہر لمحہ جہاں بہت سارے اندیشوں نے مجھے گھیر رکھا تھا، جب کوئی لمحہ لکھ دیا جاتا ہے تو اندیشے کسی عزم کو کیسے توڑ سکتے ہیں ایک ابتدائی عزم ابتدائی شباب تھا جو آنکھوں سے اترتے زندگی کو جب باہر آیا تو ہمارے اندر دلی کتھارسس نے ہمارے وجدان کے در کھول دیے جہاں روشنی کا ایک دیا روشن تھا جس میں مجھے نظر آیا اور جو فکشن میں پڑھتی تھی اس فکشن کی سمت کو موڑنے کے لیے ہمارے قلم میں اتنی جرأت و آگہی تھی اور عزم بھی وقت ملا تھا جب میں احتجاجی کالم لکھتی تھی، گوشہ آگہی کے نام سے جہاں میں انسانی پہلوؤں کو حوصلہ نہ رہ کر زندگی کی تلخیوں پر جب میں نے دیکھا کہ قانون کی بالادستی قائم کرنے والے انسانوں کو پرندوں کی طرح مار دیتے ہیں، اس احساس اور اس سوچ نے ہمارے اس سفر کو اتنا آسان بنا دیا کہ وقت تو گزر گیا لیکن احساسات کبھی نہیں مرتے، انسان کے احساسات آخری لمحے تک باقی رہتے ہیں۔ یہ میری سوچ کا ہی پل کر انھوں گھر دن تک پڑھا جانے والا کر میرا ایک جملہ کہ خودکشی جہنم کی آگ ہے اور اس آگ سے بچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ خودکشی نہ کی جائے کیونکہ تکلیف دہ ماحول میں رہتے ہوئے بھی اس سوچ کو غالب نہ ہونے دیا جائے۔ میرے وجدان کا نکلا ہوا ایک لفظ ہمارے قلم کو جنگ نیز کر گیا اور بنا اس عزم کے ساتھ جی اٹھی اور جی رہی ہوں کہ ہم کچھ نہ کبھی پھر بھی سانس لیتے ہیں قرض کی ادائیگی زندگی کا قرض ہوتی ہے اور قرض چکانے کا ذریعہ میں نے یوں نبھایا کہ ردا نے ہر رائٹر کی سوچ بدل دی کہ خودکشی حرام ہے ردا کا یہ شعار ہر کیس آیا ہوا ہر رائٹر خواہ وہ اب کہیں لکھ رہا ہو کہ کبھی آپ کو اپنے قلم سے اس موضوع کو نہیں چھیڑنا ہے اور یوں میں نے ہر کہانی کا اینڈ بدل دیا، نہ جانے کہاں کہاں اور کتنے رائٹرز جو آئے جنہوں نے شمولیت حاصل کی یا جو جا چکے ہیں ان سب کے ذہنوں پر میری بات نقش ہو گئی۔ زندگی کے اس سفر میں جب میں نے ردا کا آغاز کیا تھا تو اس رات میں بہت تنہا تھی مگر میری کہانیوں کا ہجوم شہر میرے ساتھ تھا اور ہماری کہانیوں کے وہ کردار جو ہر لمحہ مجھ سے ملے تھے ہمارے ساتھ تھے ناہموار راستوں کا سفر ہمیں آج بھی یاد ہے۔ آغاز دشوار ضرور ہوتا ہے لیکن عزم اتنا کمزور نہیں ہوتا اور آج اسی سنانے میں جہاں میں نے کبھی تنہا اس سفر کا آغاز کیا تھا تو آج ہمارے کردار ہی نہیں اس شہر اس معاشرے کے در در وازے سے آئے ہوئے لکھے ہوئے وہ سارے کردار ہمارے اور دگرد نظر آ رہے ہیں، شب بیت رہی ہے روشنی کا دیا سامنے ہے اور اس کی روشنی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ سفر دشوار ضرور تھا مگر جس طرح سے قارئین! آپ نے پذیرائی کی اور آج یہ ملک کے کونے کونے میں پڑھا جانے والا سب سے مقبول ترین ڈائجسٹ ہے ہماری سوچ ہمارے احساسات اگر کسی ایک کے دل میں بھی اتر گئے تو میں سمجھوں گی کہ میں نے اپنے زندہ رہنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ خودکشی حرام ہے میرے آغاز سفر کا یہی ایک نقطہ تھا جس نے مجھے آپ کے سامنے لا کھڑا کیا۔ یہ میرا عہد تجدید تھا کہ آپ سب کو ساتھ لے کر چلوں گی اور سب سے اہم بات کہ وہ بینگ رائٹرز جنہوں نے نہ صرف ہم سے تعاون کیا بلکہ ہمارے ساتھ ساتھ آج تک چل رہے ہیں اور ان کی بے لوث محبت، ان کے قلم کی پختگی ان کے احساسات کی ہم آہنگی ہمارے قلم کا دوسرا عکس ہے۔ ہماری یہی ہم آہنگی اور ہماری سوچ نے ردا کو بے حد

مقبول بنا دیا اور وہ لوگ جو آغاز سفر میں میرے ساتھ تھے اور جن کی پروڈکٹ نے ردا کی بنیں کو اتنا مضبوط بنا دیا وہ بہت سادے ایسے لوگ ہیں جو ہمیں آج بھی یاد ہیں۔ نام لینا ضروری نہیں ہے مگر ان لوگوں کو آج بھی میرے احساسات میرے عزم کی وہ کہانی یاد ہے وہ آج بھی کہتے ہیں جو آپ نے کہا تر وہ کر دکھایا۔ اللہ جب چاہتا ہے ناممکن کو وہ ممکن بنا دیتا ہے۔ میں جب پلٹ کر پیچھے دیکھتی تھی تو سوچتی ضرور تھی اپنے ہم عصر ساتھیوں کو دیکھ کر کہ زندگی کا مقصد یہ تو نہیں ہے کہ پاؤں پسار کر سوئے اور چلے گئے لیکن صبر اور یقین ہمارے اوصاف کے وہ ہیرا ہیں جنہوں نے مجھے محبتوں سے بچھڑنے نہیں دیا بلکہ خوشبوؤں سے اس مٹی سے مجھے ہم آہنگ کر دیا۔ خوشبوؤں کا سفر محبتوں کے رنگ اور پھر میرے رب نے مجھے میری اوقات سے زیادہ بڑھ کر نواز دیا۔ اب میں اتنی ساری مصروفیات ہیں کے درمیان زندگی کا پانی سفر گزار رہی ہوں کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت نہیں رہی۔ بس ایک عزم سفر ہے کہ ردا کے ذریعے اپنے احساسات اپنی محبتوں کو بانٹ دینا ہے۔ کل کے فکشن اور آج کے فکشن میں، میں نے ایک نمایاں تبدیلی دیکھی ہے، نئے لکھنے والوں کو میں نے اتنا معتبر بنا دیا ہے کہ ردا ایک بار آپ پڑھ کر دیکھیے ہر چند کہ مجھے لکھنے کا جنون تھا اور آج بھی ہے مگر میں نے خود کو نئے لکھنے والوں کو موقع فراہم کیا اور تمام مصنفین اور قارئین جو مجھے جانتے ہیں کہ میں ایک سینئر رائٹر ہوں ان کا یہ سوال بار بار سامنے آیا۔ میں خود کیوں نہیں لکھتی۔ 20 سال کی ان مسافتوں میں مجھے ایک پل کی فرصت نہ ملی کہ میں اپنے بچھڑے ہوئے اس شہر کو جو میری بستی جو مجھے زمانہ طالب علمی سے گھیرے رکھتے تھے۔ ان نارسائی کے دکھوں سے میں آنکھیں نہ ملا سکی جو فرصت کی لے کر بکھرے دل کو ویران کرتے تھے لیکن نہیں معلوم کہ پھر کون سا عزم سفر مجھے پھر باہر لے کر آیا ہے اور میرا ایک ناول آپ کی محبتوں اور میرے چند اسرار اور ردا کی زینت بن رہا ہے۔ یہ محبتوں کے احساس اور ہمارے اندرونی جذبات کی کہانی ہے۔ جس میں محبت کا کوئی رنگ ہے نہ غموں کا کوئی چہرہ آپ کے سوالوں کے جواب میں، میں کیا کہوں کہ دیکھا ایک قطرہ ہے جو کسی کے سمندر میں گرنے والا ہو کسی کا بھی ہو، جنتی ذات میں خوش رنگ گلابوں میں گرنے والی بوند کا چہرہ کہیں شنوہ ہو کہیں کسی کی کہانی کا نام پہچانتا ہے، یہی محبتوں اور دکھوں کے چہرے ہیں نہ جانے کیوں میں آج بہت تھکی تھکی ہوں شاید اسی لیے اور دیے کی مانند آخری کا پتا ہوتی ہے جو بہت اہم اور ہمارے احساسات پر انحصار کرتا ہے ان تمام لفظوں میں میری حیات میرے جذبات کے رنگ اترتے ہیں، اس وقت بھی میں شہر ہجوم کے درمیان بیٹھی سوچ رہی ہوں کہ نہ جانے کیوں اپنی کہانی لکھ رہی ہوں، دنگ ہے ہم وطن عزیز کی سالگرہ کا دن لاکھوں انسانوں کی عزم سفر کی داستان ہے جو لازوال میں آج تنہائی میں عکس تصویر بن رہے ہیں۔

”آؤ مل کر ہم عزم سفر کی تصویر دیکھیں گے“

تو قارئین! وطن عزیز کے اس اہم دن کو جو ہم سبز ہلالی پرچم تلے مناتے ہیں اس کو قائم رکھنے کا عزم ضرور کیجیے گا کہ ہر بندگی میں ایک دعا عزم کی تعبیر کا بھی ضرور ہوتی ہے۔ میرا ایمان اور یقین بھی ہے غیروں سے محبت کیجیے۔ زندگی سہل ہو جائے گی، بس اس ردا کی سالگرہ پر میرا پیغام یہی ہے میرے اس آغاز عزم کو یاد رکھیے گا، زندگی کا سفر بہت طویل ہوتا ہے اور اس سفر میں تمہیں ردا کے ساتھ چلنا ہے سالگرہ نمبر کیسا لگا؟ اپنی تنقید اور تعریف میں سند لیے لکھنا نہ بھولیے گا۔ ردا آپ کا ہے نئے لکھنے والے پھر ایک نئے عزم کے ساتھ ہمارے ساتھ ہیں ہم انہیں موقع ضرور دیں گے۔

آپی

نوٹ: قارئین اس ماہ نائیلہ طارق اور فاطمہ خان کے ناولز کی اقساط شامل نہ ہو سکیں۔ ان شاء اللہ اگلے ماہ شامل اشاعت ہوں گی۔

روحانی

صالحہ محمود

مریض کی بیمار پرسی اور بیمار پرسی کے ثواب کا بیان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو مسلمان کسی مسلمان کی صبح کے وقت بیمار پرسی کرتا ہے اس کے حق میں شام تک 70 ہزار فرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کے وقت بیمار پرسی کرتا ہے تو صبح تک اس کے حق میں فرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے باغ (تیار کر دیا جاتا) ہے۔“
(ترمذی، ابوداؤد، عن علیؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو مسلمان کسی مسلمان کی بیمار پرسی کرتا ہے اور 7 بار یہ دعا پڑھتا ہے:

أَسْأَلُ اللهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ
أَنْ يَشْفِيَكَ

(ترجمہ) ”میں اللہ عظمت والے سے سوال کرتا ہوں جو عرش عظیم کا رب ہے کہ وہ آپ کو شفا عطا فرمائے۔“ اگر اس کی موت کا وقت نہ آ پہنچا ہو تو اس مریض کو شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، عن عبداللہ بن عباسؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”جب بیمار پرسی کے لیے جاؤ تو بیمار کے پاس یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ

(ترجمہ) ”اے اللہ! اپنے بندہ کو شفا عطا فرمائیے۔“ (ابوداؤد، عن عبداللہ بن عمروؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جانے والے شہید کے علاوہ شہادت کی موت 7 قسم کی ہوتی ہے۔ (1) طاعون سے مرنے والا (2) پانی میں ڈوب کر مرنے والا (3) پہلو کے درد میں مرنے والا (4) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا (5) کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا (6) آگ میں جل کر مرنے والا (7) بچہ جنتے وقت فوت ہونے والی عورت۔“
(ابوداؤد، نسائی۔ عن جابر بن عتیکؓ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ”سب سے زیادہ آزمائشوں سے دو چار ہونے والے لوگ کون ہیں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ان کے بعد فضیلت والے لوگ ہیں، پھر جو صاحب فضیلت لوگوں میں سے ہر آدمی کو اس کے ایمان کے لحاظ سے آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر وہ دین (کے امور) میں سخت (پابند) ہے تو اس کے لیے آزمائش بھی سخت ہے اور اگر وہ دین کے (امور) میں کمزور ہے تو اس کے لیے آزمائش بھی معمولی ہے۔ اسی طرح وہ آزمائش میں مبتلا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر زمین پر چلنے پھرنے لگتا ہے۔“
(ترمذی، ابن ماجہ، عن سعدؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”جب اللہ تعالیٰ اپنے (نیک) بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے (اس کے گناہوں کی) سزا دنیا میں ہی دے دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنے (گناہگار) بندہ کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہوں کی سزا کو اس سے دور رکھتے ہیں یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے اس کے گناہوں کا بدلہ ملے گا۔“ (ترمذی، عن انسؓ) ☆

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 20

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو

اتنی جلدی دن تمام ہو رہے تھے کچھ پتہ ہی نہیں چل رہا تھا۔ نسرین بیگم فراج کی بڑی بیٹی کے پشاور گئی ہوئی تھیں۔ فراج کا کمرہ اس کے دوست سجا رہے تھے۔ ادھر وہ گھبرائی گھبرائی پھر رہی تھی۔ آنا لڑکی کے دن



تمام ہو گئے تھے اور پھر ساری ذمے داری نسرین اس کے سپرد کر کے چلی گئی تھیں۔ ابھی وہ مایوں نہیں بیٹھی تھی۔ اکیلی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ پینا، نازیہ بھابی، اور حباب یہ سب دو تین چکر لگا کے گئی تھیں۔

''بھائی کو بھی پتہ نہیں کیوں اتنی کنجوسی کی عادت ہے یہ نہیں ہوا کہ پہلے فراج کی ہی کر لیتیں تمہاری بعد میں ہو جاتی۔'' رفعت کو خود حسنٰی کے رخصت ہونے کی وجہ سے اداسی ہو رہی تھی۔

''مصیبت کو اگر ٹالا جائے تو وہ مصیبت نہیں رہتی بلکہ بلا بن جاتی ہے اور شادی ایک مصیبت اور بلا ہے ابھی ہو یا بعد میں ہونی تو ہے۔'' وہ بہت تپ کر بولی تھی۔

''تمہاری بھی مجھے سمجھ نہیں آتی آخر چاہتی کیا ہو؟'' رفعت جیسے کھسیا گئی تھیں۔

''مما! میری مرضی تو کبھی چلی ہی نہیں ہے، میں کیا چاہتی ہوں۔'' وہ بہت روہانسی ہو رہی تھی۔ وہ تو بچپن سے رفعت اور نسرین کے اشاروں پر چلتی آرہی تھی اور آئندہ کی زندگی میں شوہر کے اشاروں پر چلنا تھا۔

''تم لگتا ہے اس شادی سے خوش نہیں ہو؟''



''ممّا! جب بات اتنی آگے بڑھ گئی ہو، پھر اپنی کوئی سوچ اور سمجھ نہ رہی ہو تو خوش ہونا لفظ جانے کیوں بے معنی لگتا ہے۔'' وہ اتنی گہرائی سے بات کر رہی تھی کہ رفعت نے اچنبھے سے اسے بغور دیکھا اس کے چہرے پر انہیں ویرانگی اور اداسی لگ رہی تھی۔

''حسنیٰ! تم اب بھی انکار کر سکتی ہو، پھر نکاح ہی تو ہوا ہے کون سا رخصتی ہو گئی ہے۔'' وہ ہر طرح سے اسے بدگمان ہی کرنا چاہ رہی تھیں۔

اس نے چونک کے رفعت کو دیکھا ایک یہ تھیں جنہوں نے ماں بن کے پالا اور ایک وہ ماں جس نے اسے جنم دیا وہ تو دونوں ماؤں کے درمیان پس رہی تھی۔ اس کی ماں کو فکر تھی وہ اپنے گھر کی ہو جائے اور یہ ماں چاہتی ہیں وہ گھر میں ہی رہے۔

''آپ کیا نہیں چاہتی ہیں کہ میری شادی ہو۔'' اس نے الٹا ہی سوال کر ڈالا۔

''نن...... نہیں ایسی بات نہیں ہے۔'' رفعت کچھ گڑبڑا سی گئیں۔ انہیں ایسا لگا حسنیٰ نے ان کے چہرے اور آنکھوں کی سچائی پڑھ لی ہو۔

''ممّا! اب نکاح ہو چکا ہے۔''

''تم توڑ بھی سکتی ہو۔'' وہ جیسے خوش ہو گئیں۔ حسنیٰ کچھ حیران سی ہوئی۔

''فرض کریں میں نے توڑ بھی دیا تو کیا گارنٹی ہے کہ میری شادی کہیں اور اچھی جگہ ہو۔'' وہ رفعت کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

''تمہیں شادی کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، اپنی مرضی کی زندگی گزارو۔''

''ممّا! یہ آپ کہہ رہی ہیں اگر امی نے سن لیا تو بہت بڑا طوفان آ جائے گا۔''

''بھابی! کو تو طوفان ہی اٹھانے آتے ہیں۔'' وہ بھی زچ ہو گئی تھیں۔

''مجھے ذرا نیچے جانا ہوگا۔ فراج بھائی کے روم میں سیٹنگ دیکھنی تھی۔'' وہ انہیں یہ کہہ کر چلی گئی۔ رفعت کے اندر تو بے کلی سی مچ گئی تھی مگر حسنیٰ کی بھی فکر ہو رہی تھی۔

☆......☆

وہ بڑی ہمت کر کے عتیق احمد کے روم میں آئی تھی۔ وہ اپنے بیڈ پر بیٹھے سگریٹ نوشی فرما رہے تھے۔ اس نے دروازے پر دستک دی تو عتیق احمد نے چونک کر دیکھا اور سگریٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے میں مسل دیا۔

''آ جاؤ وہاں کیوں کھڑی ہو۔'' وہ نوین کی باتوں میں الجھے ہوئے تھے۔

''ماموں کچھ کر رہے تھے مطلب آپ بزی تو نہیں تھے۔'' اس نے ذرا مسکرا کر ان سے پوچھا۔

عتیق احمد نے اسے دیکھا جو ان کے سامنے بڑی چیئر پر بیٹھی تھی اور کچھ گھبرا بھی رہی تھی۔

''ہاں بولو کیا بات کرنی ہے۔'' وہ جیسے بہت دن سے تیار تھے۔ یقیناً نوین بھی ان سے بات ضرور کرے گی۔

''ماموں! آپ کی کیا مامی سے کوئی لڑائی چل رہی ہے؟''

اس غیر متوقع سوال پر چونک گئے۔

''وہ ماموں میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ آپ یہاں اکیلے کمرے میں پڑے رہتے ہیں۔ گھر کے

کام کرتے ہیں۔ مجھے ذرا اچھا نہیں لگتا۔ کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ آپ یہاں کیوں رہنے لگے۔ میری بات کا غلط مطلب نہیں لیجئے گا کہ مجھے آپ کا یہاں رہنا برا لگ رہا ہے۔ آپ کی بہن کا گھر ہے۔ میں کون ہوتی ہوں یہ سب بولنے والی۔ مگر ماموں میں صرف آپ سے اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ مجھے آپ ادھورے سے لگتے ہیں۔ آپ کے ماشاء اللہ جوان چار بیٹے ہیں۔ آپ کا دل نہیں کرتا کہ ان کے پاس رہیں۔ اب تو آپ کی بہو بھی آگئی ہے۔''

''بیٹا! تم یہ سب باتیں کیوں کر رہی ہو۔'' عتیق احمد کا سر جھکا ہوا تھا۔

''ماموں! میں آپ کو صرف یہ کہنا چاہتی ہوں آپ جوان بیٹوں کے باپ ہیں۔ آپ کا اپنا گھر ہے۔ یہاں آپ کی وہ عزت قدر نہیں ہے جو آپ کی آپ کے گھر میں ہوگی۔ امی تو آپ کو بھی سمجھاتی نہیں ہیں۔ وہ بس بدلے لینا چاہتی ہیں۔ مامی بہت اچھی ہیں۔ آپ ان کی قدر کریں۔'' وہ آہستہ لہجے میں انہیں سمجھاتی جا رہی تھی۔

''اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ گھر واپس جائیں گے تو آپ کی کوئی عزت نہیں کرے گا۔ ایسا بالکل غلط ہے آپ انہیں اور اپنے آپ کو ناکردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہیں۔'' وہ بولتی جا رہی تھی اسے ڈر بھی لگ رہا تھا۔ راشدہ کو جب پتا چلے گا تو وہ اسے کتنا سنائیں گی۔

عتیق احمد اپنی بہو چوں کو وہ سزا دے گئی تھی۔ انہوں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں یہاں بہن کے گھر میں پڑے رہنے سے ان کی حیثیت ایک ملازم کی سی ہی تھی جو باہر کے کام کو وہ کرتے تھے بہنوئی انہیں تو منہ ہی نہیں لگاتے تھے وہ راشدہ کی چاپلوسی تو بولتے ہی نہیں تھے کیسے ضمران کی شادی پر انہیں نچایا تھا اور شادی میں جانے ہی نہیں دیا تھا اور خود وہ چلی گئی تھیں۔

''ماموں! مجھے غلط نہیں سمجھیے گا آپ سوچیں کہیں کچھ تو غلط ہو رہا ہے۔ آپ سے یا پھر ہم سب سے۔'' قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی اور پھر وہ کھڑی ہوگئی۔ وہ عتیق احمد کو سوچنے پر مجبور کرنے پر کامیاب ہوگئی تھی۔ اس نے تہیہ کرلیا تھا۔ عتیق احمد کو ان کے گھر بھیج کے ہی رہے گی اور پھر اس کے بعد راشدہ اور نمین کو راہ راست پر لانا تھا جو کسی کا گھر برباد کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں۔



اسے وکیل معقول اسلامی مل تو گئی تھی مگر وہ مطمئن نہیں تھا کیوں کہ جو ذمہ داری خوشنما نے اٹھائی ہوئی تھی وہ کوئی کم نہیں تھا۔ آج کل وہ اپنا فلیٹ بھی فرنشڈ کروا رہا تھا مگر گھر میں کسی کو بھی نہیں بتایا تھا خوشنما سے بھی ذکر نہیں کیا تھا۔

وہ سیل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ فاران اس کا کب سے منتظر کھڑا تھا۔ ہیثم نے اسے دیکھ بھی لیا تھا۔

''ہیثم یار! تم نے تو مجھ سے بات کرنا ہی بند کر دیا ہے۔'' اس نے لمبے چوڑے ڈیشنگ سے ہیثم کو مخاطب کیا جو بلیک ڈریس پینٹ پر آف وائٹ شرٹ میں دلکش لگ رہا تھا۔

''میں نے سوچا کہ میری وجہ سے لوگوں کو پریشانی ہوتی ہے۔ اس لیے اپنا راستہ ہی الگ کرلوں۔'' وہ اٹھنے لگا۔ ہال کمرے میں وہ سیل پر بات کرنے کے لیے جیسا تو لوگوں کو فلیٹ کی ڈیکوریشن ہو رہی تھی۔ وہ کسی کو بھی نہیں بتانا چاہ رہا تھا مگر فاران کے چہرے سے لگ رہا تھا اس نے ساری گفتگو بغور سنی ہے۔

''تم میری بات کر رہے ہو یا امی کی۔'' وہ ڈائریکٹ بولا۔

''عقلمند ہو سمجھ گئے۔'' وہ پھیکی مسکراہٹ لیے استہزائیہ ہو گیا۔

''ہشم! تم ایسے تو بالکل نہیں تھے۔ تم کب سے بڑوں کا برا ماننے لگے؟''

''ٹھیک کہا میں ایسا بالکل نہیں تھا مگر میرے بڑے بھی ایسے نہیں تھے۔'' اس نے بھی ترکی بہ ترکی طنز ہی کیا۔

وہ نزہت مامی کے طنز کب بھولتا تھا۔ کیسے اسے منہ پر سنایا تھا جب نانا جان نے ناران کے نکاح کی بات کی تھی۔

''یار! تم اور میں کزن ہونے سے پہلے دوست بھی ہیں۔''

''میں سب جانتا ہوں، سمجھتا ہوں مگر میں نے جان لیا اور سمجھ لیا ہے اپنے صرف ماں باپ ہی اپنے ہوتے ہیں۔ میں بچپن سے کتنی بڑی غلط فہمی میں رہا کہ بڑے ماموں چھوٹے ماموں مامی سب میرے ماں باپ ہیں۔ میں نے کبھی ماں باپ کی کمی محسوس ہی نہیں کی مگر مجھے محسوس کروائی گئی اور یہ بھی کہ میں پتا نہیں کیا کرتا پھرتا ہوں میرے کردار تک کو مشکوک بنا دیا۔'' وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا مگر ناران کا شرمندگی اور ندامت کی وجہ سے سر جھک گیا تھا۔

''امی کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے وہ ایسی باتیں پتہ نہیں کیوں کرنے لگی ہیں۔''

''حیرانگی ہے تم نہیں سمجھے چلو اچھا ہے جو تم نہیں سمجھے۔'' وہ پھر ہنسا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' وہ واقعی نہیں سمجھا تھا۔

''اچھا ہے جو نہیں سمجھے مگر میری ایک بات یاد رکھنا لڑکی تم ہمیشہ اپنے برابر والوں میں بیاہ کر لانا میری طرح مڈل کلاس میں نہیں پھنس جانا، خواہ مخواہ مامی کو پھر کمپلیکس ہو گا۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ناران سے تلخ اور طنزیہ باتیں کر رہا تھا۔

''میں ان باتوں کو نہیں مانتا۔'' وہ جھٹ نفی میں گویا ہوا۔

''تمہارے نہ ماننے سے کیا ہو گا مامی جو چاہیں گی وہ وہی کریں گی۔'' وہ جانے لگا۔

''یار ہشم! تم مجھ سے تو ایسی بات نہیں کرو میرے رویے میں تم نے کبھی بدلاؤ دیکھا جو تم مجھ سے بھی ناراض ہو۔''

''میں تم سے کیا ناراض ہوں گا مجھ سے تو شاید میرے اوپر والا ناراض ہے جو سارے رشتے چھین لیے۔ میں کسے اپنا سمجھوں۔'' خوشنما اسے دیکھنے کے لیے ہی آرہی تھی جو کافی دیر سے نظر نہیں آرہا تھا۔ آفس سے آنے کے بعد وہ اپنے روم میں آیا ضرور تھا مگر دروازے سے نکلنے وہ پریشان بھی ہو گئی۔

''تم ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کر رہے ہو؟''

''کیوں کہ مجھے مجبور کیا گیا ہے۔ ایسی باتیں کرنے کے لیے۔ میں نے تو کبھی کسی بات کی پرواہ ہی نہیں کی تھی کیوں کہ میری فکر کرنے والے میرے اپنے موجود ہیں مگر صرف چند لمحوں میں مجھے غیر کر دیا گیا۔'' خوشنما باہر کھڑی سب سن رہی تھی۔ اس کے منہ سے ایسی سنجیدہ اور افسردہ باتیں سن کے وہ حیران بھی ہو رہی تھی۔

''تمہارے سارے اپنے ہی ہیں۔ بس تم نے ہی ہم سب کو پرایا کر دیا ہے۔'' ناران کو اس پر بہت زیادہ ترس آرہا تھا جو ایسا مغموم اور مایوس لگ رہا تھا۔

''میں نے نہیں تم سب نے پرایا کیا ہے۔'' وہ پھر رکا نہیں چلتا چلا گیا۔ وہ ہیثم کے اچانک باہر نکلنے پر گڑبڑا گئی۔

''خیریت تم ادھر کھڑی کیا کر رہی ہو؟''

''وہ کچھ نہیں میں تو آپ کو دیکھنے آئی تھی کہ آفس تو نہیں چلے گئے۔'' اس سے بات بھی تو نہیں بن رہی تھی۔

''کہو تو چلا جاؤں تمہیں پریشانی ہے کوئی۔'' وہ الٹا مسکرا کے طنز کرنے لگا۔

''مجھے کیا پریشانی ہو گی۔'' وہ لمبے لمبے قدم بڑھاتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔ ہیثم نے ریڈ کپڑوں میں ملبوس اسے جاتے دیکھا۔

☆......☆

''پھوپھو بھی پورے دن لگا کے ہی آئی ہیں۔'' شہریار نے کہا۔

''فراج کی دلہن ہے پیاری۔'' نازیہ نے تعریفی کلمات ادا کیے۔ رات ہی وہ سب مل کے آئے تھے۔ پھوپھو چند بڑے لوگوں کو لے کر سعدیہ کو رخصت کرا کے لے آئی تھیں۔

''ویسے پھوپھو بھی بڑی تیز ہیں۔ ایک میں دو کاج کیے ہیں۔'' مینا نے ہنس کے کہا۔

''ارے جہیز کیسا ہے دیکھا تم لوگوں نے۔'' حسین بیگم تو اسی کی پڑی تھی۔

''اماں جہیز کیسا بھی ہو کون سا ہمیں فائدہ ہے۔'' شہریار کو اپنی ماں کا یوں روایتی عورتوں کی طرح مادی چیزوں پر تبصرہ اور تنقید کرنا ناگوار گزرتا تھا۔ آج سب حسنیٰ کی مہندی کے جانے کی تیاریوں میں لگے تھے حسنیٰ کا جہیز اور فرنیچر ابھی تک نہیں آیا تھا۔ فکر تھی تو حسین بیگم کو تھی۔

''پھر بھی دیکھیں تو بھائی نے بیٹی کو جہیز کیسا دیا ہے۔'' وہ پاندان سے پان بنانے میں مصروف تھیں۔

''ارے اماں! جیسا بھی دیا ہو آپ کو اس سے کیا۔''

''تو چپ کر ہر کام تو اپنی مرضی سے کر رہا ہے تو بس بکواس کرے گا۔'' انہوں نے شہریار کو ڈانٹ دیا۔

''ظاہر ہے شادی میری ہے تو اپنی مرضی سے ہی کروں گا نا۔'' وہ ناشتہ کر کے اٹھا۔

''مینا بی! حباب ریڈی نہیں آ رہی۔''

''آج کہہ رہی تھی کہ شام تک آئے گی۔'' وہ بتانے لگیں۔ بچے بھی ناشتے سے فارغ ہوئے تو نازیہ نے دسترخوان سمیٹ دیا۔

''آپ حباب کا خیال رکھا کریں میں نے نوٹ کیا ہے شادی کے بعد سے خاموش ہو گئی ہے۔'' شہریار کو اس کی بہت فکر تھی اس نے اندازہ بھی لگا لیا تھا اور حسنیٰ نے جو کچھ بتایا تھا اس سے واضح تھا وہ عمران کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں ہوئی تھی۔

''اس نے اپنی ایسی اچانک سے شادی کا بہت اثر لیا ہے۔ پھر اس کی ساس کے سسرال والے بھی کم نہیں ہیں۔ چوکے لگانے میں۔'' وہ بتانے لگیں۔

''یہ تو خیر عورتوں کی بات ہے میں کیا بول سکتا ہوں ہاں مگر اسے انتظام ور سمجھائیں کہ اپنے شوہر کو خوش رکھے۔ سارے لوگ جائیں بھاڑ میں۔'' وہ بولا۔

"ارے کیا اسی طرح باتوں میں لگے رہو گے ناز یہ تم ساری چیزیں دیکھ لو کچھ رہ تو نہیں گیا بری کے سامان میں۔" حسین بیگم کو پھر یکدم یاد آیا۔

"بھابی آپ آجائیں ہم لوگ دیکھ لیتے ہیں۔ برتن اردمہ دھوئے گی۔" انہوں نے اردمہ کو اشارے سے اٹھنے کو کہا۔

بری وغیرہ جلدی سے لے جائی گئی تھی کیوں کہ شہر کے حالات کی وجہ سے سب ہی محتاط ہو گئے تھے۔

"اماں سونے کا سیٹ بھی لے کے جارہی ہیں۔" ہما کو یاد آیا۔

"ارے چپ کر میں تو بعد میں خود دے دوں گی منہ دکھائی میں۔" وہ بڑی چالاکی سے جیولری کو بچانا چاہ رہی تھیں کیوں کہ جب تک وہ ... دیکھ لیتیں نسرین اور رفعت جتنی کو سونے میں کیا دے رہی ہیں۔

"آپ شہریار کو جانتی ہیں وہ غصہ کرے گا۔"

وہ سب ہی تیار کھڑی تھیں۔ حباب بھی آگئی تھی۔ زرد جوڑے میں موتیے کی کلیاں چوٹی میں لگائی ہوئی تھیں۔ آج بہت پیاری لگ رہی تھی حباب پر ضمران کی نگاہیں مسلسل تھیں۔

"بہت حسین اور خوب صورت لگ رہی ہو۔" کان میں سرگوشی ہوئی تو وہ ہاتھوں میں موتیے کے گجرے چڑھا رہی تھی اتنی منہمک تھی کہ اطراف کی آوازیں لگتا تھا سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

"میں نے کہا کہاں ہو، سنو۔"

"جی۔" اب سرگوشی بالکل کان کے قریب ہوئی تو وہ اچھل گئی کنگن ہاتھ سے گر گیا۔

"اف...... ڈرادیا۔" بلو غرارہ سوٹ میں وہ ملکوتی حسن لیے اتنی دلکش اور پیاری لگ رہی تھی کہ ضمران کی نگاہیں اس میں الجھ گئیں۔

"لاؤ میں پہنادوں۔"

"نہیں رہنے دیں زیادہ اوور لگ رہا ہے زبردستی مامی نے دے دیئے تھے۔" وہ پہلے ہی اتنی تیار تھی بقول اس کے یہ کنگن اوور لگیں گے۔

"پہن لو بہت خوب صورت لگ رہے ہیں کنگن۔" ضمران نے جان بوجھ کے کنگن کو کہا۔

حباب نے چونک کے اس کی مسکراتی نگاہوں میں دیکھا۔ وہ جب بھی اسے غور سے دیکھتا تھا ہمیشہ آنکھوں میں محبت و پیار کی قندیلیں روشن رہتی تھیں۔ کبھی وہ اس سے ایسے غصے سے بات نہیں کرتا تھا کہ لگے وہ اس سے بے زار ہے۔ شادی کے آٹھ نو ماہ کے عرصے میں ضمران کی محبت میں اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا اور جواب میں وہ بدگمان ہی ہورہی تھی۔ صرف اس کی وجہ نوشین تھی۔ وہ ان دونوں کے درمیان دراڑ ڈالنے کی پوری کوشش کررہی تھی۔

"انہیں پہنو بہت پیارے لگتے ہیں تمہارے ہاتھ۔" وہ مسکرایا۔

حباب چونک گئی۔ اسی وقت اکرام ماموں کے اشعر کی اٹری ہوئی تو وہ جھینپ گئی۔

"ضمران انکل! آپ کو چاچو بلارہے ہیں۔"

"اوہ میں تو بھول گیا شہریار کی کال آئی تھی مجھے بلارہا تھا۔" وہ سر پہ ہاتھ مار کے بولا۔

حباب نے اسے پستئی کلر کے کمیض شلوار میں ملبوس نکھرا نکھرا دیکھا۔

"ارے بھئی جلدی جائیں گے تو جلدی آئیں گے۔" حسین بیگم بھی سونے کے زیورات پہن کے حسین

تزئین بنی ہوئی تھیں۔

''ارے لڑکیوں کب نکلو گی؟''

''آرہے ہیں نانی اماں۔'' اردمہ بھی کچھ سامان کے شاپرز لے کے چلی آئی تھی۔

چند ہی منٹوں میں خوش رنگوں سے سجا یہ قافلہ نسرین کے گھر روانہ ہو گیا تھا۔ ضمران اور حباب ایک ہی گاڑی میں تھے۔ شہریار بھی ساتھ ہی جا رہا تھا۔ انہیں ڈراپ کرنے اکرام شہریار کی گاڑی میں تھے حسین بیگم نے چند خاص خاص لوگوں کو ہی بلایا تھا حباب کی ساس کو بھی لیا تھا۔ وہ بھی آ گئی تھیں۔

ادھر حسنیٰ پیلے غرارے میں تتلیوں کی طرح دمک رہی تھی۔ فراج کی بیوی سعدیہ بھی ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ دلہن ہی بنی ہوئی تھی کی خاصی پرکشش گوری چٹی لڑکی تھی۔ حسنیٰ کی رخصتی پر ان کا دلیمہ تھا مگر سعدیہ گھر کے کاموں میں بھی لگی ہوئی تھی۔ وہ دلہن کے لباس میں بھی دوڑی بھاگی کام کر رہی تھی۔

☆......☆

رات ڈنر کے بعد اشعر اس کے پاس آ گیا تھا۔ دونوں کو باتوں میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ چشم کولڈ ڈرنک وغیرہ کے لیے خوشنما سے کہنے آیا تھا۔

''پلیز جیو بوتل بھیجنا گلاسوں میں ڈال کے نہیں دینا۔'' وہ اسے ساتھ ہی ہدایت بھی دے رہا تھا۔

وہ رنگ کپڑوں میں ملبوس کچن میں کھڑی ٹرے ترتیب دے رہی تھی۔

اسی وقت نزہت مامی بھی کچن میں آ گئیں۔ وہ دونوں ہی ایک سائیڈ پر ہو گئے۔ البتہ نزہت ان سے نگاہیں ملا رہی تھیں۔

''تم بھی آ جانا۔'' وہ ہمیشہ ان کے سامنے فرینک انداز کا تاثر دیتا تھا۔ تا کہ نزہت ان دونوں کی ان بن سے کچھ بھی اخذ کرنے کی تگ و دو کرتی رہیں۔

''وہ مجھے عشاء کی نماز پڑھنی ہے۔'' اس نے آہستگی سے عذر پیش کیا۔

''سلام دعا کر کے چلی جانا، وہ تمہیں پوچھ رہا تھا اور شاید کچھ ضروری بات بھی کرنی ہے۔'' اس نے نزہت کی موجودگی کو اگنور کر کے خوشنما سے کہا۔

نزہت کے دل پر جانے کیوں آرے چلنے لگے۔ جب بھی وہ ان دونوں کو ساتھ دیکھتی تھیں انہوں نے ہمیشہ یہی سمجھا اور سوچا تھا بابا جان جو ہم اور چشم کی شادی کر دیں گے مگر انہوں نے تو کچھ اور ہی کر دیا تھا۔

خوشنما چشم کی تقلید میں ساتھ ہی چل دی۔ نزہت کو تجسس بھی ہوا کہ اشعر آخر خوشنما سے کیا ضروری بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ بھی کچھ دیر میں ڈرائنگ روم کے باہر کھڑی ہو گئیں۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بڑے بڑے دبیز پردے پڑے تھے۔ ان کی ہمت نہیں تھی کہ آگے بڑھ کے کچھ سنیں۔

''امی کیا بات ہے آپ وہاں کیوں کھڑی ہیں؟'' فاران کوریڈور سے گزر رہا تھا انہیں یوں کھڑا خاموش دیکھ کر حیران بھی ہوا۔

''وہ آں ہاں کچھ نہیں۔'' وہ گڑبڑا گئیں۔

''اندر کیا کوئی آیا ہوا ہے۔'' وہ الٹا ان سے سوال کرنے لگا۔

''پتہ نہیں۔'' وہ آگے بڑھ گئیں۔

فاران نے خود ہی آگے بڑھ کے اندر جھانک کے دیکھنے کی کوشش کی۔

''اوہ......اشعر آیا ہے۔'' وہ رک گیا۔
''مگر امی! اس طرح کیوں اندر جھانک رہی تھیں۔'' فاران کو تشویش بھی ہو رہی تھی اگر ہیثم اور خوشنما ہی اچانک سے باہر آجاتے تو کتنی شرمندگی کی بات ہوتی۔
فاران سے رکا نہیں گیا وہ ان سے باز پرس کرنے چلا گیا تھا۔
''مجھے نماز پڑھنی ہے۔'' وہ کھڑی ہوئی۔
''بھابی! آپ سے جو کام کہا ہے اس پر عمل کریں گی۔'' اشعر کا لہجہ بڑا آس لیے ہوئے تھا۔
''اشعر بھائی مجھے پہلے امی ابو سے بات کرنی ہوگی۔ میں پہلے سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' خوشنما کے لیے یہ حیران کن جھٹکا تھا۔ اس نے تو ایسی کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔
''یار! تم ہی کچھ میری سفارش کرنا۔'' اشعر نے ہیثم سے معصوم صورت بنا کے کہا تھا۔
''اوکے......اوکے۔'' وہ مسکرایا۔
خوشنما چلی گئی تھی۔ دونوں پھر باتوں میں لگ گئے تھے۔
''یار فاران کی بہن جو ہم بھی بری نہیں ہے۔ تم اسے دیکھ لو ایک نظر پھر ہی کوئی فیصلہ کرنا۔'' ہیثم چاہتا تھا کہ جو ہم سے ہو جائے تا کہ نزہت ماں کا موڈ ہی ٹھیک ہو جائے۔ اشعر ایک قابل بزنس مین تھا۔ غرور و تکبر اس میں نام کو نہیں تھا۔
''یار! سوری میں نے صرف ایک لڑکی کو ہی دیکھا وہی مجھے اچھی لگی۔ ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر امی نے اپنی ایسی قسم دی کہ مجھے مجبور ماننا پڑا اگر لڑکی؟ میں نے کہا آپ کی پسند کی لڑکی سے کروں گا مگر امی نے کہا کہ تم اپنی پسند سے کرو جب کہ اسفر بھائی کا تجربہ ہر حال میں بھولا نہیں ہوں۔''
''جب تک انسان خود کچھ نہیں چاہے تو کچھ نہیں ہو سکتا۔'' اس نے اشعر کی جانب دیکھا۔
''یار! میرا دل ڈر بھی رہا ہے، کیوں کہ میں نے پکا ارادہ باندھا ہوا تھا کہ کبھی بھی شادی نہیں کروں گا۔''
وہ گہری سوچ میں ڈوب کے گویا ہوا۔
''چل یار! یہ تجربہ بھی کرنے بہت مزے کی لائف ہوتی ہے۔'' وہ مسکرایا۔
''لگتا ہے لفٹ کرا دی ہے بھابی نے۔'' اشعر نے معنی خیزی سے اسے مسکرا کے چھیڑا۔
''فضول بکواس مت کرو۔'' وہ جھینپ گیا۔
دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے پھر اشعر کو وقت کا احساس ہوا تو وہ اٹھ گیا۔
ہیثم بھی اٹھ کے کمرے میں جانے لگا۔ کافی تھکا ہوا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھولا تو کمرے میں اندھیرا تھا۔ نائٹ بلب آن تھا اور وہ شاید سو گئی تھی۔
آج تو پوری جگہ گھیرے لیٹی ہوئی تھی۔ نماز کا دوپٹہ ہنوز کے اسٹائل میں لیا ہوا تھا تسبیح اس کے دائیں طرف پڑی تھی۔ شاید پڑھتے پڑھتے اسے نیند آگئی تھی۔
وہ واش روم میں چینج کرنے چلا گیا۔
''کاش یہ لڑکی مجھے ایسے حالات میں نہ ملی ہوتی۔'' وہ چینج کر کے آگیا تھا۔
خوشنما اور لڑکیوں سے بہت مختلف اور سادہ تھی۔ اسی طرح اس کے گھر والے بھی تھے۔ مگر اس نے ابھی تک اسے معاف نہیں کیا تھا۔

کیا اسی طرح وہ بچے بہار کو ترستا رہے گا۔ اسے آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا تھا مگر یہ اس کے اپنے ان کا دکھ تو اسے بھول ہی نہیں رہا تھا۔ نزہت مامی کی نگاہوں میں خوشنما کے لیے طنز اور نصیحت ہی نظر آتی تھی۔ وہ اتنی مغرور اور تکبر والی کیوں تھیں۔

وہ بیڈ پر جگہ بنا کے اس کے اتنے قریب لیٹ گیا کہ دونوں کے بازو مل رہے تھے۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ خوشنما کے چہرے پر بناوٹ اور مکاری ذرا نہیں تھی۔ وہ اول روز کی طرح آج بھی ایسی ہی تھی خوددار۔

اسے کتنا زعم تھا وہ کبھی بھی کسی لڑکی کا اسیر نہیں ہوگا مگر جب اوپر والے کی مرضی ہوگی تو بندہ کچھ نہیں کر سکتا اسے یہ خوشی تھی کہ جس سے اس کی شادی ہوئی تھی اسی لڑکی سے محبت بھی ہوگئی۔

خوشنما نے کروٹ لی تو اس کا ہاتھ ہاشم کی ناک سے ٹچ ہوگیا۔ اس نے بمشکل ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا وہ اس کے اتنے قریب تھی۔ تسبیح اس نے اٹھائی اور اٹھنے لگی۔ ہاشم نے شاید اس کا ارادہ بھانپ لیا تھا۔ اس کی کلائی پکڑلی وہ اس کے سینے پر ہی آکے گری۔

''کیا بدتمیزی ہے چھوڑیے۔'' سانس تیز تیز چلنے لگا۔ ابھی تک دونوں کی اجنبیت کی دیوار نہیں گری تھی۔

''میاں بیوی کی ایسی بے تکلفی کو بدتمیزی کب سے کہنے لگے۔'' اسے خوشنما کی وجود کی لرزاہٹ محسوس ہورہی تھی۔

''پلیز مجھے آپ کی یہ بے تکلفی کبھی بھی اچھی نہیں لگ سکتی۔'' اس نے منہ پھیرا ہوا تھا مگر وہ ہاشم کے لہجے کی شوخی کو سمجھ گئی تھی۔

''اچھا یہ بات ہے چلو آج سے بے تکلفی کی ابتداء کر دیتے ہیں، پھر تمہیں اچھی بھی لگنے لگے گی۔'' وہ معنی خیزی سے شوخ ہوگیا۔

''شٹ اپ۔'' زبردستی خود کو چھڑانا مگر یار بے چارے اس کے پسینے بھی ہاتھوں سے پھوٹنے لگے۔

''میں تمہارے شٹ اپ کے رعب میں آنے والا نہیں ہوں میں اگر جورکا ہوا ہوں تو صرف اس وجہ سے کہ زبردستی کا قائل نہیں ہوں لیکن اگر تم نے مجھے زیادہ تنگ کیا تو پھر میں لحاظ نہیں کروں گا۔'' وہ اس کے کان میں سرگوشی کے انداز میں بول رہا تھا۔ خوشنما نے لب بھینچ لیے تھے۔ وہ اتنی جلدی اس کے آگے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی کیوں کہ وہ لمحہ لمحہ مری تھی اور ہاشم کو ایسے کبھی بھی معاف نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''چھوڑیے مجھے واش روم جانا ہے۔'' اس نے جان چھڑانے کے لیے یہی مناسب سمجھا۔

''سچ میں جانا ہے یا بہانا مجھے بہلانے کے لیے کہا ہے؟'' اس نے اس کا پورا وجود اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ تو کرنٹ کھا کے رہ گئی۔ آج سے پہلے ہاشم نے اتنی بے تکلفی کبھی نہیں کی تھی۔

''چھوڑیں۔'' وہ چیخی۔

ہاشم قہقہہ لگاتے دور ہوگیا۔ وہ دوپٹہ کھول کے اوڑھنے لگی۔ نماز کے بعد وہ ایسے ہی لیٹ گئی تھی۔ تسبیح دراز میں رکھی اور واش روم میں گھس گئی۔ دل کی دھڑکنوں نے شور کر دیا تھا۔

☆......☆

حسنی کا دل اتنا گھبرا رہا تھا اس سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں جا رہا تھا۔ درمیان میں صرف ایک دن تھا آج

اس کا جہیز وغیرہ بھی جا رہا تھا۔ رفعت بار بار اس سے کہے جا رہی تھیں سوٹ کیس میں لاک لگا دے مگر وہ تو روئے جا رہی تھی۔

''ارے حسنیٰ! بیٹا لاک تو کر دو تمہیں پتا ہے تمہارے اتنے اچھے اور قیمتی سوٹ اور چیزیں! ادھر ادھر ہو گئیں تو تم بعد میں پریشان ہوتی رہنا۔'' رفعت اس کے پاس چلی آئیں۔

وہ لیٹی ہوئی تھی۔ ذہن اس کا بہت منتشر اور پریشان تھا۔ شہریار نے بھی اس دوران بات کرنا بند کر دی تھی اس نے شکر ادا کیا تھا مگر اسے یہ بھی پریشانی تھی پتا نہیں بعد میں اس کا کیا ردعمل نکلتا ہے۔

''حسنیٰ بیٹا! میں تم سے بات کر رہی ہوں۔''

''اوہو مما! آپ تو پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔'' وہ جھنجھلا گئی۔

''رفعت پھوپھو...... رفعت پھوپھو!'' سعدیہ کی آواز پر دونوں ہی چونک گئیں یہ شادی والا گھر تھا مگر لگ نہیں رہا تھا۔ کوئی رشتے دار وغیرہ ایسے نہیں تھے جو رکتے۔ سعدیہ کے گھر والے بھی اس لیے ان کے گھر رکے ہوئے تھے۔ یہاں تو جگہ نہیں تھی کہ وہ رکتے تو کھانا کھا کے سب کو چلے جانا تھا۔

''سعدیہ! آ گئی ہے اچھا ہے وہی تمہارے کام کر دے گی۔'' رفعت جیسے بری الذمہ ہو گئی تھیں۔

''حسنیٰ سو رہی ہو ابھی تک کیا؟'' وہ مسکراتی ہوئی اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی انگوری شیفون جار جٹ کے کپڑوں میں ملبوس لائٹ میک اپ میں سعدیہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''پوری رات تو ویسے ہی نہیں سوئی ہے۔ وہ سب ہی رات کو دیر تک جاگتے رہے۔'' رفعت نے گویا تفصیل بتائی۔

''ہاں رات مزہ بھی بہت آ رہا تھا۔'' وہ بولی۔

''میں اس سے کہہ رہی تھی۔ اپنے سوٹ کیس چیک کر کے لاک لگا دے کیوں کہ سارا سامان آج ہی جائے گا۔''

''چلیں میں کچھ چیک کر لوں گی ویسے پھوپھو نے تو سارا سامان پیک کر کے رکھا ہوا ہے فراج انہیں لے کے تو جلدی بھیج دیں گی۔'' اس نے مزید تفصیل سے بتایا۔

حسنیٰ تو ایسے لیٹی ہوئی تھی جیسے ان دونوں کے درمیان موجود ہی نہیں ہو۔

سعدیہ نے زبردستی اسے اٹھایا اور اس کی ساری چیزوں کو سمیٹنا شروع کر دیا۔ سعدیہ دو دن کی دلہن تھی مگر اس نے اور لڑکیوں کی طرح ذرا نخرے نہیں دکھائے اور ولیمہ ہوتے ہی بغیر ذمہ داریاں اٹھانا شروع کر دی تھیں۔ نسرین نے ذرا بھی مروت میں نہیں کہا کہ وہ رہنے دے نسرین کو تو ایک گھر سنبھالنے والی چاہیے تھی جو گھر کی ذمہ داریاں اٹھائے اور خود روزانہ اپنے رشتے داروں کے وزٹ پر روانہ ہو جائیں۔

''سعدیہ! بس کرو بیٹا آرام کر لو تمہاری شادی کو بھی کون سا زیادہ دن ہوئے ہیں۔'' رفعت نے کہا۔

''ارے پھوپھو آرام کر کے کرنا کیا ہے جب ساری زندگی یہی کام کرنے ہیں چند دن آرام کر کے کوئی فائدہ نہیں۔'' حسنیٰ کو ایسا لگا وہ طنز کر رہی ہے۔ کیوں کہ امی نے بھی تو اسے کام میں لگا دیا تھا ذرا بھی مروت نہیں برت رہی تھیں پتا نہیں وہ اتنی خود غرض کیوں تھیں۔

''کیوں، کیا تم سے بھابھی نے کچھ کہا ہے۔'' رفعت جیسے سمجھ گئی تھیں وہ نسرین کی عادت سے بھی واقف تھیں وہ اتنی روکھی اور بے مروت بھی تھیں۔

''نہیں وہ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔'' سعدیہ گڑبڑا بھی گئی۔
مگر حسنٰی اپنی ماں کو جانتی تھی وہ کبھی سعدیہ کی تعریف تو کرتی نہیں تھیں چاہے وہ گھر میں کولہو کا بیل بن کے کام کرے۔
''سعدیہ میں تمہاری باتوں کا مفہوم سمجھ گئی ہوں۔''
''حسنٰی تم تو پاگل ہو گئی ہو۔ میں نے تو ویسے ہی ایک بات کہہ دی تھی۔ پھوپھو اکیلی سب کیسے کریں گی۔ میرا فرض ہے کہ ان کا ہاتھ بٹاؤں۔'' اس نے مسکرا کے سہولت سے بات بنا دی۔ رفعت تو خوب جانتی تھیں نسرین کیسی ناشکری اور بے مروت عورت ہیں۔ دوسروں کو اپنا تو وہ جانتی ہی نہیں تھیں۔
''بھابی کو تو نوکرانی چاہیے تھی، وہ مل گئی انہیں۔'' رفعت نے سوچا مگر منہ سے نہیں کہہ سکیں۔ انہیں سعدیہ پر ترس آنے لگا۔
سعدیہ ہنس کھ عادت کی تھی۔ جب سے یہاں سے گئی تھی وہ کچھ سنجیدہ ہو گئی تھی کیوں کہ نسرین نے اتنے واویلے کیے تھے فراج کی پسند پر کہ وہ تو پشاور چلی گئی مگر نسرین کے زرخیز دماغ میں تو ہر بات اپنے مطلب کی آتی تھی۔ بھائی کا بھی خیال نہیں کیا بلکہ یہ سوچ کے فراج سے اس کی شادی کی گھر میں کام کرنے والی تو آئے گی۔ سعدیہ شاید یہ بات نہیں سمجھ رہی تھی یا پھر وہ جان بوجھ کے انجان تھی۔

☆......☆

رات مہندی سے اتنی دیر میں واپسی ہوئی تھی۔ سب ہی صبح دن چڑھے تک سوتے رہے تھے مگر حباب کو اپنی شادی کا لہنگا لینا تھا۔ جو وہ گھر ہی چھوڑ آئی تھی۔ اس لیے وہ زین کے ساتھ گھر آ گئی تھی۔ اکرام ماموں کا اصرار اسے چھوڑنے کے لیے گیا تھا۔
آتے ہی کمرے کو سمیٹا کیوں کہ ضمران نے اچھا خاصا پھیلایا ہوا تھا۔ وہ کل تیار ہوا ہو گا تو ہر چیز ایسے ہی پھیلا کے چھوڑ دی تھی۔
کب سے صحن میں کچھ آوازوں کا شور تھا۔ اسے اتنا تو پتا تھا آج آدم ابھی تک اسکول نہیں گیا تھا۔ وہی اکثر کھانے پینے پر شور کرتا تھا مگر یہ شور دور آوازیں کچھ اور ہی نوعیت کی تھیں۔ حباب تجسس کے مارے باہر نکل آئی۔
سامنے لاؤنج میں عتیق احمد کو دیکھا کر وہ تو حیران رہ گئی۔ رضوانہ سامنے صوفے پر بیٹھیں رو رہی تھیں۔ آدم خاموش تھا حمل اور طلحہ بھی اتفاق سے گھر پر ہی تھے۔ عتیق احمد کی موجودگی حیرت سے کم نہیں تھی۔
''چلو آدم! تم اپنے کام کرو جاؤ۔'' رضوانہ نے اسے اٹھایا۔
عتیق احمد کا سر جھکا تھا پتا نہیں ندامت سے یا پھر غصے سے وہ اندازہ نہیں کر سکی تھی۔
''حباب! سلام کرو اپنے سر کو۔'' سوجھوا نے گیلے کپڑوں میں حیرانی سے دیکھ لیا تھا۔
عتیق احمد کا اسی وقت سر اٹھا تھا حباب سلام کرنے آگے آ چکی تھی۔
''جیتی رہو! اس وقت میرے پاس تمہیں منہ دکھائی میں دینے کو کچھ نہیں ہے۔''
''ارے کوئی بات نہیں۔'' وہ مسکرائی اسے ان کے سامنے جھجک اور شرم بھی آ رہی تھی۔ کیوں کہ آج اس نے یوں پہلی بار انہیں یہاں دیکھا تھا۔

"ضمران کب تک آتا ہے؟"
"وہ بھی چھ بجے یا آٹھ بجے تک آتے ہیں۔" وہ سائیڈ والے صوفے پر بیٹھی قدرے توقف سے گویا ہوئی۔
"بیٹا! تمہیں حیرانگی ہو رہی ہوگی۔ میں آج یہاں کیسے۔" وہ خود ہی جیسے اس کے آنکھوں میں سوال دیکھ کر سمجھ گئے تھے۔
"آج اگر میری آنکھیں وہ دو بچی نہیں کھولتی تو یہاں میں کبھی نہیں آتا۔"
"چھوڑیے ابو! آپ ان سب باتوں کو ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آپ لوٹ آئے ہیں۔" آدم نے ان کی بات کاٹ دی۔
آدم کو نوین کی عقل مندی اور سمجھداری پر ابھی تک حیرانگی تھی۔ وہ راشدہ پھوپھو کی الگ ہی بیٹی ثابت ہوئی۔ نوشین اور کرن کو تو سوائے میک اپ، فیشن کے کوئی انہیں کام نہیں ہوتا تھا۔ البتہ اس نے نوین کو اکثر یہاں بھی اپنی پڑھائی اور کام میں مشغول ہی دیکھا تھا۔ وہ فضول باتوں میں بھی نہیں پڑتی تھی۔ آج اندازہ ہو رہا تھا نوین اچانک سے اسے اتنی اچھی کیوں لگنے لگی تھی۔ آدم پریشان ہو گیا تھا۔
"میں اب یہیں اپنے بچوں کے پاس رہوں گا۔" انہوں نے مسکرا کے خوش ہو کے کہا۔
"میں ان سب کا گناہ گار ہوں۔"
"آپ ایسی باتیں نہیں کریں آپ کے بچے ایسے نہیں ہیں کہ آپ کو یوں مجرم بنا دیکھیں وہ بہت خوش ہیں۔" رضوانہ کے دل کو بھی جیسے قرار مل گیا تھا۔ گھر کا ماحول اچانک ہی بہت اچھا اور خوش باش ہو گیا تھا۔ رضوانہ کو سکون مل گیا تھا۔ اتنے برسوں بعد شفیق احمد نے ان کی حیثیت جان لی تھی اور انہیں یہی کافی تھا۔
ضمران شام میں چھ بجے ہی آ گیا۔ حرا نے جو اسے کال کر دی تھی وہ شفیق احمد کے گلے لگ کے آنکھوں میں نمی لیے مسکرا دیا۔
"ابو! آج آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہے آج ہمارا گھرانہ پورا ہو گیا ہے۔" وہ ان کے ہاتھوں کو تھام کے چومنے لگا۔
حباب نے شام کی چائے پر خاصا اہتمام کر لیا تھا۔ خوشی کا دن جو تھا۔
"تم کیسے آ گئیں۔" ضمران نے اس کی موجودگی پر پوچھا۔ آج ہی تو شہریار کی شادی تھی۔
"مجھے کپڑے اور کچھ چیزیں لینی تھیں زین کے ساتھ آ گئی تھی۔" اس نے بتایا۔
"رات تم بہت پیاری لگ رہی تھیں۔" ضمران اس کی پشت پر کھڑا ہوئے پر یم سے مخمور لہجے میں بولا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے کاسمیٹکس کی چیزیں نکال رہی تھی۔ حباب کی نگاہ نہیں اٹھ رہی تھی۔
"تم عجیب لڑکی ہو۔ لڑکیاں تو شوہر تعریف کریں خوش ہوتی ہیں تم خوش ہی نہیں ہوتی ہو۔" وہ کھسیا گیا تھا۔
"یہ تعریف اس وقت اچھی لگتی ہے سب کچھ پلاننگ سے ہو۔" وہ معنی خیزی سے بولتی دراز بند کرنے لگی۔ ضمران کے خاک بھی پلے نہیں پڑا، وہ ساری چیزیں بیگ میں رکھ رہی تھی۔ ضمران خاصا بدحرہ بھی ہو گیا تھا وہ منہ لپیٹ کے پڑ گیا تھا۔

☆.....☆

اس نے گھر میں جیسے ہی قدم رکھا تھا سب کے چہروں پر پریشانی اور ہوائیاں دیکھی تھیں۔

''خیریت تو ہے۔'' اس نے چھوٹی مامی سے پوچھا۔ وہ ہال کمرے میں خاموش بیٹھی تھیں کیوں کہ اسے سارا ماحول ہی خاموش لگ رہا تھا۔

''آں.....ہاں؟'' وہ جیسے کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔ ہشم کے بولنے پر اچھل ہی گئیں۔

''مامی آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہیں اور گھر کے باقی لوگ کہاں ہیں نانا جان بھی اپنے روم میں نہیں ہیں۔'' اس کو بہت پریشانی اور فکر ہو رہی تھی۔

''وہ سب بھابی کے کمرے میں ہیں۔'' وہ بتانے لگیں۔

''ایسا کیا ہو گیا خیریت تو ہے۔''

''ہشم! تم ابھی آفس سے آئے ہو فریش ہو جاؤ پھر تمہیں بھی سب پتا چل جائے گا۔''

''مجھے ابھی بتایئے۔'' وہ تو بے چین تھا۔ بڑی مامی کے روم میں وہ جان کے نہیں جا رہا تھا۔ کیوں کہ بڑی مامی اس سے کون سا خوش تھیں۔

''فاران نے شادی کر لی ہے۔''

''واٹ.....؟'' وہ تو بیٹھے سے اچھل کے کھڑا ہو گیا۔ کیوں کہ شاہدہ مامی نے لگتا تھا کوئی بم پھاڑا ہو۔

''بھابی کا رو رو کے برا حال ہے۔''

''مگر مامی یہ کیسے کر سکتا ہے۔ فاران سے مجھے اس بے وقوفی کی توقع نہیں تھی۔'' وہ تو بہت زیادہ فکر مند ہونے لگا۔

''ارے بیٹا یہاں تو بس کیا کروں کیا ہو رہا ہے مجھے پتا ہے۔ یہ سب فاران نے کسی مجبوری میں ہی کیا ہوگا۔'' شاہدہ کا دل مان نہیں رہا تھا کہ فاران اپنی ماں کا دل دکھانے کے لیے ایسی کوئی حرکت کرے گا۔

ہشم گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کل تک بڑی مامی اسے کیا کیا نہیں کہہ رہی تھیں اور آج ان کے خود کے بیٹے نے ایسی حرکت کر دی لیکن بڑے بول سے پتا نہیں کیوں ڈر نہیں لگتا تھا۔

اس نے تو خیر اپنے بڑوں کی مرضی جو اس کے اپنے تھے۔ نانا جان ان کی مرضی سے شادی کی تھی جب بھی بڑی مامی کو یہ سب پسند نہیں تھا۔

''کچھ نہ کچھ تو کہیں گڑبڑ ہوئی ہے۔'' وہ ذرا پریشان ہوا۔

''گڑبڑ ارے اس نے تو اچھی خاصی گڑبڑ کر دی ہے۔ بھابی کو تو فاران پر فخر تھا۔ ان کی مرضی کے بغیر نہیں شادی نہیں کرے گا۔''

''مامی یہ بڑے بول بھی ٹھیک نہیں ہوتے اتنا فخر اور اعتماد بھی نہیں کرنا چاہیے۔ فاران باشعور سمجھ دار ہے وہ اپنی مرضی سے کیوں شادی نہیں کر سکتا۔''

''ابھی تو تم کہہ رہے ہو کہ اس نے یہ اچھا نہیں کیا اور اب یہ بات۔'' وہ جیسے سمجھی نہیں۔

''میرا مطلب ہے کہ فاران کو بھی اپنی پسند کا اختیار ہے پر اس نے غلط کیا اچانک سے شادی۔ پہلے گھر والوں کو بتاتا تو سیدھے طریقے سے اس کی شادی کرتے۔''

''ارے بیٹا مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔'' وہ اٹھ گئیں۔ ہشم نے بھی اپنے روم کا رخ کیا اس وقت مامی کے روم میں جانے کی اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

اندر آیا تو خوشنما اسی وقت عصر کی نماز پڑھ کے فارغ ہوئی تھی۔ دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا اس کے

لب ہل رہے تھے صاف واضح تھا۔ وہ رو رو کر رہی ہوگی۔ جائے نماز تہہ کر کے ڈریسنگ روم میں رکھی اور خود سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔

''یہ سب گھر میں کیا ہو رہا ہے۔''

انسان کو اتنی اکڑ بھی نہیں رکھنی چاہیے اس ذات پاک کے آگے وہ پل میں کیا سے کیا کر سکتا ہے۔ دیکھنا یہ سب اللہ کو ناپسند ہے۔''وہ گھر میں ہوئی ایسی بات سے خوش تو نہیں تھی۔ مگر تزہت مامی پر اسے افسوس ہوتا تھا جو ہر وقت اسے حقیر جو سمجھتی تھیں۔ غریب ہونا اس کا گناہ تھا۔ عزت، شرافت، انسان کی کوئی حیثیت نہیں رکھتی وہ کون ہوتی ہیں۔ اس کی پل پل میں بے عزتی کرنے والی۔

''یہی بات اگر میں تمہارے بیچھے کہوں؟'' وہ شرٹ کے بٹن کھول رہا تھا۔ آتے ہی وہ فریش ہو کے ایزی سا میض شلوار پہنتا تھا۔

''تم بھی تو مجھے حقیر اور ناپسند کرتی ہو۔''

''میں نے بھی آپ کو حقیر نہیں سمجھا ہے بلکہ حقیر اور ناپسند تو آپ نے کیا ہے۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔'' وہ تو تنک ہی گئی۔ ہاشم لب بھینچ کے رہ گیا کیوں کہ وہ پچھلی باتوں کا حوالہ دے کر اسے شرمندہ کرتی رہتی۔

''جب سے میں تم سے ملا ہوں کتنا بے پناہ پیار کرنے لگا ہوں لیکن تم میری سزا کب ختم کرو گی۔'' وہ خاصا سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا خوشنما نے اسے بغور دیکھا وہ معمول سے زیادہ خاموش اور افسردہ بھی لگ رہا تھا۔ شاید گھر کے ماحول کی وجہ سے یا پھر اس کے اندر کہیں خالی پن تھا جو اسے بار بار احساس دلاتا تھا کہ وہ تنہا ہے۔

''ہنھ یہ مجھے کیا ہوا میں اتنی جلدی اس کے بارے میں اتنا نرم کیوں سوچنے لگی اس شخص نے مجھے سب کے سامنے رو کیا تھا۔'' وہ فوراً ہی سر دھیر اور سخت بن گئی۔

''آپ کے پیار کا کیا پتا کہاں کہاں نہیں نچھاور کر چکے ہوں۔''

''اب تم یہ مجھے غصہ دلانے والی بات کر رہی ہو۔'' وہ ایک دم ہی ریش ہو گیا۔ تیوری تن گئے بات کردار پر تو اسے انگلی تک اٹھانا برداشت نہیں ایسی ہی بات بڑی امی نے بھی تو کہی تھی، اسے اس وقت ان کی بات کا افسوس تو ہوا تھا مگر جلد بھول گیا تھا مگر خوشنما کے منہ سے یہ بات بالکل گوارہ نہیں تھی۔

''کیوں جھوٹ تو نہیں ہے۔'' وہ دور صوفے پر بیٹھی اسے سلگائے جا رہی تھی۔

''جسٹ شٹ اپ بہت ہو گیا، جس کا دل چاہتا ہے میری تضحیک کرتا رہتا ہے۔ میرے ماں و باپ نہیں ہیں کہ جس کا دل چاہے گا وہ مجھے بے عزت کرتا رہے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ مجھے شرمسار ہونا پڑے، میری تربیت میرے نانا جان نے کی ہے۔ مجھے فخر ہے میں ہر بری صحبت سے بچا ہوا ہوں۔'' وہ تو پھٹ پڑا۔

خوشنما اس کے اتنے درشت لہجے پر چراغ پا ہونے پر وہ سہم سی گئی لب بھینچ لیے وہ لمبے لمبے سانس بھرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

''اف...... انہیں تو غصہ بھی آتا ہے۔ خوشنما آگے تیری خیر نہیں جو مزید تو نے بکواس کی تو۔'' وہ لب کچل رہی تھی۔ اسے ہاشم کی فکر بھی ہو رہی تھی جو پتہ نہیں کہاں نکل گیا ہوگا۔ ویسے ہی گھر کی فضا افسردہ تھی۔

(جاری ہے)

مکمل ناول

ایک چاند ہم سفر ہے

[illegible]

"آ رہی ہے یہ جس کا تم کو تھا انتظار!" شفا [illegible] اچانک کمرے میں نازل ہو کر اسد کو مخاطب کیا جو اپنے گھنیرے سیاہ بالوں میں الجھا "ایک سٹے سے برش کرنے میں مصروف تھا۔

"بھلا مجھے کس کا انتظار تھا!" پہلے تو وہ حیران ہوا پھر برش پھینک کر پوچھا۔ "شفا آ رہی ہے کیا؟"

"ہاں شفا اپنے والدین کے ہمراہ آ رہی تھی۔ جلدی سے یہاں پہنچنا ہے [illegible] جلوہ افروز ہونے والی ہے۔" شہلا نے باقاعدہ خوش ہوتے ہوئے انداز میں کہا۔ اسد کا خوشی کے مارے برا حال ہو گیا۔

"[illegible] آج نہیں ہو سکتا!" وہ شوخی کا انداز اپنا کر بولا جب وہ بہن کو گھسیٹ کر [illegible] لے گئی تو [illegible]

"اب آپ سے صبری بھی اچھی نہیں ہوتی۔" [illegible] نے اسد کو [illegible] کا مشورہ دیا۔ "ابھی یہ خبر میں نے [illegible] سب سے پہلے [illegible] [illegible] [illegible] انتظار کرنے میں تو [illegible] [illegible] یہ اطلاع سب کو دینی ہے۔"

[illegible] کے جانے کے بعد وہ سارے کمرے میں [illegible] اچھل اچھل کر ناچنے لگا۔ خوشی اتنی زیادہ تھی کہ سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ "شفا آ رہی ہے" وہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہا تھا اور خوش ہو ہو کر سوچ رہا تھا۔

شفا اس کی بڑی پھپھو کی بیٹی تھی۔ [illegible] [illegible] ہونے پر خوش نہیں ہو رہا تھا بلکہ اس [illegible] خوشی کی [illegible] ہو رہے تھے کہ وہ اس [illegible] [illegible] میں مصروف کرتے تھے [illegible] [illegible] تھی۔ شفا کو آخری بار اسد نے اس وقت [illegible] [illegible] [illegible] کی اگرچہ تصویروں کے ذریعے [illegible] رہتا تھا [illegible] [illegible] [illegible] ہرگز نہیں [illegible] [illegible] اس نے شفا کو اپنے تصوراتی پیار سے [illegible] جیسے بھی اس کا خیال تھا کہ وہ تصویروں سے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جیسی شکل ہو گی ویسا ہی نظر آئے گا لیکن وہ ہرگز یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] چاہتا تھا کہ شفا [illegible] اس کا خط [illegible] ہے۔

"کیا بات ہے اسد؟ بہت خوش نظر آ رہے ہو۔" امی نے اس کے چہرے پر چمکتے خوشی کے آثار دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"لگتا ہے کوئی خاص بات نہیں امی۔" وہ [illegible]



اب امی کو کیا بتاتا کہ منگیتر کے آنے کی خبر سن کر اس کے دانت اندر جانے کا نام نہیں لے رہے۔

"تم ہو نا گھر پر! میں ذرا بھائی جان کی طرف جا رہی ہوں۔" شکر ہے کہ انہوں نے زیادہ کریدا نہیں ورنہ اسد کے لیے مشکل ہو جاتی۔

"جیتی رہیں امی۔" اس نے زیر لب دعا کی اسے اپنی ماں کی یہ عادت بہت اچھی لگتی تھی کہ کسی بات کے پیچھے نہیں پڑتی تھیں۔

وہ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں۔ امی کے دونوں ماموں اگلی گلی میں ہی ساتھ ساتھ واقع بنگلوں میں رہائش پذیر تھے۔ فاصلہ کم ہونے کی وجہ سے تینوں خاندانوں کے افراد جب بھی چاہتا منہ اٹھا کے ایک دوسرے کے گھر پہنچ جاتے۔ امی اکلوتی بہن ہونے کی وجہ سے بڑے اور چھوٹے دونوں ماموؤں کے لاڈلی تھیں۔ حد تو یہ ہے کہ بڑی ممانی اور چھوٹی ممانی بھی ان کو ان کی اولاد سمیت بہت عزیز رکھتی تھیں۔ اس کا واضح ثبوت بڑی ممانی کا اپنی لاڈلی اور اکلوتی بھانجی شفا کو اسد سے منسوب کرنا تھا۔ اس محبت کا سارا کریڈٹ یقیناً" ماموں صاحبان کو جاتا تھا۔ مرد اگر رشتوں میں توازن قائم رکھنا چاہے تو بیوی کی مجال نہیں کہ سسرالی رشتوں کو نظر انداز کرے اور نہ والدین اور بھائی بہنوں کو یہ حوصلہ ہو کہ دوسرے گھر سے آنے والی لڑکی کو ہمیشہ پرائی لڑکی سمجھ کر بیگانگی اور سرد مہری سے پیش آئیں۔ اسد کو ماموؤں پر حیرت ہوتی تھی کہ کس خوبی سے انہوں نے رشتوں میں توازن اور اعتدال برقرار رکھا تھا۔ ورنہ اب تک کے مشاہدے میں اس نے یہی نوٹ کیا تھا کہ مرد متوازن رویہ نہیں اپناتے' ایک طرف جھک جاتے ہیں یا تو بیوی کی محبت میں سرشار ہو کر، والدین اور بھائی بہنوں سے الگ ہو جاتے ہیں یا پھر گھر والوں کی چاہت میں شریک حیات کو بیری جوتی سے زیادہ اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ دونوں صورتوں میں ایک فریق کے ساتھ زیادتی ہو جاتی ہے اور گھر کا سکون اور محبت بھری فضا درہم برہم ہو جاتی ہے۔ جس دن مردوں نے توازن اور اعتدال کی روش اپنانا سیکھ لیا اسی دن خانگی جھگڑوں کا اختتام ہو جائے گا۔ اسد نے یہ سنہرا نسخہ اپنے ماموؤں سے سیکھا تھا اور وقتاً" فوقتاً" اپنے کزنز کو بھی رٹواتا رہتا تھا تاکہ کم از کم اس کا خاندان ان فضول اور جاہلانہ قسم کے جھگڑوں سے محفوظ رہے۔

باہر سے اچانک شور و غل سنائی دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ شبلی پورے بلٹن کے ساتھ دھاوا بول چکا ہے۔ تینوں گھروں کو ملا کر ایک اچھی خاصی بٹالین جمع ہو جاتی تھی۔ بڑے ماموں کے سپوتوں میں حنیف عرف شبلی' طارق' ساجد اور مینا تھے۔ جبکہ عمیر اور بلال چھوٹے ماموں کی آنکھوں کے تارے تھے۔ یہ دونوں اسد سے چھوٹے تھے۔ یوں سب اکٹھے ہو کر گھومتے پھرتے تو اچھی بھلی بارات کا سماں بندھ جاتا۔

[illegible] نے تالیاں بجا کر اس کا استقبال کیا اور [illegible] گلے لگا کر اسے مبارک باد دی۔

"یار! مبارک ہو آخر [illegible] نے وارد ہونے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ وہ رستہ بھول بھال کر کسی لال بندر سے بیاہ رچا لے گی۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ برطانیہ میں رہ کر خود بھی لال بندریا بن چکی ہوں۔" بلال نے خیال آرائی کی۔

"اگر ایسا ہوا ہو تب بھی کوئی خاص مضائقہ نہیں ہے۔" طارق نے اطمینان سے کہا۔ "بلاتوری بندریا اور پاکستانی لنگور کی جوڑی خوب سجے گی۔"

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے!" اسد نے اسے گھورا۔ "ایسی منحوس شکل ہے کہ دیکھ لو تو پورا دن منحوس گزرتا ہے۔"

"چلو بھئی یہ دونوں تو لڑنا شروع ہو گئے۔" شبلی نے کہا۔ "کیوں نہ ہم باہر چلیں ان دونوں کو یہیں لڑنے مرنے دو۔"

"گڈ آئیڈیا۔ شفا باجی کے آنے کی خوشی میں ہم آئس کریم کھائیں گے۔" تنویر اچھل کر بولا۔

"آپ کس کریم کھائیں گے؟" شبلی نے اس کی نقل اتاری۔ "اور بل تمہارے ماما جی ادا کریں گے!"

"نہیں ماما جی کے بڑے صاحبزادے ادا کریں گے۔ بات تو ایک ہی ہے۔" جھٹ سے اس نے جواب دیا۔ شبلی کا منہ بن گیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے باہر جانے کی۔ ہم گھر میں ہی ٹھیک ہیں۔"

"ہونہہ۔ کنجوس کہیں کے۔ ذرا سا خرچ کرنے میں جان جاتی ہے۔" جبین بڑبڑائی۔

"میں کس خوشی میں خرچ کروں!" وہ بگڑ کر بولا۔

"یہ کیا بات ہوئی! ہر موقع پر میں ہی ٹریٹ دوں۔ باقی سب فقیر ہیں کیا!" اس کا غصہ بالکل بجا تھا۔ ایسے کسی بھی موقع پر بے چارے شبلی کو ہی اپنی جیب خالی کرنی پڑتی تھی۔ طارق، اسعد اور افسر صاف اپنا دامن بچا لیتے تھے۔ ساجدہ، جبین اور مینا تو بے چاری لڑکیاں تھیں۔ لہٰذا ان کے خرچ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ رہ گئے بلال اور نوریہ۔ تو دونوں اسکول میں پڑھ رہے تھے۔

[illegible] سب سے چھوٹے [illegible] بڑوں پر تو ویسے بھی چھوٹوں کا حق ہوتا [illegible] کی۔

"بڑا ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہے [illegible] لوگ مجھے کنگال کر دو۔" وہ زچ ہوا۔ "اس سے تو اچھا تھا کہ سب سے چھوٹا ہوتا۔"

"[illegible] آپ [illegible] کا پہلو معلوم ہو جاتا [illegible] کہا۔ "آپ کو معلوم ہی نہیں چھوٹا ہونے کے کتنے نقصانات ہیں۔ سب [illegible] کروانے رہتے [illegible] کرنے کے احکامات کی تعمیل بھی کرو۔ [illegible] میں [illegible] خانے [illegible] تھے۔"

"[illegible] بھائی نے کہا [illegible] فارسی [illegible] نوریہ کی [illegible] ضروری سمجھا [illegible] وہ بھی ان [illegible] برابر کا شریک تھا۔

"مجھے فارسی سے کوئی [illegible] نہیں ہے۔" شبلی نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"تم جیسے بدذوق آدمی سے یہی امید تھی۔ جس طرح گدھا کیا جانے زعفران کا بھاؤ اور بندر کیا جانے ادرک کا مزہ! اسی طرح یہ جدید محاورہ بولا جاسکتا ہے کہ شبلی کیا جانے فارسی کی بہار!" اسعد نے ملامت آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔ "کتنی پیاری اور خوبصورت زبان ہے! بندہ فارسی میں گالیاں بھی دے تو کانوں کو بھلا لگتا ہے۔"

"شاید فارسی بولنے والے کے بارے میں ہی شاعر نے کہا ہے کہ

اتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

طارق نے خیال آرائی کی۔

"وہ کہاوت تو سن لیں۔" نوریہ نے فریادی لہجے میں کہا۔ "چھوٹا ہونے کا یہ بھی نقصان ہے کہ بڑے بات بتا نہیں سنتے۔"

"چلو ہم نے تمہیں اجازت دی اپنی بات فرمانے کی۔" افسر نے شاہانہ تمکنت کا مظاہرہ کیا۔

"فارسی میں کہتے ہیں کہ آدمی سگ یعنی کتا ہو جائے مگر گھر میں چھوٹا نہ ہو۔"

"اور کیا صحیح کہتے ہیں! کتے کی تو پھر بھی عزت ہوتی ہے بڑے سے بڑے تیس مار خان اس کے سامنے سے بچ کر گزرتے ہیں مگر چھوٹوں کو تو کوئی لفٹ ہی نہیں کراتا۔" بلال نے [illegible] سے کہا۔

"تم لوگ اس لائق ہو کہ لفٹ کرائی جائے؟ ذرا سی بات کیا کر لو سر پر چڑھ جاتے ہو۔" شبلی نے انہیں ڈانٹ پلانے کی کوشش کی۔

"واہ! ہم نے کب یہ فضول حرکت کی ہے؟ آپ کے سر پر چڑھنے سے بہتر ہے کہ بندہ گدھا گاڑی پر چڑھ جائے۔" نوریہ کی بات پر شبلی آگ بگولا ہو گیا۔

"یہ ہوتا ہے انجام چھوٹوں کو منہ لگانے کا۔ اپنی اوقات بھول جاتے ہیں۔"

"[illegible] بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ سب ہمیں [illegible] ہوئے تھے۔" مینا [illegible] ہوئی۔

شبلی کو بار ڈالا یا۔
گفتگو نازک صورت اختیار کر گئی تھی۔ موضوع تبدیل کرنا ضروری تھا ورنہ شبلی کے ہاتھوں شوہر کا آملیٹ تیار ہو جاتا۔
"کیوں میرے پاس قارون کا خزانہ ہے؟" وہ مینا پر چڑھ دوڑا۔
"تم جیسے مفت خوروں کے لیے اب میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔"
"لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اسد نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "آج بدولت ... توڑتے ہوئے بقلم خود... میرا مطلب ہے کہ بذات خود تم جیسے بھکے سے لوگوں کو ٹریٹ دیں گے۔"
اسد کی اس حیرت انگیز آفر پر خاصی دیر تک کسی کو یقین نہیں آیا۔ خاص طور پر شبلی غیر یقینی کی کیفیت میں تھا کہ اس بار اس کی جیب خالی ہونے سے بچ گئی ہے لیکن اسد سنجیدہ تھا۔ شفا کے آنے کی خوشی اتنی زیادہ تھی کہ اس کے اظہار کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس کی اس فراخدلانہ پیشکش پر سبھی پھیل گئے۔ اب سب کا مطالبہ آئس کریم سے بڑھ کر سیلفرو نلڈ میں ایک شاندار ڈنر تک جا پہنچا تھا۔ اسد نے لاکھ احتجاج کرنے کی کوشش کی لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے اسے ماننا ہی پڑا۔ اب وہ ہوٹل کی پرسکون فضا میں بیٹھے تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ سب کی کوشش تھی کہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے ڈنر اور وہ بھی اسد کی طرف سے! یہ معجزہ بار بار نہیں ہوتا تھا۔
"یارو! یہ خیال رکھنا کہ یہ ٹریٹ وزیراعظم پاکستان کی طرف سے نہیں ہے۔" اسد نے دہائی دی۔ "بلکہ ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرنے والے غریب کی طرف سے ہے۔"
"اجی بس! ہم خوب جانتے ہیں تمہاری غربت کو۔ عجیب تو کہا جا سکتا ہے لیکن غریب نہیں کہا جا سکتا۔" طارق نے بے نیازی سے کہا۔
"یار ایک پھڑکتا ہوا آئیڈیا آیا ہے میرے ذہن میں۔" افسر جواب تک خاموش تھا چٹکی بجا کر بولا۔
"شکر ہے ان کے چھوٹے سے سر میں بھی کوئی آئیڈیا آیا۔" نبیل نے شرارت سے مداخلت کی۔
"میں تو آج تک یہی سمجھتا رہا کہ تمہارے سر میں فقط ایک بھوسے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔" اسد نے چھوٹی بہن کی تائید کرتے ہوئے اسے چھیڑا۔
"اچھا اور اپنی گردن پر رکھے اس تربوز کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے!" اس نے آنکھیں نکالیں۔
"اوہو افسر بھائی! آپ کوئی ترکیب بتا رہے تھے۔" مینا نے حسب عادت سیز فائر کرتے ہوئے امن کی فاختہ کا کردار ادا کیا۔
"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ..." کسی کی بازی ... سب کی طرف رخ کر کہا۔
... ابھی تک بھی چکور۔ شبلی نے حسب ... اپنی ٹانگ اڑائی۔
"بندہ ... کہتے نہیں فرماتے ہیں..." اس نے گھور کر شبلی کو دیکھا۔
"فرما دیے میرے بھائی ... تو فرما رہے ہیں۔" طارق نے ہاتھ جوڑ دیے۔ "آپ ایسا ... کچھ فرمانے کی کوشش فرما رہے ہیں۔"
"میں یہ فرما رہا تھا کہ شفا نے اسد کو بڑے ہونے کے بعد نہیں دیکھا۔" آخر کار وہ اپنی ترکیب بتانے لگا۔ "کیوں نہ ہم اسد کو ایسے حلیے میں سامنے لائیں کہ شفا اسے اپنا ساتھی بنانے کے خیال سے ہی کانپ اٹھے۔"
"ترکیب ہے تو زبردست۔ انجوائے منٹ رہے گی۔" شبلی نے سب سے پہلے تائید کی۔
"حیرت ہے کہ آج بوائے ترکیب افسر جیسے کاٹھ کے الو نے پیش کی ہے۔" طارق نے مکمل حیرت کا مظاہرہ کیا۔
"اس پر ضرور عمل کرنا چاہیے۔ بہت مزا آئے گا۔" ساجد نے پرجوش ہو کر کہا۔
"سوچ لو کہیں مہوا ہی نہ ہو... اسد ذرا ... کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے ... ہی سے صاف انکار کر دے۔"

آخر ولایت سے آرہی ہے۔ ماحول کا کچھ تو اثر ہو گا۔"

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ آخر یہ لڑکیاں کس دن کام آئیں گی!" شولی نے اسے دلاسا دیا۔ "یہ شفا کی مکمل جاسوسی کریں گی اور جیسے ہی معلوم ہو کہ شفا انکار کرنے والی ہے' ہم ڈرامے کا ڈراپ سین کر دیں گے۔"

"لیکن اس ڈرامے سے کہیں میں ہی نہ ڈراپ ہو جاؤں۔" اسد کو فکر لاحق ہو رہی تھی۔

"کہہ جو دیا کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی۔" شولی کو غصہ آگیا۔ "شفا میری لاش پر سے گزر کر انکار کرے گی۔"

"ٹھیک ہے لیکن یاد رکھو کہ اگر کوئی اونچ نیچ ہوئی تو میں تمہاری لاش پر سے گزر جاؤں گا۔" اسد نے دل ہی دل میں لاحول پڑھتے ہوئے اسے دھمکی دی۔

"فکر نہ کرو یار! رکھ دوں گا میں اپنی لاش کو تیرے سامنے اگر ایسا کچھ ہوا۔"

"یہ تم لوگ کیسی خوفناک باتیں کر رہے ہو۔" مینا نے جھرجھری لی۔ "مجھے لاشوں سے بہت خوف آتا ہے۔"

"اس میں ان بے چاروں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ انہیں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ کس وقت کون سی بات کرنی چاہیے۔" جبین نے اطمینان سے اس کا دل رکھا۔

"جبین تم اچھی باتیں کرتی ہو۔" افسر نے کلس کر جلانے والے لہجے میں کہا۔

"تمہاری عقل کو برا کہنے والے کی ایسی کی تیسی۔ میں تمہاری بات کو کسی نیک کی لات سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔"

"تو پھر تم کیوں چیخ رہے ہو؟" جبین بھلا اس کے سامنے چپ رہ سکتی تھی۔

"بس کرو۔ ایسا نہ ہو کہ دھکے دے کر نکال دیے جائیں۔ یہ شرفا کی جگہ ہے۔" شولی نے مداخلت کی۔

"اب خاموشی سے یہ سب ٹھونسو۔ جو پورا باورچی خانہ منگوایا ہے۔" اسد نے سامنے رکھی ڈشز کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کھانے کے ساتھ ساتھ اس شرارت کو عملی جامہ پہنانے کا پروگرام بنانے میں مصروف ہو گئے۔ سبھی ایکسائیٹڈ ہو رہے تھے۔ اسد کو تھوڑی سی پریشانی تھی کہ کہیں شفا انکار نہ کر دے لیکن سب کی وجہ سے وہ خاموش ہو گیا تھا۔ "جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" اس نے دل کو تسلی دی۔

گھر واپسی تک وہ اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ شفا کے سامنے اسد کو انتہائی نخریلی "نازک" مزاج کے اور گھامڑ شخصیت کے روپ میں پیش کیا جائے گا۔

"یار یہ لڑکیاں کہیں گڑبڑ نہ کر دیں۔" افسر نے فکرمندی سے کہا۔ وہ لوگ اسد شولی کے گھر رک گئے تھے تاکہ اس معاملے پر مزید سوچ بچار کی جا سکے۔

"تمہاری پریشانی بجا ہے۔ لڑکیاں مشکل ہی سے کوئی بات ہضم کرتی ہیں۔" اسد بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔

"ایسا نہ ہو وہ شفا کے سامنے سارا راز فاش کر دیں اور ہم اپنا سا منہ لے کر رہ جائیں۔"

"ان کی مجال ہے کہ یہ حرکت کریں۔" شولی نے غصے سے کہا۔ "ان کی زبانیں کاٹ کر ہاتھ میں پکڑا دوں گا۔"

"کم از کم سامعہ اور مینا کی طرف سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" طارق نے کہا۔ "وہ سمجھدار ہیں۔ ایسی اوچھی حرکت نہیں کریں گی۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ جبین کسی انتہائی گیرے کی بہن ہے۔" اسد بھڑک گیا۔ "اس کی طرف سے بھی مطمئن رہو۔"

"چلو دیکھیں گے کہ لڑکیاں کتنے پانی میں ہیں!" شولی نے آنکھوں پر ہاتھ رکھے۔ "اب سونے کی کرو۔ ہمیں تو جانا ہے۔ لیکن تم دونوں پڑے سوتے رہو گے۔" اس نے افسر اور طارق کی طرف دیکھا۔

"ہمیں بھی یونیورسٹی جانا ہے۔" افسر نے اطلاع فراہم کی۔

"تم لوگ نہیں جانے کا۔" اسد خوش ہوا۔

"کبھی کبھی چلے جانا چاہیے' معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔"

"یہ بھی بتادو کہ کس قسم کی معلومات میں؟" شوبی نے باہیں آنکھ دبائی۔

"سب کو اپنی طرح مت سمجھا کرو بڑے بھائی!"

طارق نے فوراً" اپنا دفاع کیا۔ "ہم تمہاری طرح لڑکیوں کو گھر تک ڈراپ کرنے نہیں جاتے۔"

"صرف بس اسٹاپ تک جاتے ہیں۔" افسر نے زیر لب کہا۔

"تو اس میں برائی کیا ہے! بھائیوں کا فرض ہے کہ بہنوں کو بحفاظت گھر پہنچا کر آئیں۔" شوبی نے ڈھٹائی سے کہا۔ "بے چاری لڑکیاں اکیلی ہوتی ہیں' کوئی محافظ تو ہونا چاہیے ساتھ۔"

"ذرا ان لڑکیوں سے جاکر پوچھو کہ بن بلائے محافظ کے بدمعاش کے بارے میں ان کے کیا زریں خیالات ہیں!" طارق جل کر بولا۔ "نئی رو والا سے شان میں قصیدے پڑھیں گی کہ میرٹھ کی قینچی قبل ہو جائے گی۔"

"یہ تو ہوناہے کہ نیکی کر دریا میں ڈال۔ اتنی محنت سے ان کو چھوڑ کر آؤ اوپر سے ان کی گالیاں اور کوسنے بھی برداشت کرو۔" اسعد نے معنوی آہ بھری۔

"یہ سب تم ذرا جبین کے سامنے کہہ کے دیکھو' ایک منٹ میں فارغ البال کردے گی۔ بڑے بھائی ہونے کا لحاظ بھی نہیں کرے گی۔" افسر کو اس کی بدلحاظی کا اچھی طرح اندازہ تھا۔

"مجھے کیا کالے کتے نے کاٹا ہے! تم اپنی خیر مناؤ میرے نہ ہونے والے بہنوئی جی!" اسعد نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"اب شیر سنانے کا وقت گزر رہا ہے۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "اب تو بابا کے گلے میں ڈال ہی چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' تم نے اسے بابا کہا! جاکر بتاؤں اسے؟" اسعد نے اٹھنے کی تیاری کی۔

"ارے بھائی! سو جاؤ چپ کرکے۔" شوبی کو نیند آرہی تھی۔ وہ خاموشی سے سونے کے لیے لیٹ گئے۔ اسعد نے آنکھیں بند کرکے سونے کا ارادہ کیا تو شفا کا سراپا اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس کی بند پلکوں کے جھروکوں میں روشن ہو گیا۔

"معلوم نہیں کیسی ہوگی وہ؟ تصویروں سے عادات کا پتا کہاں چلتا ہے۔" اس نے سوچا۔ "کہیں برطانیہ کے مغربی ماحول میں پلتے بڑھتے وہ اپنی روایات اور اقدار کو فراموش نہ کر چکی ہو۔" وہ بے چین ہو گیا۔ اسعد ان لوگوں میں سے تھا جن کی نظر میں اپنا مذہب' اپنی روش اور اپنی تہذیب ہی سب سے برتر تھی' جن کے خیال میں ماڈ ہونے کا مطلب بے حیائی اور مغرب کی تقلید نہیں ہوتی۔ وہ بےحیائی اور بے راہ روی کو روشن خیالی نہیں سمجھتے۔ یہ خیال اسے اندر ہی اندر مضطرب کر رہا تھا کہ شفا اگر مغرب زدہ لڑکی ثابت ہوئی تو کیا کرے گا۔ یہ بات ذہن میں تھی کہ بڑوں کے فیصلے سے انحراف کرنا اس کے بس میں نہ تھا۔

"میرے اللہ! شفا ویسی ہی ہو جیسا میں اسے خیالوں میں دیکھتا ہے۔" اس نے ایک بار پھر التجا کی۔ "ایک مکمل مشرقی لڑکی جسے مغرب کی ہوا چھو کر بھی نہ گزری ہو۔"

شعور کی دنیا میں قدم رکھتے ہی اس نے اپنے نام کے ساتھ شفا کا نام سنا تھا۔ ایسے میں انسیت اور محبت کا دل میں جگہ پالینا ایک فطری بات تھی۔ اس کا نام سنتے ہی اسعد کے دل کی دھڑکنیں مترنم ہو جاتیں اور لب آپ ہی آپ مسکرا اٹھتے اور اب وہ آرہی تھی جس کے خیال کا آنچل تھامے اس نے اب تک کی حیات کا سفر طے کیا تھا۔

O

شفا آچکی تھی اور اس وقت اسعد کے سوا سارا میلہ کراچی شوبی کے گھر موجود تھا۔ پلان کے مطابق وہ کلم کا بہانہ بنا کر گھر سے واک آؤٹ کر گیا تھا ورنہ اسے لازمی ایئرپورٹ جانا پڑتا۔ پھر بھی اسے امی کی اچھی خاصی پھٹکار سننی پڑی تھی۔

"حد ہو گئی۔ کیا سوچیں گے وہ لوگ۔ ایک دن تم جلدی گھر نہیں آ سکتے۔ رشتے کی نزاکت کا احساس نہیں ہے تمہیں۔ ایک دن ذرا پہلے آ جانے سے کوئی دیوالیہ تو نہیں ہو جائے گی۔" وہ کلس رہی تھیں۔ ان کی بڑبڑاہٹ جاری رہتی اگر ابو کی مداخلت نے ان کی گلو خلاصی کرا دی۔

"خوامخواہ بچے کو کیوں پریشان کر رہی ہو؟ کوئی سرکاری جاب تھوڑی ہے کہ جب جی چاہے چھٹی لے لے۔ بیٹھ جاؤ اور ہم جا رہے ہیں انہیں لینے، ایک اسد کی غیر موجودگی سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔"

"کیسے فرق نہیں پڑے گا؟" وہ زچ ہو گئیں۔ "بجائے بیٹے کو سمجھانے کے الٹا اس کی طرف داری [illegible]"

"تم بھی حد کرتی ہو۔ کون سا ابھی بارات جا رہی ہے [illegible] ہونا ضروری ہے۔"

[illegible]

"[illegible] کی خوش رہو تم لوگ۔" [illegible]

[illegible] ہوتا تھا۔ رشتے داری اور مہمان [illegible] کے معاملے میں اپنی بہت سخت تھیں۔ [illegible] سے دخل اندازی کرتی [illegible] دخل دینا انہیں پسند [illegible] رہتا اگر بڑے [illegible]

[illegible] ایئرپورٹ نہیں جانے [illegible] بلاوجہ پھیرا لگانے کی ضرورت [illegible] کے پورے انڈونیشیا کی آبادی امڈ کر آ رہی ہے۔

"[illegible] کی صف میں کب سے شامل ہو گئے!" شعلہ [illegible] بڑبڑایا۔

"آپ اس وقت تک بچے رہیں گے جب تک ہم بوڑھے نہیں ہو جاتے۔" انہوں نے کڑک دار آواز میں جواب دیا۔

"ابو جان! آپ تو کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے۔" طارق منمنایا۔ جواباً انہوں نے منہ کر کے تیوروں سے اسے گھورا۔

"گویا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں بوڑھا ہو جاؤں۔ کمال ہے! میری اولاد اور میرے ہی بارے میں برا چاہتی ہے۔" ان کی خفگی سراسر مصنوعی تھی۔ جبھی مینا سیر ہو گئی۔ "ابو جانی! انہیں بھی لے چلیں نا!"

"نہیں میں نے کہہ دیا۔ تم لوگ یہیں ان کا استقبال کرو گے۔" حتمی لہجے میں کہہ کر انہوں نے بات ختم کر دی۔ بحث کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی، سو اب وہ گھر پر انہیں خوش آمدید کہنے کے لیے تیار تھے۔ شفا سے ملنے کی جلدی سب کو تھی۔

"ایسا نہ ہو شفا صاحبہ منی اسکرٹ اور بلاؤز میں چھم چھم کرتی چلی آئیں۔" انہوں نے خدشہ ظاہر کیا۔ "پھر تو بے چارے اسد کی امیدوں کا چراغ گل ہو جائے گا۔"

"نہیں یار! انکل اور آنٹی کی تربیت میں کسی کی کا امکان نہیں ہے۔" شہزاد نے یقین سے کہا۔ "اور ویسے بھی ہم دیکھ چکے ہیں وہ خاصی معقول اور [illegible] نظر آتی ہے۔"

اور شفا سے ملنے کے بعد انہیں احساس ہوا کہ شہزاد نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ سیدھے بالوں والی خاصی پُر اعتماد اور خوش شکل لڑکی تھی۔ [illegible] کر رہے تھے۔ ایک جھجک سی آڑے آ رہی تھی۔ انہوں نے [illegible] کر کھا لیا تھا۔ سب یوں چپ ہو کر بیٹھ گئی تھیں جیسے منہ میں زبان ہی نہ ہو۔ طارق کو ان لوگوں پر سخت غصہ آ رہا تھا جو خواہ مخواہ [illegible] زبان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ [illegible] تھیں۔ [illegible] ساجدہ، مینا اور [illegible] تھی۔ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گفتگو کا آغاز کہاں سے کیا جائے!

شفا اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر سب کے چہرے شاید منہ زبانی یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں ہے افسر ہوں۔ شوبی کا فرسٹ کزن۔" سب سے پہلے افسر نے ہمت کی۔

"اچھا! کون سے جھٹکے کے؟" شفا نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"یہ کلی ڈنڈا بورڈ جھٹکے کے زیرو بٹا زیرو کے ایک بہت بڑے افسر ہیں۔" شوبی نے حسب اس کے سوال کا جواب دیا۔ افسر اس تعارف پر نہال ہو گیا۔

"اور یہ وہی افسر ہیں جن کے بارے میں ایک بڑا مشہور فلمی ڈائیلاگ ہے کہ سلطان راہی تیرا بیٹا افسر بن گیا ہے ہاں بابا اب تو یہ سلائی مشین چلانا بند کر دے۔" طارق نے شفا کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"واقعی!" اس نے آنکھیں پھیلائیں۔ "کون سی فلم کا ڈائیلاگ ہے؟"

"تم جی کو کچھ خبر ہی نہیں۔" شوبی نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "یہ ہماری ہر دوسری فلم کا ڈائیلاگ ہے۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔" اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"جی ہاں ہمارے ہاں ہالی وڈ کی طرح کی فلمیں نہیں ہوتیں۔" شوبی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہاں نہ ایکشن ہے اور نہ فکشن صرف ٹینشن ہوتی ہے۔ ہر کردار اتنا ٹینس ہوتا ہے کہ چلا چلا کر مکالمے ادا کیے جاتے ہیں۔ ہیرو ہیروئن کے ساتھ رومانٹک باتیں اتنی بلند آواز میں کرتا ہے کہ سارا محلہ سنتا ہے۔ ہمارے ہاں ڈانس کے نام پر لالی وڈ کی ہیروئن کھیتوں میں اچھل کود کرتی پھرتی ہے جس کی وجہ سے کھڑی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات تو زلزلے کے جھٹکے بھی محسوس کیے گئے ہیں۔" اس نے بڑی تفصیل سے پاکستانی فلموں کا نقشہ پیش کیا۔ شفا کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹنے کے قریب ہو گئی تھیں۔

"ہماری فلموں میں ایک تھپڑ مارنے سے اتنا شور ہوتا ہے جتنا پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی فلموں میں بھی نہیں ہوتا۔" افسر نے اس کی حیرت میں مزید اضافہ کیا۔

"شرم نہیں آتی۔ اپنی چیزوں کی برائی کرتے ہوئے۔" صائمہ سے برداشت نہ ہوا تو بول پڑی۔ برطانیہ پلٹ لڑکی کے سامنے اپنی فلموں کی بے عزتی اسے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ "بھلا اپنے دہی کو کھٹا کون کہتا ہے!"

"میں تو اپنی خامیاں بتا رہا تھا۔ جب تک خامیوں کا احساس نہ ہو اصلاح کیسے کی جا سکتی ہے!" شوبی کی بات بالکل درست تھی۔ "انسان بلاوجہ ترقی کر گیا ہے اور ہماری فلم انڈسٹری میں اتنی تمیز نہیں آسکی کہ تھپڑ اور گولی چلنے کے فرق کو سمجھ سکے۔" وہ سنجیدہ ہو چلا تھا۔

"کیا میں سمجھ لوں کہ آپ وہی افسر ہیں جس کے دور میں آ کے ہی فلمیں سلائی مشین چلانا بند کر دیتی ہیں۔" اس نے موضوع تبدیل کرنے کی غرض سے شرارت سے افسر کی طرف دیکھا۔

"یہ میرا نام ہے محترمہ! پاکستانی فلموں کے سلسلے میں آپ کی معلومات خاصی..." اس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا کہ عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔

"مجھے معلوم ہے۔" وہ مسکرائی۔ "میں تو مذاق کر رہی تھی۔"

"پھر ٹھیک ہے میں مذاق کا برا نہیں منایا کرتا۔"

"یہ تو بہت اچھی عادت ہے۔" وہ خوش ہو گئی۔

"اور باقی لوگ؟" اس نے سوالیہ انداز سے جبین پر نظر ڈالی شوبی اور اس کے بھائی بہنوں کو وہ اچھی طرح جانتی تھی لیکن باقی چہرے ناآشنا سے لگ رہے تھے۔ شاید تصویروں میں دیکھا تھا لیکن ٹھیک طرح یاد نہیں آرہا تھا۔

"یہ میرے چھوٹے بھائی ہیں بلال عرف بلو۔" افسر نے بلال کا اپنے انداز میں تعارف کرایا اور وہ اپنی ابھی ابھی ایجاد ہونے والی عرفیت پر تڑپ کر رہ گیا لیکن بولا کچھ نہیں کہ بڑے بھائی سے منہ لگ کر اپنا پہلا تاثر

غلط نام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسد کو غلط سلط عرفیت رکھنے میں کمال حاصل تھا اور وہ "نوٹی" وا اپنی ایبلو کی عرفیت میں رد و بدل کرتا رہتا تھا۔ اس کی اس عادت سے سبھی عاجز تھے۔

"اور یہ اسد کی چھوٹی بہن ہے جبین عرف جبو اور بھائی تنویر عرف تنو۔" اس نے مزید تعارف کرایا۔

"جی نہیں سوائے شوبی بھائی کے ہم میں سے کسی کی کوئی عرفیت نہیں ہے ان کو تو بس شوق ہے الٹے سیدھے نام رکھنے کا۔" جبین نے فوراً "مداخلت" کی۔ بھلا وہ ایسی بے عزتی برداشت کر سکتی تھی اور وہ بھی افسر کے ہاتھوں۔ ایسا تو ممکن ہی نہیں تھا۔ شفا کی ہنسی نکل گئی اس کے انداز پر۔ پھر جیسے اسے ایکدم یاد آیا۔

"وہ نہیں ہیں؟" اسد کا نام لیتے ہوئے اسے کچھ ہچکچاہٹ محسوس ہوئی۔

"کون؟" شوبی بجھ کر انجان بنا۔

"میں اسد کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔" اب کی بار اس نے ذکر کرتے ہوئے نام لیا (آخر برطانیہ میں پلی بڑھی تھی)

"ہیں اسد افسر۔" نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔ "بار کسے بلایا جاتا ہے وہ آج کل۔" طارق نے یوں پوچھا جیسے کسی چوپائے کے بارے میں پوچھ رہا ہو۔ "بھینس بلایا جاتا ہے۔ اپنے کراچی میں۔" طارق نے جواب دیا۔

شفا کو مایوسی ہوئی۔ معلوم نہیں موصوف ملنے کیوں نہیں آئے۔ برطانیہ میں قیام کے دوران اسد نے بھی ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کہیں یہ تغافل، یہ بے نیازی اس کی بے زاری کا مظہر تو نہیں ہے۔ وہ الجھنے لگی۔

"بھائی کو آفس کا کوئی کام تھا۔" جبین نے اس کے تاثرات پڑھ کر وضاحت کی۔ "ورنہ وہ تم سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہو رہے تھے۔"

"ان کا بس چلتا تو وہ سر کے بل چل کر تم سے ملنے کے لیے آتے۔" شوبی کی بات پر وہ مسکرا دی۔

"ہیں کیا ان کی ٹانگیں واضح مفارقت دے گئی

ہیں؟" اٹک اٹک کر جملہ ادا کیا۔

"نہیں... اتنی گاڑھی اردو!" سب حیران ہوئے۔ ایک ولایت پلٹ لڑکی کی جانب سے ایسی فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ واقعی حیران کن تھا۔

"کچھ مشکل الفاظ میں نے رٹ رکھے ہیں تاکہ تم لوگوں کے سامنے رعب جما سکوں۔" وہ ہنسی۔

"تو پھر سن لو کہ ہم کسی کے رعب میں آنے والے نہیں ہیں' تمہارا یہ رٹا پلان ناکام ہو گیا۔" طارق نے بے نیازی سے اطلاع فراہم کی۔

"خیر یہ تو مذاق کی بات تھی ورنہ میری اردو اتنی کمزور نہیں ہے۔" وہ سنجیدہ ہو گئی۔ "اور پھر بھی میری رواں اردو پر تم لوگوں کو اتنی حیرت کیوں ہے؟ میرے ممی اور ڈیڈی کی آدھی زندگی تو پاکستان میں گزری ہے میں نے اردو ان سے سیکھی ہے۔ گھر میں ہم اپنی اسی پیاری اور میٹھی زبان میں گفتگو کرتے تھے تاکہ ہمارا تعلق اپنے وطن سے اور اپنی زبان سے قائم رہے۔"

"یہ تمہاری اعلیٰ ظرفی ہے شفا اور انکل آنٹی کی بھی کہ وطن سے دور ہوتے ہوئے بھی اپنی ثقافت اور اپنی زبان کو محترم جانا اور ان سے تعلق استوار رکھا ورنہ ہمارے ہاں تو یہ ریت چل نکلی ہے کہ یہاں کی مشہور و معروف شخصیات زیادہ تر انگریزی میں ہی بات کرنا پسند فرماتی ہیں اور جو کبھی اردو میں بات کرنا پڑے تو سو بار یہ جتایا جاتا ہے کہ ان کی اردو اتنی اچھی نہیں ہے اسی لیے وہ انگلش میں بات کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارے نقطہ نظر سے یہ ڈوب مرنے کا مقام ہے اگر انسان اپنی مادری اور قومی زبان سے آشنا نہ ہو۔" طارق نے دل کی بھڑاس نکالی۔

"تم حیران ہو گی ہمارے الیکٹرانک میڈیا کی بعض نشریات دیکھ کر اور سن کر۔" ساجد نے جلتے ہوئے لہجے میں مزید انکشاف کیا۔ "کچھ لوگ کس طرح اردو کی ٹانگ توڑتے ہیں۔ انگلش کا کوئی لفظ بتا کر کہیں گے ہماری اردو بہت [illegible] نہیں معلوم کہ اسے اردو میں کیا کہتے ہیں۔ [illegible] کوئی بہت قابل تحریرات ہو۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ایک ایسی [illegible] روشن تھی جس پر

وہ اور اس جیسے بہت سے دوسرے فقط اپنا دل جلا سکتے تھے لیکن کچھ کر نہیں سکتے تھے۔

"تمہاری اردو سن کر ہم اسی لئے حیران ہو رہے تھے کہ جب وطن میں رہنے والوں کا یہ حال ہے تو پھر پردیسیوں سے کیا توقع رکھی جائے۔" افسر نے وضاحت کی۔

"بلکہ افسر کا تو یہ خیال تھا کہ تم اسکرٹ میں ملبوس ہو گی۔" شولی نے بتایا۔

"کمال ہے ... تو۔" وہ جھینپ گئی۔ "[illegible] لباس نہیں ہے جو میں مانگے کا لباس پہنتی۔ [illegible] گھر میں رہ رہا ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ چڑیا کی کھال پہن لے۔ اسی طرح میرا خیال ہے کہ مسلمان کہیں بھی رہے اسے مسلمان ہی رہنا چاہیے۔"

"تمہارے خیالات مجھ سے کس قدر ملتے ہیں!" شولی اس کے برابر آ بیٹھا۔

"صرف تم سے ہی نہیں بلکہ ہم سب سے اس کے خیالات ملتے ہیں۔" افسر نے فوراً مداخلت کی۔ "خوامخواہ شفا کو امپریس کر کے رقیب روسیاہ سوری رقیب رو سفید بننے کی کوشش مت کرو۔"

"کیا فضول کی ہانکنے ہو۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔

"سب کو اپنی طرح مت سمجھا کرو۔" وہ ابھی مزید اسے بکھیرتا کہ نوری نے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔

"اسد بھائی آ چکے ہیں۔ گلی کے نکڑ پر کھڑے آپ کو بلا رہے ہیں۔" اس نے سرگوشی میں بتایا۔

وہ اسد کے پاس پہنچا تو وہ دیکھتے ہی اس پر چڑھ دوڑا۔

"ایک گھنٹے سے باہر کھڑا خوار ہو رہا ہوں۔ نوری باہر نہ نکلتی کسی کام سے تو میں یہیں کھڑے کھڑے فوت ہو جاتا۔ سب اندر مرے ہوئے تھے۔ کسی کو میرا خیال نہیں آیا۔" وہ خاصا بے زار لگ رہا تھا۔

"باہر کھڑے ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ گھر میں ٹک کر نہیں بیٹھ سکتے تھے؟"

"گھر جا کر دیواروں سے سر پھوڑتا یا فرنیچر سے باتیں کرتا! گھر والوں نے تو تمہارے گھر ڈیرہ ڈالا ہوا ہے۔" خاصا تپا ہوا جواب آیا۔

واقعی اس کے ساتھ زیادتی ہو گئی تھی۔ سب اسے یکسر فراموش کر کے شفا کے ساتھ باتوں میں مگن ہو گئے تھے۔

"شام کی چائے تک نہیں پی میں نے۔ بھوک سے مرا جا رہا ہوں۔"

"ایک دن چائے [illegible] نہیں پیو گے۔" شولی نے اسے گھورا۔

"مجھ جیسے چائے پینے والے [illegible] کے بارے میں تم نہیں کہہ سکتے۔ میں واقعی اوپر فلائی کر جاؤں گا [illegible]"

"[illegible] کرتے ہیں کچھ۔" اسے اسد پر ترس آ گیا۔ "[illegible] ایک بڑھا بابا کب سے منتظر [illegible] کے لئے چائے پانی کا انتظام کرے۔ ویسے بھی [illegible] کو کھانا کھلانا عین کار ثواب ہے۔"

"کیا! میرے بارے میں ایسے [illegible]" وہ تلملا گیا۔

"ٹھیک ہے بھئی۔ میرا کیا ہے ابھی مر جاتا ہوں شفا کے سامنے اپنی انرجی کم کرنے رہنا [illegible]" وہ طیش میں بھرا ہوا شولی کے گھر کی طرف چل دیا۔

"او بھائی صبر۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" اس نے اسد کو بازو سے پکڑ کر روکا۔ "غصہ تھوک دو ادھر کونے میں۔"

"ایک مسئلہ اور بھی ہے۔" وہ رک گیا تھا۔ "میرا انکل اور آنٹی سے ملنا ضروری ہے۔ ورنہ وہ میری طرف سے بدگمان ہو سکتے ہیں۔"

"تمہاری بات درست ہے۔" شولی نے پرسوچ انداز میں کہا۔ "آج تم نے ان سے ملاقات نہ کی تو وہ سمجھیں گے کہ لڑکا بانس پر چڑھ گیا ہے۔" وہ تھوڑی دیر تک اس مسئلے پر سر کھپاتے رہے۔ آخر کار یہ طے پایا کہ بیک جنریشن شفا کو اسد کے گھر لے جائے گی اور [illegible] مصلحت سے [illegible] اٹھاتے ہوئے اسد شولی کے

ساتھ اپنی ہونے والی ساس اور سسر سے ملاقات کر لے گا اور پھر کچن میں جا کر بگھار بھی اشیاء سے اپنی بھوک مٹائے گا۔

○

اسد شفا سے ملنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ تین پھوپھیوں کے یہاں سب کی دعوت تھی۔ اس نے مصروفیت کا بہانہ بنا کر معذرت کر لی تھی اور اب پروگرام کے مطابق ڈنر سے فارغ ہو کر شفا کو یہاں لایا جانا تھا تاکہ وہ اپنے ہونے والے شوہر کا دیدار کر سکے۔ وہ خاصی محنت سے تیار ہوا تھا۔ گہرے سرخ رنگ کی پینٹ گہرے نیلے رنگ کی شرٹ پر زرد ٹائی اور سر پر بالوں والی وہ ٹوپی پہن رکھی تھی جسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے سر پر بکری کا بچہ اٹھا لیا گیا ہو۔ اس نے خاصی مغز ماری کے بعد اس کو نے کالر بھی منتخب کیا تھا ... سے مدد لے کر۔ الگ سے شاپنگ بھی ... کیونکہ اس قسم کی خرافات ... کے پاس نہیں تھیں۔ اس شرمندگی کا ... نہیں تھا جو ... سے ان چیزوں کی خریداری کرنے ... اٹھانی پڑی تھی۔ بہرحال اب وہ تیار تھا۔

"اسد یہ تم ہو۔" ... نے دیکھا تو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گیا۔

"... کیسا لگ رہا ہوں میں؟" اس نے گنوار ... میں ... باہر نکالی۔

"... بالکل ... سننے والوں کی۔ شفا ... پاگل ہو جائے گی۔" ... لطف لے رہا تھا۔

"اسد بھائی! بالکل سرکس کے ... لگ رہے ہیں ... اپنے پیارے بھائی کو اس ... ہو گی۔ ... ختم کریں یہ ناٹک ورنہ میں ابھی ... کر دوں گی۔" اسے یہ سب ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ اس کارٹون ... میں شفا کے سامنے اس کے بھائی کی کیا عزت رہ جائے گی۔

"... جو تم سے رنگ میں بھنگ ..." ... بھی

وقت پر میدان میں کود پڑا۔ وہ ابھی آیا تھا۔

"آپ تو اپنی زبان بند رکھا کریں۔" اس نے تنخ کر جواب دیا۔

"بجیو!" وہ سلطان راہی کے انداز میں چلایا۔ "تمہاری جرات کیسے ہوئی میرے سامنے اونچی آواز میں بات کرنے کی؟"

"جینا! تم یہاں سے جاؤ۔" اسد نے بروقت مداخلت کر کے افسر کو اس کے ہاتھوں ضائع ہونے سے بچایا۔ وہ منہ بناتی اور افسر کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"اچھا اب میں شفا کو لے کر آتا ہوں۔" شمولی اسے لینے چلا گیا۔

"میں چھت پر رہوں گا تاکہ اگر ہمارے بڑے آتے نظر آئیں تو تمہیں مطلع کیا جا سکے۔ تمہیں انفارم کرنے کے لئے میں الو کی آواز نکالوں گا۔ تم فوراً اپنے کمرے میں چلے جانا۔ دیر نہ کرنا ورنہ رنگے ہاتھوں پکڑے جاؤ گے اور ہمارا سارا پروگرام دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ ڈانٹ الگ پڑے گی۔" افسر نے اسے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ ویسے یار تمہیں الو کی آواز نکالنے میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔"

"... بھی ... کوشش مت کرو۔ ... شفا کے ہاتھوں تمہیں شہید کروا دوں گا۔" اس نے ... اسد کو دھمکی دی۔

"ارے تم تو میرے پیارے دوست اور کزن ہو۔" وہ اس کے گلے کا ہار بن گیا۔ تبھی شمولی چلا آیا۔

"میں شفا کو ڈرائنگ روم میں بٹھا آیا ہوں۔" وہ اور افسر چھت پر چلے گئے۔ اسد شفا کے پاس آیا تو وہ طائرانہ نظروں سے ہر چیز کو ... میں مصروف تھی۔ ... کھنکھارنے پر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی ... سے ... منجمد ہو گئی۔ ایسے ... بچے ہوئے ... نمونہ!

"... آپ؟" حیرت زدہ سے انداز میں سوال ...

"ہم اسد ہیں۔ فوراً" جواب آیا۔

"اسد!" مارے صدمے کے وہ گنگ رہ گئی۔ اس نمونے کے ساتھ زندگی گزارنے کا خیال ہی سوہان روح تھا۔

"معاف کیجئے گا پہلے آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ روزی کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں آپ کے دل کوچہ جاناں میں حاضری دینے کے لئے پہنچ جاتا۔" احمقوں کی طرح دیدے پھیلائے وہ اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اس کے انداز پر شفا کو کوفت ہونے لگی۔ ایک لمحے میں اس کے دل نے اسد کو نامنظور کر دیا۔

"میں چلتی ہوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ اس فضول سے شخص کو وہ ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی' زندگی گزارنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

"او محترمہ! ایسے کیسے جا سکتی ہو!" وہ اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ "ابھی تو میں نے تمہاری من موہنی صورت کو ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں۔ ایمان سے تم بڑی ظالم ہو۔ ادھر ہمارا یہ حال ہے کہ تمہارے عشق میں نحیف و نزار ہوئے جاتے ہیں۔ کھانا پینا' سونا جاگنا' نہانا دھونا' اٹھنا بیٹھنا سب محبت میں بھلائے بیٹھے ہیں۔ دل' جگر' گردہ' پھیپھڑا اور تلی سب تمہیں ارپن کر چکے ہیں۔" وہ بغیر فل اسٹاپ اور کومے کے بول رہا تھا۔ شفا کا غصے کے مارے برا حال ہو گیا۔

"شٹ اپ اپنا فالتو کاٹھ کباڑ آپ اپنے پاس ہی رکھیں مجھے ارپن کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہائے "شٹ اپ" نہ کہو شفا!" وہ رونی صورت بنا کر بولا۔ "ہمیں مر جاؤں گا تمہارے بغیر۔"

"آپ جیسے ہٹے کٹے الو کے پٹھے اتنی آسانی سے نہیں مرا کرتے۔" مارے غصے کے وہ ادب و آداب سب کچھ بھول چکی تھی۔

ہائے ان کو دیکھنے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے!

اس نے انتہائی احمقانہ انداز میں شعر پڑھا۔ شفا کو اس کے مکمل پاگل ہونے کا پکا یقین ہو گیا۔ بے ہمارے والدین نے شاید محبت میں اس چلتے پھرتے پاگل خانے کو گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔ وہ نخوت سے سامنے کھڑے اسد کو دھکیل کر آگے بڑھ گئی۔

"ہائے ظالم" وہ پیچھے سے ممنایا۔ "میں تمہاری محبت کے سمندر میں گردن تک غرق ہو چکا ہوں۔ تم میری چاہت کو آزما سکتی ہو میں تمہاری خاطر پہاڑ سے چھلانگ لگا سکتا ہوں۔ بشرطیکہ پہاڑ صرف پانچ فٹ بلند ہو۔" وہ اس کی بکواس سنی ان سنی کرتے باہر نکل گئی۔ اس کے باہر جاتے ہی اسد جو بڑی مشکل سے ہنسی کو دبائے ہوئے تھا ہنس ہنس کر دوہرا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے مزے لے لے کر اس نے اپنے اور شفا کے واقعات سب کو سنائے۔

○

شفا مسلسل ٹہلتے ہوئے کمرے میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہل رہی تھی جب کہ سامعہ' جبین اور مینا بیڈ پر بیٹھی ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"اگر تم اسی طرح ٹہلتی رہیں تو یقین کرو تمہاری ٹانگیں گھس کر آدھی رہ جائیں گی۔" جبین نے اسے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی۔

"آخر ہوا کیا ہے؟ کچھ ہمیں بھی پتا چلے۔" سامعہ نے زیر لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جبین تمہارے بھائی ایسے کیسے ہو گئے؟ بچپن میں تو خاصا معقول' سلجھا ہوا بچہ تھے۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"بھلا ایسے سے کیا مراد ہے تمہاری؟"

"ایک دم کارٹون۔" اس کی نظروں میں اسد کا سراپا گھوم گیا۔

"سچ سچ بتاؤ کچھ پڑھا لکھا بھی ہے موصوف نے یا تم لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہو؟" وہ شک زدہ سے انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہم نے کوئی غلط بیانی نہیں کی ہے شفا۔ وہ تعلیم یافتہ بھی ہیں اور اچھے خیالات کے مالک بھی۔" جبین نے بھائی کی حمایت کی۔

ذہن کے اچھے خیالات میں گن ہو چکی ہوں۔ مجھے تو
لگتا ہے انہوں نے ساری عمر گھاس کھودی ہے یا غلط
بتایا ہے۔"
"بھی بیچاری شفا! ہم لوگ خود ان کی حرکتوں سے
تنگ ہیں۔" اسامہ نے مصنوعی رقت طاری کرتے
ہوئے کہا۔
"ہمیں خود شرمندگی ہوتی ہے ان کی حماقتوں
پر۔" صبیحہ نے بھی اداس شکل بنائی۔
"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟ تمہاری فیملی میں تو سبھی
مہذب اور شائستہ ہیں۔"
"اصل میں یہ سب عمران سیریز کا کیا دھرا ہے۔ وہ
علی عمران کے اتنے گرویدہ ہیں کہ بالکل اسی کے انداز
میں ڈھل کر رہ گئے ہیں۔ اب ان کا معقولیت کے
راستے پر آنا ناممکن ہے۔" جبین نے اس سانحہ عظیم
کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔ "ہر وقت عمران سیریز پڑھتے
ہیں اور خود کو [illegible] سمجھتے ہیں۔"
"او نو! اس کا [illegible] ہو گئی۔ ایسی
[illegible] حرکتیں صرف [illegible] ہی [illegible] ہیں اگر
حقیقت میں ایسے کردار جنم لینے لگیں تو [illegible]
پاگل خانے میں بھرتی کروا دیں گے۔ [illegible]
تمہارے بھائی کو بھی پاگل خانے داخل کرا دینا چاہیے۔
سخت خطرناک [illegible] ہے۔"
[illegible] جبین ناراض ہونے کے
[illegible]
"ہم اپنی خیر منا رہی ہیں [illegible] ساتھ تمہیں عمر یاد
[illegible] ہے۔" اس نے شرارت سے [illegible]
"لیکن۔ اس نے دروازے [illegible]
[illegible] کے ساتھ
[illegible] میں سوچ بھی نہیں سکتی۔"
[illegible] اس فضول سے موضوع [illegible]
[illegible] باہر چلیں۔" مینا نے اس کی توجہ دوسری
جانب مبذول کرائی۔
[illegible] باہر جانے کا مطلب اچھی طرح سمجھتا تھا
[illegible] ساتھ ساتھ ان کی [illegible] منانا [illegible]

تھی لیکن شفا کا خیال کرتے ہوئے اس نے کوئی
مزاحمت نہیں کی۔ اسد کے سوا سب گئے تھے۔ اس
اوٹ پٹانگ حلیے میں اگر وہ باہر جاتا تو سب کی ناک
کٹ جاتی لہٰذا مجبوری میں وہ گھر پر ہی رہا۔
"یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ جب تک یہ مذاق جاری
رہے گا، وہ ہمارے کسی بھی کام میں حصہ نہیں لے
سکے گا۔" طارق کو افسوس ہوا۔
وہ سب مل کر تفریح کرنے کے عادی تھے اس لیے
کسی ایک کی کمی بھی بہت شدت سے محسوس ہوتی
تھی۔

○

شفا کو علی الصبح اٹھنے کی عادت تھی۔ آج بھی
حسب معمول اس کی آنکھ سویرے ہی کھل گئی۔ اتوار
کا دن تھا۔ اس لیے سب سوئے ہوئے تھے۔ صبح کی
ٹھنڈی ہوا کا مزا لینے کے لیے وہ لان میں آ گئی۔ موسم
بہت خوشگوار ہو رہا تھا۔ وہ لمبی لمبی سانسیں بھر کر تازہ
ہوا اپنے اندر اتارنے لگی۔ نم آلود گھاس پر ننگے پاؤں
چلنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ یونہی آنکھیں موند کر اس
نے آسمان کی طرف رخ کر رکھا تھا کہ کسی سے بری طرح
ٹکرا گئی۔ گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔ سامنے ہی اسد
مخصوص لباس میں [illegible] جیسی شکل لیے کھڑا
[illegible] جینز پر سرخ اور گرین دھاری دار شرٹ
[illegible] میں لپٹا ہوا سرخ رومال۔ اس کی چیخ نکل کر
رہ گئی۔
"ہائے شفا!" اس نے پوری بتیسی کی نمائش کی۔ اسے
معلوم تھا کہ شفا سحر خیز ہے جبھی وہ سویرے سویرے
تیار ہو کر آ پہنچا تھا۔
"صبح بخیر۔" [illegible]
[illegible] اس کی چیخ نکالنے کا سامان کر رہا تھا۔ اس کا
[illegible] کے دانتوں کا پورا سیٹ نکل کر اس کی
[illegible]
[illegible] چیخ کر مڑی۔
"[illegible] آنکھیں ہو رہی ہیں گلابی

اسد پہلے بانس جیسی آواز میں منمنایا۔ وہ جھنجھلا کر بولی۔

"ارے ارے میں نے تمہیں دیکھا صرف دیکھا" کہتے اس نے باقاعدہ شمی کپور کا اسٹائل اپنانے کی کوشش کی۔ شفا کو اور غصہ نہیں سوجھا تو لان میں رکھی کرسی اٹھا کر اس کے سر پر دے ماری۔ وہ کراہ کر رہ گیا۔ نگاہوں کے سامنے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ شومئی قسمت کہ اس کا سر پھٹنے کا وہ یادگار منظر طارق اور شوبی نے دیکھ لیا تھا۔

"ان لوگوں کو بھی ابھی بیدار ہونا تھا۔" وہ بڑبڑایا۔

"حد ہو گئی یار! ایک چھٹانک بھر کی چھوکری سے پٹ گیا۔" طارق نے اسے شرم دلائی۔

"مرد ہو کے ایک لڑکی سے مار کھا گیا' افسوس صد افسوس۔" شوبی نے اسے ماتمی نظروں سے دیکھا۔

"میں چاہتے ہوئے بھی جوابی کارروائی نہیں کر سکا۔" اس نے سر سہلاتے ہوئے کہا۔ "محبت آدمی کو بزدل بنا دیتی ہے۔"

"تمہاری محبت بزدل ہونے کے ساتھ ساتھ لولی اور لنگڑی بھی ہے۔ مجھے نظر آرہا ہے تمہارا ایک شدہ مستقبل۔" شوبی نے اس کے آنے والے دنوں کی خوفناک انداز میں تصویر کشی کی۔ "ذرا کوئی بات اس کے مزاج کے خلاف ہوئی' وہ ہاتھ میں آئی چیز تمہارے اس نمونے سے ناریل پر کھینچ مارے گی۔" اس نے اسد کے سر کی طرف اشارہ کیا۔

"بلکہ میں تو سوچ رہا ہوں کہ شادی کے موقع پر اسے ایک ہتھوڑا تحفے میں دے دوں کہ لو عزیزہ! تحفے میں اسے ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا۔ تمہارا مرمت کرنے کا شوق بھی پورا ہو سکے گا اور صاحب بہادر جیسا بزدل بھی کئی بار پٹنے سے بچ جائے گا۔" طارق نے اپنے طور پر بہت شاندار خیال پیش کیا تھا۔ اسد نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اس خیال میں نہ رہنا۔ وہ شرم سے دلہن کی طرح سیدھی ہی تو میں جیسی کی طرح بندھا ہوں۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔"

"اچھا اب اس بحث کو چھوڑو۔ یہاں سے نکلنے کی کرو۔ امی نے تمہیں اس حلیے میں دیکھ لیا تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔" شوبی نے اسے باہر دھکیلتے ہوئے کہا۔ وہ باہر نکلتے ہی گھر کی طرف دوڑا کہ کہیں کسی پڑوسی کی نظر نہ پڑ جائے۔ اس لباس فاخرہ میں تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں تھا۔

○

شفا کو اسد سے ملنے کے بعد عجیب بیزاری ہوئی تھی۔ حالانکہ یہاں سے بھیجے جانے والے خطوط میں اسد کی تعریفوں کی بھرمار ہوتی تھی۔ انہی خطوط کی بنا پر اس نے اسد کے خیالی پیکر میں بڑے چاؤ سے رنگ بھرے تھے۔ لیکن اس کی مثالی شخصیت کا بت ایک ہی جھٹکے میں چکنا چور ہو گیا تھا۔

"ایک دم بے ہودہ اور فضول بندہ ہے!" اس نے بے زاری سے سوچا۔

"اس مسخرے کے ساتھ تو میں شاہراہ زندگی پر ایک قدم بھی نہیں رکھ پاؤں گی کہاں پوری زندگی کی بات ہے!" وہ غصے اور بے قراری سے ٹہلنے لگی۔

"حیرت ہے! امی اور ڈیڈی اس سے ملتے رہے پھر بھی انہوں نے کسی قسم کی مایوسی یا ناراضی ظاہر نہیں کی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس بندے سے بالکل مطمئن ہیں اور ان کا اس نسبت کو توڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کھڑکی میں جھک گئی۔

"کاش! وہ اس مسخرے کے حلیے میں سامنے نہ آیا ہوتا تو یہ سب کتنا خوشگوار لگتا!" وہ نیچے لان میں کھلے ہوئے خوبصورت پھولوں کو دیکھنے لگی۔ انہی پھولوں کی طرح حسین اچھوتا اور کومل اس کی محبت کا احساس تھا جو اب اس کے مسخرے پن اور ناقابل برداشت حلیے کی وجہ سے دھیرے دھیرے مرجھا رہا تھا۔ وہ نیچے لان میں ٹہلتے ہوئے لوگوں میں ایک زندہ کہانی سے ان مرتا تھا۔ "شوبی بھائی اور طارق شرارتی ہونے کے باوجود کس قدر باوقار شخصیت رکھتے ہیں اور ایک اس کا ..." تب ہی آفس کی طرف چلا گیا۔

وقت شوخی اور شرارت میں بھرا رہتا ہے لیکن اس کی شرارتوں میں حماقت نہیں بلکہ ذہانت نظر آتی ہے۔ سنجیدہ اور پرکشش شخصیت کا مالک ہے۔" وہ دل ہی دل میں اسد اور اس کا موازنہ کرنے لگی۔

"ہونہہ! اسد تو اس کے پیروں کی دھول بھی نہیں ہے۔" حسد صاف ظاہر تھا۔ اس کے حلق میں کڑواہٹ گھل گئی۔ برا سا منہ بناتے ہوئے اس نے آسمان پر نظر ڈالی ڈوبتے ہوئے سورج کی شفاف کرنوں سے تمام منظر [illegible] اوجھل تھی۔ وہ منظر کی سحر انگیزی میں گم ہونے لگی۔

"اگر وہ اسد کے ساتھ اس خوبصورت سے [illegible] گئی۔" اس کی سوچ پھر وہیں جا رکی۔ "تب شاید [illegible] حسن غارت ہو جاتا۔ موصوف کو یقیناً" [illegible] طلوع [illegible] سورج [illegible] اٹے ہوئے اترے [illegible] کی [illegible] مسکرا دی [illegible] منظر جو [illegible] اور قدرت کی صناعی [illegible] والے کی نظر میں قدرت کے ایک شاہکار [illegible] وہ [illegible] مسحور ہونے لگی۔ [illegible] وہ اس وقت اس [illegible] دونوں گھروں کے لان میں حد امتیاز [illegible] پھلانگ کر وہ ایک دوسرے [illegible] جانے کا تکلف [illegible]

[illegible] سناتی پھر [illegible] اس نے با آواز بلند [illegible] کے متعلق [illegible] دیکھ رہا تھا۔

[illegible] اسے معلوم تھا اس کی [illegible] اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

[illegible] کیا لگتا ہے؟" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔ "مجھے تو بس بہت اچھا لگتا ہے۔" [illegible] آسمان میں [illegible]

"نہیں؟ کوئی رہتا ہے آسمان میں کیا؟"

وہ مسکرا دی پھر سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگی۔ "ایک بات تو بتائیے۔ اسد آپ لوگوں سے اتنا مختلف کیوں ہے؟"

"اتنا مختلف تو نہیں ہے۔" اس نے حیران ہونے کی اداکاری کی۔ "اس کی بھی ہماری طرح دو آنکھیں، ایک ناک اور دو کان ہیں۔"

"اونہہ! ایک دم بھی ہولی بندر کی طرح۔" شفا کی زیر لب بڑبڑاہٹ پر وہ بے ساختہ ہنسنے لگا۔ وہ اسے دیکھے گئی۔ "کتنی دلکش ہنسی ہے اس کی اور ایک وہ ہے جو ہمہ وقت لنگور کی طرح دانت نکوسے رہتا ہے۔" وہ پھر لاشعوری طور پر اس کا اسد سے موازنہ کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جبھی وہ ایک دم سے خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ "آپ کی شخصیت بہت پاور فل ہے۔" شفا کی بات پر اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی پورے زور و شور سے بجنے لگی۔

"اچھا چلو کسی کو تو میری شخصیت اچھی لگی۔" اپنی بوکھلاہٹ چھپا کر وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔ "ورنہ [illegible] کو تو میں ایک دم بور اور واہیات نظر آتا [illegible]

[illegible] بد ذوق [illegible] اب ہر کوئی میری طرح قدردان [illegible] افسر صاحب۔" اس کی نظروں کے سامنے خطرے کا [illegible] لہرا گیا تھا۔ [illegible] اس کی تمام [illegible] ہو گئی تھی۔ [illegible] یہ چھوٹا سا [illegible] کسی کی زندگی میں نہ [illegible] سوچ میں ڈوبا [illegible] اندر چلی گئی تھی۔

"اسے جلد ہی معلوم ہو جانا چاہیے کہ [illegible] نہیں [illegible] ہو چکے ہیں [illegible] بے لگام ہوں۔" وہ فیصلہ کر کے [illegible] خیال آتے ہی اسے شادی [illegible] اس اسد کی طرف چل [illegible]

وقت گھر سے نکل کھڑے ہوئے شیطان کی طرح۔"

"تمہاری چائے کی خوشبو کھینچ لائی ہے مجھے اور میں کچے دھاگے سے بندھا چلا آیا۔"

"بار بار چائے نہیں بناؤں گی میں۔" اس نے صاف انکار کیا۔ "تھوڑی دیر میں بھائی آجائیں گے تو دونوں کو بنا کر دے دوں گی۔ اس وقت تک صبر سے انتظار کریے۔" افسر کے گھورنے پر اس نے یے کا اضافہ کیا۔ (بادل نخواستہ)

"اگر دو مرتبہ کچن میں چلی جاؤ گی تو گھس نہیں جاؤ گی۔" وہ چڑ کر بولا۔

"دیکھ رہی ہیں آپ پھوپی جان! آپ کے بھتیجے کی کیا عزت افزائی ہو رہی ہے۔" وہ امی کے پاس پہنچ گیا۔ جبین بڑبڑاتی ہوئی کچن میں چلی آئی۔ امی کی عدالت میں پہنچنے کے بعد اب اس کی فرمائش کو رد کرنا ممکن نہ تھا۔ عافیت اسی میں تھی کہ بنا کے چائے کی پیالی اس کی ناک پر ماردی جائے۔

"ذرا اپنا موڈ خوشگوار کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ مزاج کی ساری کڑواہٹ چائے میں گھل جائے۔" دروازے کے فریم میں کھڑا وہ مشورہ دے رہا تھا۔

"اگر اتنی بات ہے تو جاکر اس سے چائے کی فرمائش کریں جس کے پاس خلوص کی ڈھیر ساری شیرینی موجود ہو۔ میرے پاس نہیں ہے۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے معلوم ہے۔" وہ اطمینان سے کرسی کھینچ کر ڈائننگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ گیا۔ "شاید تمہارے ہی بارے میں اپنے پروفیسر جمیل علوی نے فرمایا ہے۔

ان کی آنکھیں شعاعیں لیزر کی
ان کے چہرے میں چنگاری ہے
کون کیسے قریب جائے گا!
کون ہے جس کو جان پیاری ہے

وہ اس کے تپتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر مزید بولا۔ "لیکن لوگ یہ نہیں کہ میں جواں مردی دار ہوں جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر سر سے کفن باندھ کے موت کی فرشتی کے قریب جانے کے لیے تیار ہے۔" وہ بے ساختہ مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے رخ موڑ گئی۔

"ہائے بڑی بے قدری اور ناشکری ہو تم۔ تمہیں احساس ہی نہیں ہے کہ دنیا کا حسین ترین آدمی تم پر مرتا ہے۔"

"یہ کس نے کہا کہ آپ حسین ترین آدمی ہیں۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے خود کہا ہے۔" اس نے مسکرا کر انکشاف کیا۔

"کہنے سے پہلے آئینہ دیکھ لیتے تو اپنی اوقات معلوم ہو جاتی۔" اس نے چوٹ کی۔ جواباً وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

"میرا آئینہ تو تم ہو۔ تیرے چہرے سے ہے آئینوں پہ نور۔" اس لمحے وہ کچھ زیادہ ہی رومینٹک ہو رہا تھا۔ جبین کے گال سرخ ہو گئے۔ لڑکوں کو چڑی سے اڑانے میں [illegible]

"چائے نوش فرمائی [illegible] اب جائیے یہاں سے۔ مجھے ہزاروں کام کرنے ہیں۔"

"تم اپنا کام کرو۔ میں اپنا کام کرتا ہوں۔" وہ اس کے سامنے جم کر کھڑا ہو گیا۔ آنکھوں میں [illegible] ہلکورے لے رہی تھی۔ جبین کے لیے مزید وہاں ٹھہرنا دشوار ہو گیا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو! امی آگئیں تو کیا سوچیں گی؟" اس کی نظروں کی تپش سے گھبرا کر وہ بولی۔ "اسد بھائی آگئے تو دونوں سے ٹنڈ بجا دیں گے۔"

"ٹنڈ بجانے کے لیے پہلے ٹنڈ کرنا ہو گا اور یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ اپنے ہونے والے بہنوئی کو گنجا کرنا ہرگز پسند نہیں کرے گا۔" وہ بڑا مطمئن تھا۔

"ذرا مجھے امتحان سے فارغ ہو لینے دو۔ پھر تمہیں اپنے گھر منگوا لوں گا۔ بہت رہ لیں تم یہاں۔"

"ہونہہ۔ منہ دھو رکھیں اپنا۔ اتنا آسان نہیں ہو گا مجھے منگوانا اور۔ کیا مطلب ہے آپ کا۔ کوئی راشن یا سودا سلف ٹائپ کی چیز ہوں جو مجھے منگوایا جائے گا۔" اس نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔ "ڈالنگ! عرض یہ ہے کہ ہم [illegible] والوں کو پتہ نہیں [illegible] اکثر دھوکے باز

زلوی جو ہوتے ہیں۔"

"تو پھر میری طرف سے بھی اطلاع ہے" عرض ہے کہ ہم پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں اگر اسد کو اپنا سلطانہ بنایا تو میرا نام بھی افسر نہیں جو اپنی رکھ دینا۔"

"میرا خیال ہے آپ ابھی سے اپنا نام بدل لیں۔ یہ دوسرا نام زیادہ سوٹ کرے گا آپ پر۔" اس کے تیور نے پر وہ ہنس پڑی۔

"اب بھی وقت ہے۔ اقرار کرلو میری چاہت کا۔" اس پر بدستور عشق کا بھوت سوار تھا۔

"کیوں؟ کیا اس کے بعد آپ "گدھا" بن جائیں گے؟" وہ صاف اپنا پہلو بچا گئی۔

"سوچ لو فیصلہ ہو تم اترا لی رہ جاؤ اور کوئی مجھے لے اڑے۔" اس نے اپنی اہمیت جتائی۔

"پروا نہیں۔" وہ اطمینان سے کہتی ہوئی فریج میں منہ ڈال کر کھڑی ہو گئی۔ افسر اس کی پشت پر بل کھاتی ہوئی چٹیا کو [illegible] کر گیا۔ "کہیں یہ لاپرواہی، انکار اور بے نیازی [illegible] تو نہیں۔" یہ سوچ پہلے بھی کئی بار اس کے ذہن پر دستک دے چکی تھی۔ اس کی پیار بھری باتوں کا جبین پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا وہ ہنس کر ٹال جاتی تھی۔ "شاید میں [illegible] ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ اچھا ہوا [illegible] تو [illegible] کے ساتھ اس کی [illegible] سے انتظار کر رہی ہوں لیکن مولوی صاحب [illegible] ملتے ہی مسجد کی طرف دوڑ جاتے ہیں۔"

"کیا کروں! مجبور ہوں [illegible] کہ کبھی نہیں آتا۔" اس نے نور جہاں [illegible] آواز [illegible] کی کوشش کی۔

"بس بس میڈم نے سن لیا تو ہارٹ فیل ہو جائے گا۔" ساجدہ نے عین وقت پر اسے روکا ورنہ [illegible] تک تو آواز پہنچ جاتی۔

"چلو سب مل کر ڈنر کریں گے۔ ہو سکتا ہے تم [illegible] میرے حصے میں ڈنر کی باری ہو۔" وہ [illegible] چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔

"بلال کہاں ہے؟"

"وہ پہلے ہی وہاں موجود ہے۔"

"حد ہو گئی۔ امی ٹھیک کہتی ہیں کہ گھر میں کوئی نہیں ٹکتا لیکن ہم بھی کیا کریں ساری رونق تو ادھر لگی رہتی ہے۔ تمہارے گھر یا پھر اسد کے گھر۔" افسر نے گھر سے غائب رہنے کی وجہ بتائی۔

"تو لے آؤ نا ادھر تھوڑی سی رونق ادھر سے چرا کر۔" ساجدہ نے معنی خیز مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"اس موضوع پر مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔" افسر نے اسے رازدار بنانے کا فیصلہ کیا۔ وہ آسانی سے معلوم کر سکتی تھی کہ جبین کے دل میں کیا ہے۔

"کون سی بات؟" وہ چلتے چلتے رک گئی۔

"اس وقت نہیں۔ ابھی سب کھانے پر انتظار کر رہے ہوں گے۔"

وہ ساجدہ کو تجسس میں ڈال گیا تھا۔ جلدی جلدی کام نمٹا کر وہ فارغ ہوئی تو افسر جا چکا تھا۔ وہ چپکے سے امی کو بتا کر باہر نکل آئی۔ ورنہ کوئی نہ کوئی پیچھے لگ جاتا۔ اس گھر میں پرائیویسی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ سب ہمہ وقت ایک دوسرے کے سر پر سوار رہتے تھے۔ افسر سے وہ ضروری بات معلوم کرنا ضروری تھا [illegible] ساری رات نیند نہ آئی۔ افسر کی الجھن [illegible] ہو چکی۔

"اتنی فضول سی بات کے لیے تم نے مجھے پریشان کیا۔"

"یہ فضول سی بات میرے ذہن سے چپک گئی ہے۔ تم ذرا اس کا عندیہ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔"

"ویسے تمہارے [illegible] کی چاہیے لیکن [illegible] ہے کہ تمہاری سوچ غلط ہے۔ جبین سے [illegible] کی توقع نہیں ہے۔" وہ شرارت سے [illegible] اس کی شرانگیزی کو مسکرا کر برداشت [illegible] سے کام ہو رہا تھا کوئی اور [illegible]

دن وہ حسب وعدہ جبین کے پاس جا پہنچی۔

"کچھ معلوم بھی ہے تمہیں! افسر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا ہے کہ خدانخواستہ تم اسے ناپسند کرتی ہو۔" وہ جاتے ہی شروع ہو گئی تھی۔ "یہ محض غلط فہمی ہی ہے نا؟"

"یہ سوال تم کر رہی ہو!" جبین جھنجلا گئی۔

"تو پھر جانتے بوجھتے ایسے سوال کیوں کر رہی ہو؟" ساجدہ نے زچ ہو کر کہا۔

"کیوں نہیں کہتیں کہ تم بھی وہی چاہتی ہو جو وہ چاہتا ہے۔"

"ہر بات کا اظہار ضروری نہیں ہوتا۔ بعض جذبے ان کہے اچھے لگتے ہیں۔"

"اس کے اطمینان خاطر ایک بار اسے بتا دو جو تمہارے دل میں ہے۔" ساجدہ وکالت کا حق خوب ادا کر رہی تھی۔

"کیا دل کی باتیں آنکھوں سے، چہرے سے عیاں نہیں ہوتیں۔ لفظوں میں بیان کرنا لازمی ہے؟" اس کا نقطہ نظر اتنی آسانی سے نہیں بدل سکتا تھا۔

"ہونہہ بڑا ہی ہوگا موصوف کو ذہانت کا۔ میں تو کبھی اقرار نہیں کروں گی۔ پہلے ہی اکثر و بیشتر پٹڑی سے اتر جاتا ہے۔ میں نے کچھ کہہ دیا تو مزید پھیل جائے گا۔ میرا اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

اس کا لہجہ اٹل تھا۔

افسر نے سنا تو اطمینان و خوشی کی ایک لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔

"ٹھیک ہے جبو! میں نے بھی تمہاری زبان سے نا اگلوایا تو میرا نام بھی بدل دینا۔"

○

اس وقت چاروں لڑکیاں پکنک کا پروگرام بنا رہی تھیں۔ نمکو، چپس کی پلیٹ سامنے رکھی تھی۔ شفا کو کراچی کے آدھے سے زیادہ مقامات کی سیر کروائی جا چکی تھی، جو باقی رہ گئے تھے ان پر غور و خوض ہو رہا تھا۔

"میں چاہ رہی ہوں کہ رمضان سے پہلے ہم سیر و تفریح کا پروگرام مکمل کر لیں۔ تاکہ پھر سکون سے عبادت کی جا سکے۔" ساجدہ کشن لے کر قالین پر دراز ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاں ایک تو وہ مہینہ ہے جس میں ہم تھوڑے سے شریف اور عبادت گزار ہو جاتے ہیں۔ ورنہ سال کے گیارہ ماہ من مانیوں اور نافرمانیوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔" جبین نے افسوس سے کہا۔

"بڑے مزے۔ میں رمضان اور عید بھی بہت عرصے بعد اپنے وطن میں مناؤں گی۔" شفا پرجوش ہو رہی تھی۔ "یہاں اپنی عبادات اور تہوار کا مزا ہی کچھ اور ہوگا۔ میری بڑی خواہش تھی کہ میں یہ سب اپنے وطن میں اپنوں کے ساتھ شیئر کروں۔ وہاں بھی ہم روزے رکھتے، عید مناتے اور قربانی کرتے تھے لیکن یہاں جیسی چہل پہل اور رونق وہاں کہاں۔ ممی اور ڈیڈی سے یہاں کے قصے سنا کرتی تھی اور میرا شوق سوا ہو جاتا تھا۔"

"چلو اب تم یہاں کی رونق کو انجوائے کرنا۔ فی الحال پکنک کا پروگرام فائنل کرتے ہیں۔" ساجدہ نے اصل موضوع کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے اس بار ضد کر کے بڑوں کو بھی شامل کر لیا جائے، ہمیشہ وہ ٹل جاتے ہیں۔" مینا نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"ہم کلری چلتے ہیں۔ اکیلے جانے کی اجازت تو ملے گی نہیں، بڑوں کو لازمی جانا پڑے گا۔" جبین کی تجویز شاندار تھی۔

"یہ کلری کیا بلا ہے؟" شفا کو یہاں کی مشہور جگہوں کے بارے میں معلومات نہیں تھی۔

"بہت خوبصورت جھیل ہے اور کراچی سے باہر ہے۔" ساجدہ نے اسے بتایا۔ وہ وہاں پہلے بھی کئی بار جا چکے تھے۔ سب کو وہ جگہ بہت پسند آئی تھی۔ چاندنی رات میں جھیل کا حسن دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ چاند کی روشنی میں جھیل کا پانی یوں دکھائی دیتا تھا جیسے

یہاں سے وہاں تک چاندنی بچھا دی گئی ہو۔

"یہ حقیقتاً ایسی جگہ ہے جہاں سے واپس آنے کو دل نہیں کر رہا۔" جبین ابھی سے خیالوں میں وہاں پہنچ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے لڑکیوں کو بتا دیا جائے گا پھر باقی انتظامات ان کے ذمے۔ ہم اپنے نازک کندھوں پر بوجھ کیوں اٹھائیں!" سامعہ ہنسی۔ "جب گھر میں اتنے سارے گدھے موجود ہیں۔"

"یہ کس نے ہمیں گدھا کہہ کے اپنی شامت کو آواز دی ہے؟" افسر ایک دھماکے کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا پھر جبین کو دیکھ کر چونکا۔

"ارے جبو! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ میں تو تمہاری تلاش میں گریبان چاک کر کے جنگل میں نکلنے ہی والا تھا۔" جبین کو افسر کی اس خود ساختہ عرفیت جبو سے جتنی چڑ تھی وہ اتنا ہی اسے تنگ کرنے کے لیے اسی نام سے پکارا کرتا تھا۔

"خبردار! اگر مجھے جبو کہا تو اچھا نہیں ہو گا۔" وہ آستین چڑھا کر بولی۔

"میں تو یہی کہوں گا کر لو جو کرنا ہے۔" وہ ڈھٹائی سے گویا ہوا۔

"افسر بھائی پلیز!" جبین روہانسی ہو گئی۔ اپنے منہ سے تو قابو کیا جا سکتا تھا لیکن دھونس جمانا اتنے منہ زور گھوڑے کے پیچھے جانے سے زیادہ مشکل تھا۔ [illegible] بھائی [illegible] تڑپ کر بولا۔ "خبردار جو مجھے بھائی [illegible] بھائی کہنے والا شوق ہے تو گھر سے بھائی لے کر آئیں۔"

"بھائی کہنے پر برا کیوں منا رہے ہیں؟ جبین تو ویسے بھی چھوٹی ہوئی آپ سے۔" شفا کو اس کی منطق سمجھ میں نہیں آئی۔

"شفا باجی! آپ کو ابھی معلوم نہیں۔" بلال بھی [illegible] آ رہا تھا۔

"کیا نہیں معلوم؟" وہ مزید حیران ہوئی۔

"یہ ہونے والی سیکریٹری ہیں۔" اس نے جبین کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا مطلب؟" شفا اس کی بات سمجھنے سے قاصر رہی۔

"سیکریٹری یعنی افسر کی دلہن۔" بلال نے گویا اس کی جہالت پر افسوس کرتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ (جبین کے آنکھیں دکھانے کے باوجود)

"واقعی!" وہ اچھل پڑی۔ افسر کی شریر نظریں جبین پر جمی ہوئی تھیں جس کا چہرہ حیا کے سرخ ہو رہا تھا۔

"تم لوگوں نے مجھے بتایا نہیں۔" وہ شکایتی لہجے میں بولی۔ اب اسے اپنی فضول سوچ پر شرمندگی ہو رہی تھی۔ دونوں ساتھ ساتھ کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔ اسے واقعی اس انکشاف سے خوشی ہوئی تھی جب کہ افسر نے بات کھل جانے پر شکر ادا کیا تھا۔ اب وہ نظر پروف ہو گیا تھا اور کوئی اس پر بری نظر ڈالنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

"اصل میں پہلے ذکر ہی نہیں آیا اور پھر مجھے تو یاد بھی نہیں تھا۔" سامعہ نے فوراً وضاحت کی۔

"بھئی میں نے تو آج یہ خوش خبری سنی ہے لہٰذا مجھے ٹریٹ چاہیے۔"

اس کی فرمائش پر افسر نے جیب سے ایک روپے کا سکہ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھا۔ "لو ٹافیاں کھا لینا۔"

"اتنی بڑی خبر پر اتنا چھوٹا سا سکہ۔" شفا نے حیرت سے سکے پر نظر ڈالی۔

"تو [illegible] سے کام چل جائے گا؟ [illegible] بڑھا ہوا ہے۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"بات کو مذاق میں نہ ٹالو ورنہ میں [illegible] کا جرمانہ بھی شامل کر لوں گی۔" اس نے دھمکی دی۔ وہ فوراً "راہ راست" پر آ گیا۔

"ٹھیک ہے [illegible] ہی ہو گی نا!" وہ سر کھجانے لگا۔ "یہاں [illegible] موجود ہیں [illegible] کے شام کو۔"

"ہم سب جائیں گے۔" مینا نے لقمہ دیا۔

"یہاں سب کہاں جائیں گے [illegible] رہا ہے [illegible]"

"ہاں! [illegible]"

"یہ اصول ہے [illegible] بھی جانا ہو گی بارات

جائے گی۔" ساعمہ نے اسے یاد دلایا۔

"اور یہ بھی اصول ہے کہ کسی اصول کو توڑا نہیں جائے گا۔" جبین نے کڑک دار لہجے میں کہا۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر خاموش ہو گیا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس کا پورا جیب خرچ باقی خرچ ہو جانا تھا۔

اسد نے نکری جانے کا پروگرام بنا تو مچل گیا۔

"نہیں میں کچھ نہیں جانتا مجھے بھی کسی طرح لے چلو ظالمو ناہنجارو!"

"اب اتنے فٹ کے بندے کو تو چھپا کر نہیں لے جایا جا سکتا۔ البتہ اگر تم کوئی چھوٹا موٹا سامان ہوتے تو بیگ میں رکھ کر لے جاتے۔" شولی نے بے بسی سے اس پر نظر ڈالی۔ اسے توڑ موڑ کر بیگ میں چھپانے کا کوئی چانس نہیں تھا۔

"دو ہی طریقے ہیں تمہیں لے جانے کے یا تو تمہیں مکھی بنا کر لے جائیں یا پھر تم سلیمانی ٹوپی اوڑھ کر غائب ہو جاؤ۔ اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔" افسر نے کہا۔

"پھر یہ پروگرام ختم کر دو۔" اسد کسی طرح بھی تیار نہیں تھا کہ اس کے بغیر یہ پکنک منائی جائے۔ "مجھے ذرا ان کی آڑ میں دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا گیا ہے۔ خوب تفریح ہو رہی ہے میرے بغیر جانے کتنے دن ہو گئے! میں سب کے ساتھ کہیں باہر نہیں گیا۔ اکیلے سڑکوں پر گھومتے گھومتے تھک گیا ہوں اب تو سڑکیں بھی مجھ سے سوال کرتی ہیں کہ برخوردار! اکیلے آوارہ کتے کی طرح کہاں بھٹک رہے ہو؟ تمہارے وہ خبط الحواس سنکی ساتھی کہاں رہ گئے؟" فریاد کرتے ہوئے اس نے سنگی میں گ کے بجائے ک کا استعمال کیا۔ "میں پہلے بتا رہا ہوں عید تک یہ سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے میں اکیلے عید نہیں مناؤں گا۔"

اور پھر اسد کی وجہ سے پروگرام عید تک موخر کر دیا گیا۔

جبین کچھ دنوں سے نوٹ کر رہی تھی کہ افسر اپنی کسی کلاس فیلو کا بڑے جوش و خروش سے تذکرہ کرنے لگا ہے۔ لڑکے کرید کرید کر اس کے بارے میں سوال کرتے تھے اور جواب سن کر آہیں بھرتے تھے کہ ایسی قتالہ عالم 'ظالم حسینہ' ہمیں کیوں نہ ملی۔ ایک دن نوحہ ہو گئی جب وہ اس چڑیل (جبین کے خیال میں وہ اسی لقب کے لائق تھی) کی تصویر لے آیا۔ شولی کو تصویر دیکھتے ہی دل کا دورہ پڑ گیا جو ایک منٹ بعد ہی ساعمہ کی سینڈل کی چوٹ سے ٹھیک ہو گیا۔ افسر اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔ سب کو وہ 'بھتنی' جل پری پسند آئی تھی۔ جبین نے اسے دل ہی دل میں بددعائیں دیں۔ اس کی تصویر دیکھ کر جل کر رہ گیا۔ جبین نے بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تصویر پر ایک نظر ڈالنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔ حالانکہ اس کے دل کی دنیا زیر و زبر ہو رہی تھی۔ افسر کا رویہ بھی تو بدل گیا تھا۔ روز بروز خوش رہنے لگا تھا۔ رخ روشن کی تصویر (اس نامحرم) ہر وقت اس کے دل کے قریب (جیب میں) رکھی رہتی تھی جسے وہ دن میں "ٹونٹی" نکال کر آنکھوں کی روشنی بڑھاتا رہتا تھا۔ جبین کو وہ ایسے نظرانداز کر رہا تھا جیسے ان کے درمیان کوئی تعلق رہا ہی نہ ہو۔ کسی کو احساس نہ تھا کہ شیریں کم سخن زبان اس کی جگہ پر قابض ہو رہی ہے بلکہ سب کا اصرار تھا کہ ان کی بہ نفس نفیس ملاقات کرائی جائے۔ ان میں اسد بھی شامل تھا۔ اس کا اپنا بھائی وہ دوسروں سے کیا شکوہ کرتی۔

"تم نے میرے ساتھ بچ بچ وہی سلوک کیا ہے جو کوئی بھی افسر اپنی سیکرٹری کے ساتھ کرتا ہے۔ ایک سے دل اکتا گیا تو دوسری رکھ لی۔" وہ آنسوؤں کو پینے کی کوشش کرتی جاتی اگر اس کا بس چلتا تو افسر سے خوب لڑے اور پوچھے کہ اگر شیریں کی کوئی خاص حیثیت ہے تو پھر جبین کا مقام کیا تھا اس کی نظروں میں؟ لیکن وہ خاموشی سے اس صدمے کو جھیل گئی تھی۔ [illegible]

"وہ اپنا آپ اس پر عیاں کیوں کرے۔" اس نے اپنے اوپر بے نیازی کا خول چڑھا لیا تھا۔ پہلے کی طرح بڑھ چڑھ کر مختلف سرگرمیوں میں حصہ لیتی کہ کوئی اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر کر اس کے کرب کو جان نہ لے۔ ہاں رات کو نیند کی وادیوں میں بھٹکتے ہوئے اس کا تکیہ ضرور بھیگ جاتا۔ اسی دوران رمضان کی مبارک ساعتیں روشنی کے متلاشی دلوں کو نور نور کرنے کے لیے آ پہنچیں اس کی مصروفیات میں اضافہ ہو گیا تھا۔ سحری کا اہتمام کرتے ہوئے وہ اسد کو جگانے کی کوشش میں ہلکان ہو جاتی۔ امی ابو تو ایک آواز میں بیدار ہو جاتے تھے اور منور کو وہ ایک عدد جھنجھوڑ رسید کر کے ہوش کی دنیا میں لے آتی تھی لیکن اسد اسے زچ کر دیتا تھا۔ آخری حربے کے طور پر وہ چپل سمیت اس کے بالوں پر چڑھ جاتی تب وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوتا۔

"اسی چپل سے تم جانے کہاں کہاں دندناتی پھرتی ہو۔ خبردار جو آئندہ ایسی گری ہوئی حرکت کی۔" وہ دھمکی دیتا لیکن [illegible] اٹھتا۔ افسر حسب معمول ہر دوسرے دن پر لڑ ہو جاتیں ناک چڑھ جاتی۔ "میرے ہاتھ کا کھوسا جلنے کا اور بدمزہ [illegible] جانیں گے اس کلموہی کے۔" بلند [illegible] طعنوں سے اس ان دیکھی لڑکی کو نوازتی۔

"[illegible] اپنے گھر میں کیا سحری افطاری کا انتظام نہیں ہو [illegible] ہیں۔ وہ کیوں خواہ مخواہ ان کے ناز اٹھائے۔"

"بات دراصل یہ ہے اپنا [illegible] ہاتھ کی بنی لذیذ لقمہ دار چیزوں میں بھی مجھے وہ مزا نہیں ملتا جو تمہارے ہاتھ کے بد شکل بدذائقہ اور بدمزہ کھانوں میں ملتا ہے۔" اس کی وضاحت پر وہ مزید چراغ پا ہو گئی۔ بمشکل اس نے اپنے غصے کو کنٹرول کیا کہ روزے کی حالت میں غصہ کرنا کوئی اچھی بات نہیں تھی۔

○

"آپ کو کچھ خبر بھی ہے آج کل آپ کے صاحبزادے کے کیا اطوار ہیں۔" اسد کی امی نے بڑی راز داری سے ابو کو مخاطب کیا جو ابھی ابھی اخبار لے کر بیٹھے تھے۔

"ہوں۔" انہوں نے امی کا جملہ سنا نہیں تھا۔ ویسے بھی اخبار میں زیادہ دلچسپ خبر تھی۔ ایک سیاستدان نے دوسرے سیاستدان کو لوٹا کہہ دیا۔ دوسرے نے تیسرے کو گھوڑا اور تیسرے نے پہلے کو بھگوڑا قرار دے دیا۔ حالانکہ تینوں ہی بے پیندے کے لوٹے تھے اور عوام کو یہ بات معلوم تھی پھر بھی دردِ سر مول لینے کے لیے اخبار کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے۔ (آزمائش شرط ہے)

"اُفوہ! اس اخبار کی تو جان چھوڑیں۔"

انہوں نے بادل نخواستہ اخبار سے نظریں ہٹائیں۔ "کیا فرما رہی تھیں آپ؟"

"آپ نے نوٹ نہیں کیا جب سے شفا آئی ہے۔ اسد کی آفس کی مصروفیات کچھ زیادہ بڑھ گئی ہیں۔"

"کیا فضول بات کر رہی ہو۔ یہ محض ایک اتفاق ہے اس کی کمپنی آج کل ایک نئے پروجیکٹ پر کام کر رہی ہے۔" وہ زچ ہو کر بولے۔ "اب اسد کی مصروفیت کا بھلا شفا کی آمد سے کیا تعلق ہے!"

"مجھے لگتا ہے وہ اسد کو پسند نہیں آئی۔" انہوں نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"کیوں پسند نہیں آئے گی! اچھی بھلی لڑکی ہے، سلجھا ہوا مزاج ہے اور ویسے بھی میرے بیٹے کی یہ عادت نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کسی کی ذات میں کیڑے نکالے۔" انہوں نے اس خدشے کو یکسر مسترد کر دیا۔

"جب سے شفا آئی ہے وہ ایک بار بھی اسے لے کر باہر نہیں گیا بلکہ اس نے تو بھولی جان کے گھر جانا بھی چھوڑ دیا ہے۔" وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھیں۔

"ہفتے میں دو بار اپنے ساس سسر کی خدمت میں حاضری دینے جاتا تو ہے۔ بلاوجہ وہم ہو گیا ہے تمہیں۔" انہوں نے دوبارہ اخبار پر نظریں جما لیں۔ گویا [illegible]

لو لاد پر اعتکور کھو اور مطمئن ہو جاؤ۔"

"اچھا بھئی خوش رہیں آپ لوگ۔" انہوں نے سر کو جھٹکتے ہوئے ان کا رزانگ ادا کیا جو شاید وہ بھول گئے تھے۔ جبین اندر داخل ہوتے ہوئے ابو کا جملہ امی کے منہ سے سن کر ہنس پڑی تھی۔

چاند کی چودہ تاریخ تھی۔ وہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر چھت پر چلی آئی۔ آسمان پر چودھویں کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ چاندنی رات کی بھی کیا جلوہ گری ہوتی ہے! محسوسات کی شدت کو بڑھا دیتی ہے۔ محبت کا احساس ہو یا نفرت کا، ہسٹریا ہو یا پاگل پن، خوشی ہو یا افسردگی، ہر جذبہ چاندنی راتوں میں سوا ہو جاتا ہے۔ یہ چاند بھی کتنی دور سے انسانی جذبات و احساسات پر اثر انداز ہوتا ہے، سمندر میں مد و جزر کا باعث بنتا ہے۔ لہریں سر اٹھا کر چاند کو دیکھتی ہیں پھر سر جھکا کر ساحل کو چوم لیتی ہیں۔ یہ سارے نظارے خالق کائنات کی قدرت کو ظاہر کرتے ہیں۔ وسعت قدرت کا دائرہ کتنا وسیع ہے! انسان سوچنے بیٹھے تو عقل خیرہ ہو جائے۔ وہ منڈیر پر جھک کر گزری عید کے لمحات سوچنے لگی۔ سب ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے تھے لیکن افسر کا تحفہ بطور خاص ہوتا تھا۔

"شاید اس بار عید ویسی نہ ہو میرے لیے۔" اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع ہونے لگا۔ تبھی افسر دھم دھم کرتا ہوا اوپر چلا آیا۔ اسے دیکھتے ہی اس نے ایک دم چیخ ماری اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا بات ہوئی؟" جبین نے بے زاری سے پوچھا ویسے بھی اب اس کی شکل دیکھنے کا دل نہیں چاہتا تھا۔

"یا اللہ! یہ تم ہو۔ میں سمجھا کوئی چڑیل راستہ بھٹک کر زمین پر لینڈ کر گئی ہے۔" پری کے بجائے چڑیل کا لفظ استعمال کرنے میں اسے خاصی جدوجہد کرنا پڑی۔ اس وقت وہ واقعی حور پری کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔ چاند کی روشنی میں اس کی آنکھوں کا جھلملاتا پانی وہ دیکھ چکا تھا۔ اس کا دل شدت سے اس نیلگوں متلاطم سمندر میں ڈوبنے کے لیے مچلنے لگا۔ یقیناً وہ اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ مسکراہٹ کو دباتے ہوئے اس نے سرگوشی میں پوچھا۔ "ناراض ہو؟"

"میں کیوں ناراض ہونے لگی!" تڑخ کر جواب دیا۔ اپنی خودی کو بلند رکھنا جبین کو خوب آتا تھا لیکن تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ زبان انکاری تھی لیکن خفگی بھری آنکھیں اور تیکھے تیور اس کی ناراضگی کا پتا دے رہے تھے۔

"پھر موڈ کیوں خراب ہے؟" وہ کہاں اس کی زبان سے سچ اگلوانے کا تہیہ کر کے آیا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"اچھا اگر موڈ خراب ہے تو یہ تصویر دیکھ لو شرطیہ موڈ فریش ہو جائے گا۔" اس نے جیب سے تصویر برآمد کر کے اس کی طرف بڑھائی۔

"مجھے چڑیلوں کی تصویریں دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" وہ ایک قہر آلود نظر اس پر ڈال کر وہاں سے بھاگ آئی۔ آنسوؤں پر بند باندھنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس کے سامنے آنسو بہا کر وہ اپنے آپ کو ذلیل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نیچے آتے ہی امی سے ٹکرا گئی۔ اس کے سرخ بھیگے ہوئے چہرے کو دیکھ کر وہ چونک پڑیں۔ "کیا ہوا جبین؟"

"کچھ نہیں۔" بمشکل جواب دے کر وہ غڑاپ سے اپنے کمرے میں گھس گئی۔ بھائی کو دیکھتے ہی اس کے کندھے پر سر رکھ کر رونے کی خواہش مچلنے لگی تھی لیکن وہ اسے اپنے آنسوؤں کا گواہ نہ بنا پائی!

"لگتا ہے اس افسر کی کلاس لینی ہی پڑے گی۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ اس کا کزن بھی تھا اور دوست بھی لیکن اپنی پیاری بہن کو رلانے کی اجازت وہ ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔

"گڑیا! چلو تمہیں عید کی شاپنگ کرا لاؤں۔" اسد وہیں سے پکار کر بولا۔ اس وقت اسے تنہا چھوڑ دینے کا مطلب یہ تھا کہ وہ بیٹھ کر روتی رہے گی۔

"پانچ منٹ میں تیار ہو جاؤ۔" وہ انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر میں جبین تیار ہو کر آ گئی۔
"انشاءاللہ عید پر تو پہنتے ہوئے چلیں گے۔"
... "ہم لوگ تمہارے ساتھ اس شریفانہ حلیے میں ... ہوں!" وہ ... اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔ "او میں تو بھول ہی گیا تھا ..." وہ ہنس پڑی۔ اسے ہنستے دیکھ کر اسد نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔
... ساعد نے بتایا۔ افسر نے ... میں ... کو مدعو کیا تھا۔
"... سب ... کہ اس کی مسلسل خصوصی سے ملاقات کرنے۔" وہ بہت پرجوش ہو رہی تھی۔ جبین ... اور چمن سے کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو۔ ان کے دکھ میں ... بھی شریک نہیں تھا۔ رات کو مسجد سے آتے ہی ... اسے لینے چلا آیا۔
"... کہ تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔" اسے ... حلیے میں دیکھ کر چونکا۔
"مجھے کہاں جانا ہے؟" ایک پھیکی سی مسکراہٹ ... کے لبوں پر ...
"میں نے سب کو ... بتا دیا ہے تمہیں۔"
"میرا موڈ نہیں ہے۔" ... انکار کیا۔
"لگتا ہے تم اس کا سامنا کرنے سے ... ہو یا ... کی ہمت نہیں ہے تم میں۔" ...
"... بات ہے تو پھر ٹھیک ہے میں ایک مرتبہ ... سے مل ہی لوں۔ تاکہ یہ روز روز کی ..." وہ فیصلہ کر کے تیار ہونے کے لیے چل دی۔ ... اس خیال کو کہ "وہ ... کا سامنا کرنے سے ڈرتی ہے" غلط ثابت ... تھا۔
"... ٹھیک ہے تیار ہو جاؤ۔ میں نے اس کے سامنے ... چند تعریفیں کی ہیں۔" پیچھے سے اس کی ... آواز سنائی دی۔
"ہونہہ۔" وہ سر جھٹک کر لباس منتخب کرنے لگی اور پھر تیار ہونے میں اس نے زیادہ دیر نہیں لگائی۔ ... کے سوٹ کے ساتھ ہم رنگ بالیاں پہن کر

کر وہ باہر آئی تو افسر جیسے سحر زدہ سا ہو گیا۔ اس سادگی میں بھی وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔
"چوڑیاں تو پہن لو ورنہ یوں لگے گا جیسے تم کوئی سوگ منا رہی ہو۔" جبین کا دل چاہا کوئی چیز کھینچ کر اس کے سر پر مارے لیکن اس خواہش کو دبا کر وہ ساری چوڑیاں پہن آئی۔ منولی کے گھر سب تیار تھے۔ سارے راستے باہر ... ہوتا رہا وہ بھی ... دھڑکنوں کی بے ترتیبی کو چھپاتے ہوئے ان میں شامل رہی۔ عید کی وجہ سے باہر کچھ زیادہ ہی رونق تھی۔
"... کے ... پرسکون اور خوبصورت سے ماحول میں بیٹھ کر افسر نے پوچھا۔ "ٹھنڈا چلے گا یا گرم؟" سردی کے باوجود سب کا ووٹ کولڈ ڈرنکس کے حق میں تھا۔
"پہلے ٹھنڈا پی لیتے ہیں پھر گرم کا دور چلے گا۔" نوید نے فوراً جواب دیا۔
"بچوں کو ایسی جگہوں پر لانا ہی نہیں چاہیے فوراً فرمائشوں پر اتر آتے ہیں۔" وہ ... گیا۔
"میرے ابا جی کا ہوٹل نہیں ہے یہ۔"
"بحالت مجبوری ساتھ ہی آئے ہو تو اب برداشت کرو۔" منولی نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے
"... کیا بات ہوئی! ابھی بحالت مجبوری لایا جاتا ہے۔" ... کا منہ غبارے کی طرح پھول گیا۔ اسے بحالت مجبوری پر سخت اعتراض تھا۔
"ٹھیک ہے یار اس ... لالچی بچے کے لیے ایک کپ ... بھی منگوا لو۔" افسر نے دانت پیس کر اجازت دی۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے میرے لیے کچھ منگوانے کی۔" افسر کے الفاظ پر وہ مزید خفا ہو گیا۔
"... نہیں چلے گا۔ یاد رکھو کہ ابھی گھر بھی جانا ..." ... یاد دلایا۔
"میں ... بھی آپ لوگوں کے ساتھ نہیں ... گا۔" وہ روٹھا ہوا ...

"چلو چلو زیادہ بڑے بول نہ بولو۔ اگلی دفعہ پھر آجاؤ گے ہمارے پیچھے لگ کے' تمہاری کوئی عزت تو ہے نہیں۔" شبلی نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا۔ تنویر چڑتا تھا اس لیے اسے چھیڑنے میں مزا آتا تھا ورنہ بلال ایسی باتوں کو دیوانے کی بڑ سمجھ کر نظر انداز کر جاتا تھا۔

"میں کوئی کتا ہوں جو پیچھے لگوں گا" وہ حسب توقع بھتے سے اکھڑ گیا۔

"اپنے منہ سے بتانے کی کیا ضرورت ہے، ہم سب جانتے ہیں۔" طارق نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مکمل طور پر ناراض ہو گیا۔ چہرا ایسے مٹماتا گزر ہو گیا تھا۔

"چل میرا بچہ! میں تجھے باہر کی ہوا کھلاؤں۔ دماغ کی گرمی کچھ کم ہو گی۔" شبلی نے ہاتھ بڑھا کر اس کی بلائیں لیں۔ وہ نروٹھے پن سے اس کا ہاتھ جھٹکنے کی کوشش کرنے لگا لیکن شبلی اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تم بیٹھو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔ بائے۔" اس نے چٹکی بجا کر جلد آنے کا اشارہ کیا۔ باقی لوگ بھی اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ماسو اور شفا کو اٹھتے دیکھ کر جبین بھی اٹھنے لگی لیکن افسر نے ہاتھ تھام کر روک لیا۔

"تم کہاں جا رہی ہو مجھے اکیلا چھوڑ کر؟"

"ہاں تم یہیں ٹھہرو۔" شفا نے اس کے شانوں پر بازو ڈال کر کہا۔ "ان کے مہمان تو معلوم نہیں کب آئیں ہم ذرا تازہ ہوا لے کر آتے ہیں۔" وہ جز بز ہو گئی۔

اس طرح سب کے چھوڑ جانے کا کیا مطلب ہے!" آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرایا۔ وہ دلچسپی سے اس کے الجھے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگا جبین کو کوفت ہونے لگی۔

"کیا نام دیا تھا آپ کی مہمان نے؟" اس کی بے باک نظروں سے بچنے کے لیے وہ پوچھنے لگی۔

"میری مہمان تو کب کی آچکی ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ ہونق ہو گئی۔

"اسی ہال میں موجود ہے۔" اس نے اطمینان سے دھماکا کیا۔

"یہاں کیوں نہیں آرہی؟"

"شاید تم سے ڈرتی ہے۔"

"کیوں؟" بھلا جبین کیا بگاڑ سکتی تھی اس کا۔

"معلوم نہیں۔" افسر نے شانے اچکا کر لاعلمی ظاہر کی۔

"کہاں ہے وہ؟" وہ جھجکی جھجکی ارد گرد بیٹھی لڑکیوں کو دیکھنے لگی کہ ان میں سے کون ہیر ہو سکتی ہے۔

"ایسا کرو۔ یہ تصویر دیکھ لو پھر پہچاننے میں دشواری نہیں ہو گی۔" وہ تصویر کو اس کی ناک کے سامنے لہرا رہا تھا۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی اس کے دل کی دھڑکن رکنے لگی۔ اپنی ہی تصویر تھی جو اس نے کچھ ماہ پہلے ایک مہینے سے کلیج سے لگائے پھر رہا تھا۔ حیرت کی زیادتی سے وہ منجمد ہو گئی تھی۔ لاعلمی میں وہ اپنے آپ کو ہی جھلی میری اور چڑیل جیسے القابات سے نواز رہی تھی۔ شکر ہے کسی کے سامنے نہیں کہا تھا ورنہ ساری عمر ریکارڈ لگتا رہتا۔

"میری شیریں' میری لیلیٰ' میری صاحباں' سوہنی اور ہیر وغیرہ وغیرہ صرف تم ہو جبین۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا جہاں حیرت اور خوشی کا احساس گلے ملتا ہوا صاف نظر آرہا تھا۔

"میرا مہمان خصوصی تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے بے وقوف۔" یہ سب کچھ جبین کی توقع کے بالکل خلاف تھا۔ اس کے لیے یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ یقین اور بے یقینی کی اس کیفیت میں اس نے وہی کیا جو عام طور پر ایسی صورت میں لڑکیاں کیا کرتی ہیں۔ یعنی اس نے سر میز پر رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ارے ارے۔" وہ اس کے رونے پر بوکھلا گیا۔ "چپ کر جاؤ لڑکی! لوگ کیا کہیں گے! یہ ہوٹل ہے' خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔"

"آپ نے ایسا کیوں کیا؟" بمشکل سسکیوں کے

درمیان اس نے شکوہ کیا۔
"تمہارے دل کا حال جاننے کے لیے۔"
"بڑی خوشی ہو رہی تھی نا یہ سب مجھے جلا کر۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
"سب شامل تھے اس ڈراما بازی میں۔" اس نے دوپٹے کے آنچل سے آنسوؤں کو صاف کیا۔ سب کے باہر جانے کی وجہ اب سمجھ میں آئی تھی۔
"اس ڈرامے کو کامیاب کرنے میں تمہارا ہی ہاتھ ہے۔ تم نے کیسے یقین کرلیا کہ میں کسی دوسری لڑکی میں دلچسپی لے سکتا ہوں۔ تمہیں میرا اعتبار کرنا چاہیے تھا۔ اتنا عرصہ ساتھ رہنے کے باوجود تم نے مجھے سمجھنے میں غلطی کی۔" افسر نے ایک ملامت بھری نظر اس پر ڈالی۔
"مردوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔" ادھر شرمندگی کا کوئی نام نہیں تھا۔
"دوسرے مردوں کو ڈالو جہنم میں۔ میں اپنی بات کر رہا ہوں۔" وہ جھلایا۔
"مجھ پر تو اعتبار کرنا چاہیے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمہارا [illegible] عاشق ہوں۔ تمہارے سوا کہیں نہیں جائے گا [illegible] مجھے سمجھنے میں اپنی بے لوث چاہت کا اظہار کرنا [illegible] دوا سے اپنی ہی ذلت میں معتبر کر [illegible]
[illegible] پھر آنسوؤں سے لبریز ہونے لگیں۔
"ان آنسوؤں کو بہنے سے روک لو۔ نہیں ابھی [illegible] کر جھول۔" وہ پھر بڑی سے اتر [illegible]
"[illegible] سنبھل کر بات کریں۔ مجھے فضول گوئی پسند نہیں ہے۔" وہ [illegible] ابھی تمہارا وقت [illegible] سینے پر ہاتھ رکھا۔
"[illegible] اپنا بھی وقت آئے گا۔ جب [illegible] دولت مجازی [illegible] عہدے پر فائز ہوں گے اور تم اپنی کنیز کی طرح ہمارے آگے پیچھے پھرا کرو گی۔" وہ کھل [illegible] آنکھوں سے چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"پھر میں تمہاری خدمت میں عرض کروں گا۔ تم سے کہوں اک بات پروں سے ہلکی۔ رات میری سب چھاؤں تمہارے ہی آنچل کی۔"
"کٹ۔" سونی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ "یہ شیریں فرہاد کا ایکٹ یہاں نہیں چلے گا۔"
"آگئے۔ ولن ہمارے رومینٹک موڈ پر جھاڑو پھیرنے کے لیے۔" افسر کو اس وقت ان کی مداخلت سخت ناگوار گزری۔
"اور تم چھپ کر ہماری باتیں سن رہے تھے! جب دو پیار بھرے دل بات چیت کر رہے ہوں تو ان کی باتیں سننا اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے۔" وہ پھٹ کر بولا۔
"ہم نے تو کچھ نہیں سنا۔" طارق نے ڈھٹائی سے کہا۔
"تم خود اتنا اونچا بول رہے تھے کہ سب خود بخود سنائی دے رہا تھا۔"
"اب کچھ کھلاؤ گے بھی یا ہم بھوک سے فوت ہو جائیں!" سامعہ نے اس کی توجہ مینیو کی طرف دلائی۔ شفا نے بھی محسوس کرلیا تھا کہ جبین خوامخواہ بور ہو رہی ہے۔ لہٰذا منٹوں میں موضوع تبدیل ہو گیا۔

○

رمضان بس چند دنوں میں رخصت ہونے والا تھا۔ یہ مبارک ساعتیں بھلا کب ٹھہرتی ہیں۔ آخری عشرہ بھی اعلان کرتا ہوا جا رہا تھا۔
"ہم جتنی رحمتیں سمیٹ سکتے ہو سمیٹ لو۔ پھر یہ مقدس اور پر نور گھڑیاں نصیب ہوں کہ نہ ہوں۔"
خوش نصیب تھے وہ لوگ جو صحیح معنوں میں اس بابرکت مہینے سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ شفا کے لیے تو پہلا موقع تھا۔ رمضان کی رونقیں اور عید کی [illegible] اس کے لیے بہت انوکھی تھی۔ وہ روز رات کو [illegible] کے لیے نکل کر رہے ہوتے۔ اپنے [illegible] کی گلیوں کا بھی طواف کرنے والوں کی طرح پھرنا شفا کو

بہت اچھا لگ رہا تھا۔ کراچی کی رونقیں اور اجالے اسے کشش کرتے تھے۔ یہ ٹھیک تھا کہ یہاں برطانیہ کی طرح صفائی نہیں تھی۔ جگہ جگہ سبزے اور پھولوں کے بجائے کچرے کے ڈھیر لگے تھے لیکن یہاں کی فضاؤں میں، ہواؤں میں چاہت کی بہت انمول سی خوشبو رچی بسی تھی۔ سڑکوں پر جگمگاتی روشنیوں میں اپنائیت کا احساس تھا جو کہیں اور نہیں مل سکتا تھا۔ وہ تو بور [illegible] کر رہی تھی اپنے کراچی کی رونقوں کو [illegible] بھری لڑائیوں کو اور اپنوں کی چاہتوں کو۔ [illegible] لمحوں میں اسد کا خیال اسے یوں اداس [illegible] ہوئے چاند کو بادل کا کوئی ٹکڑا اچانک ڈھانپ [illegible]

عید بس ایک یا دو دن کے فاصلے پر تھی۔ اگلے روز چاند نکل آتا تو رمضان کو الوداع کہہ کے عید کو خوش آمدید کہنے کی تیاریاں شروع ہو جاتیں۔ انہوں نے جی بھر کر شاپنگ کی تھی۔ چوڑیوں اور مہندی کی خریداری چاند نکلنے سے مشروط تھی۔ چاند رات کو بازاروں میں باجماعت پھرنے کا اپنا ہی لطف تھا۔

شفا اس وقت چھت پر آنکلی تھی۔ ابھی ابھی سارہ نیچے گئی تھی۔ بڑوں کو چائے بنا کر دینا تھا۔ مینا جبین کو بنانے گئی تھی تاکہ کورم پورا ہو جائے۔

"آج تمہیں سب نے اسد کو کسی فالتو پرزے کی طرح نظر انداز کیوں کر رکھا ہے!" اس کی سوچ کا دھارا اسد کی طرف جانکلا۔ وہ کسی بھی موقعے پر ان کے ساتھ شریک نہیں ہوا تھا۔

"اس کا مطلب بھی تو ایسا ہوتا ہے کہ ساتھ چلنے والا نظر انداز کر جائے۔" تب کر اس نے سوچا۔

"لیکن اس طرح اس کے حال پر چھوڑ دینا بھی تو صحیح نہیں ہے۔" وہ اس کے بارے میں ہمدردانہ غور کر رہی تھی۔

"سب اسے اپنے جیسا بنانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے! اس کی عقل کے گھوڑے کو گھاس چرنے سے منع کرنا ان سب کا فرض تھا جو اس کے اپنے تھے لیکن سب کا طرز عمل ایسا ہے جیسے کہ [illegible]

خلاف معمول بات ہی نہیں ہے۔ خالہ جانی کو دیکھو بھانجے کی محبت میں ہلکان ہو رہی ہیں۔ یوں ذکر کرتی ہیں جیسے اس کی تمام حرکات و سکنات انتہائی پسندیدہ ہوں۔ ممی اور ڈیڈی تک کو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آتی۔ آخر یہ کیا چکر ہے!" [illegible] چھت پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلنے لگی۔ اتفاق سے اسد اور افسر برابر والی چھت پر موجود تھے انہوں نے شفا کو دیکھ لیا تھا۔ ایک مزیدار سی ملاقات کا موقع مفت میں مل [illegible] "بالا" کو اسد کا وہ یونیفارم ملا نے بھیجا گیا تھا جو [illegible] خرید کر لایا تھا۔ دونوں چھتیں چونکہ [illegible] اسد لنگور کی طرح چھلانگ لگا کر بہت آسانی سے [illegible] قریب پہنچ گیا۔

"[illegible] شفا جی!"

[illegible] تھی اس کی آواز سن کر اچھل پڑی [illegible] ہونے ہی کوفت سے مارے برا حال [illegible] انہوں ہونے لگا کہ [illegible] ہونے کے بارے میں [illegible]

"کیسا لگ رہا ہوں؟" وہ شاید [illegible] کا نام سمجھ رہا تھا۔ [illegible] کی شرٹ پر بڑے پھولوں والی زرد [illegible] اور [illegible] کر [illegible] جا کر ڈوب مرے۔ یہ مشورہ [illegible] سے زیادہ بہتر تھا۔

"کیسے مزاج ہیں سرکار کے؟" اس نے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے پوچھا۔

"بہت بدمزاج ہوں میں۔" وہ کڑے تیوروں سے اسے گھورنے لگی۔ تبھی اس نے ہاتھ بڑھا کر گلاب کی ایک پوری شاخ پھول اور کانٹوں سمیت اسے پیش کی۔

"یہ پھول لے لیجیے۔"

"آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے! اس کا کیا کروں گی میں!" وہ چیخی۔

"بس بالوں میں لگا لیں۔" وہ کھسیا کر بولا۔

"میرا [illegible] [illegible] اپنا لگا [illegible]"

شفا کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا۔ اسد نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی۔

"آخر آپ مجھ سے اتنی خفا کیوں رہتی ہیں؟ کیا خرابی ہے مجھ میں؟" وہ اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

"خرابی آپ میں نہیں آپ کے گھٹنے میں ہے جہاں دماغ ہوتا ہے۔" وہ دانت پیس کر آگے بڑھی تو اسد نے پیچھے سے اس کے آنچل کا کونا اپنی مٹھی میں دبا لیا۔

"ہم چاہتے ہیں تم کو یوں ان کا دل نہ توڑو
اب ہنس کے بات کر لو جھگڑے کی بات چھوڑو۔"

وہ اس کا آنچل تھام کر مضحکہ خیز آواز میں گا رہا تھا اس بات سے بے نیاز کہ اس کے گلے کا اسپیکر پھٹ چکا ہے۔

"ہم نے لگایا جو دل اپنے تو بھاگ پھوٹے
اچھا چلو یہ مانا تم سچے ہم ہی جھوٹے۔"

شفا کا جی چاہا [illegible] کے ساتھ ساتھ اس کا سر بھی پھوڑ ڈالے۔

"شٹ اپ! راستہ چھوڑو میرا۔" وہ آؤٹ آف کنٹرول ہو کر بولی۔ ایک جھٹکے سے اپنا آنچل چھڑایا اور سیڑھیوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ پھر بھاگتے بھاگتے رک کر بولی۔

"ہو گر نیست کا کریا بنا لیا جاتا تو زیاں اچھا تھا اور اچھے میں ڈھلا گر کا رونا بھی ہو جو تھوڑی بہت کسر [illegible] وہ بھی پوری ہو جاتی۔" طنزیہ انداز میں [illegible] اسد جو کافی دیر سے [illegible] برداشت کر رہا تھا بے ساختہ [illegible]

"کیا خوب صورت [illegible] مشورہ دیا [illegible] شفا نے۔" افسر سنڈرم کے پیچھے [illegible]

[illegible] کتنی دیر تک شفا کا لال بھبوکا چہرہ یاد کر کے [illegible] بعد میں طارق اور سہیلی کو اتنے اچھے نام [illegible] سے خبر [illegible] ہو جانے پر افسوس ہوا۔ شفا جناب [illegible] چلنے والے انجن کی طرح دھواں اڑاتی سیڑھیاں [illegible] گئی۔

"کیا ہوا؟" ساجدہ نے معصوم بن کر اس سے پوچھا۔

"میں اس کاٹھ کے الو سے ہرگز شادی نہیں کر سکتی۔" اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔ "میں ممی اور ڈیڈی سے صاف منع کر دوں گی۔"

"تم میں اتنی ہمت ہے؟" جبین نے اسے جوش دلایا۔ وہ مینا کے ساتھ ابھی ابھی پہنچی تھی۔

"ہاں ہے۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

"بس رہنے دیں۔ ابھی سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا جب خالہ اور خالو جان کے سامنے جائیں گی۔" مینا کو اس سے اتنی بے باکی کی توقع نہیں تھی۔

"یہ بات ہے تو ابھی دیکھ لو۔" شفا کو غصہ آگیا اور وہ اپنے ڈیڈی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ کیا کیا تم دونوں نے! اب وہ انکار کر دے گی۔" ساجدہ نے دونوں کو گھورا اور شفا کے پیچھے دوڑی لیکن اس کے ہاتھ آنے سے پہلے ہی وہ کمرے میں گھس چکی تھی۔

"اب کیا ہوگا! اسد بھائی تو مجھے قتل کر دیں گے۔" جبین نے تصور میں اسد کو اپنے گلے پر چھری پھیرتے دیکھا۔

"[illegible] بھائی میرا قیمہ بنا کر چیل کوؤں کو کھلائیں گے۔" مینا نے جھرجھری لی۔

"[illegible] ہمارے لیے کوئی خوفناک سی عرفیت ایجاد کریں گے اور پھر ہم اسی نام سے مشہور ہو جائیں گے۔" ساجدہ نے بھی خیال آرائی کی۔

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی تو یہ سوچیں کہ جب بڑوں پر ہماری شرارت کا پول کھلے گا تو ہماری کتنی عزت افزائی ہوگی۔" مینا نے باقاعدہ آنسو بہانا شروع کر دیا۔

"لڑکے تو صاف بچ جائیں گے اور پھنسے گی ہماری [illegible] جان۔" جبین نے اپنی نازک سی گردن کو حسرت سے دیکھا۔

"[illegible] کا کیا دھرا ہے۔ انہی کا دماغ [illegible] سوچا تھا۔" مینا نے

غصے سے کہا۔

"کب کتنی ڈانٹ پڑے گی!"

"چلو لڑکوں کو بتا دیں تاکہ وہ پٹنے کے لیے تیار رہیں۔" جبین نے کہا۔ وہ افسر کی طرف آ گئیں۔ جملہ فسادوں کی جڑ (افسر) اپنی تمام شاخوں (یعنی تمام لڑکوں) کے ساتھ موجود تھا۔

"بھلا آپ لوگ خوش گپیوں میں مصروف ہیں اور وہاں آپ کی نل خوانی کا انتظام ہو رہا ہے۔" جبین نے جاتے ہی اعلان کیا۔

"نکل خوانی ہو ہمارے دشمنوں کی۔" افسر نے اسے گھورا۔

"شفا باجی نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ ایک جاہل سے شادی نہیں کریں گی۔" مینا نے یہ مدح فرسا خبر سب کو سنائی۔

"کیا؟" اسد دل تھام کر رہ گیا۔

"اب بڑوں کو ہماری شرارت کا علم ہو جائے گا۔ پھر ہم ہوں گے اور ہمارے ابووں کا ڈنڈا ہو گا' امیوں کی جوتیاں ہوں گی اور ہمارے سر۔" جبین کی بات پر سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"اف شوبی بھائی! اب کیا ہو گا!" شوبی روہانسا ہو گیا۔

"ہو رہے گا جو ہونا ہے۔ تم گھبراتے کیوں ہو!" شوبی نے اس کی سنجیدہ بات کا نہایت غیر سنجیدہ جواب دیا۔

"خیر ہمارا تو کچھ نہیں ہو گا۔ میں اور بلال تو آپ لوگوں کے ساتھ شامل ہی نہیں تھے۔ ہم صاف مکر جائیں گے۔"

"ویسے بھی ہم بچے ہیں۔ بڑوں کی بہکاوے میں آ گئے تھے۔" بلال نے بھی زور کی تائید کی۔

"ایک جھانپڑ دوں گا اگر زیادہ تڑ تڑ کی تو۔" شوبی کو غصہ آ گیا۔ "ہم پٹیں گے تو تم کو بھی پٹنا ہو گا۔"

"سب شامل تھے اس شرارت میں اس لیے باجماعت مار کھائیں گے۔" طارق نے فیصلہ دیا۔

"کس گدھے نے یہ منحوس تجویز پیش کی تھی؟" اسد کا صدمے کے مارے برا حال ہو رہا تھا سب کی نظریں بیک وقت گدھے (افسر) کی طرف اٹھ گئیں۔

"میری طرف کیا دیکھ رہے ہو!" وہ چڑ گیا۔

"سارا قصور ان لڑکیوں کا ہے۔ یہ شفا کو روک نہیں سکتی تھیں۔ ایسے تو بڑا دعویٰ کرتی ہیں موڈل کے شانہ بشانہ چلنے کا۔"

"اچھا اور خود تو جیسے بڑے معصوم ہیں' فرشتے ہیں۔" جبین غصے سے چیخی۔

"ارے یہ تم لوگ کن فضولیات میں پڑ گئے! سوچو میرا کیا بنے گا!" اسد نے دہائی دی۔

"شفا سے شادی نہ ہوئی تو میں جان دے دوں گا۔"

"یار! لعنت بھیجو اپنی شادی پر۔" شوبی پٹنے والی متوقع سزا کے خیال سے پریشان ہو رہا تھا۔

"کیوں لعنت بھیجوں میں؟ میری شادی کیا کوئی بے اہمیت بات ہے؟" اس کی گردن دبوچ لی۔

"تمہاری شادی کا کوئی خطرہ نہیں ہے سمجھے!" شوبی نے بمشکل اپنی گردن اس کے ہاتھوں سے آزاد کرائی۔ "شفا نے ہمارے سب ہی جاہلوں کی وجہ سے انکار کیا ہے نا! تو جب اسے معلوم ہو گا کہ یہ سب ایک مذاق تھا پھر معاملہ سیٹ ہو جائے گا۔ مسئلہ صرف ہماری عزت افزائی کا ہے جو بڑوں سے شفا کو پریشان کرنے کے جرم میں کی جانے گی۔"

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس مذاق سے انکل اور آنٹی یہ نتیجہ اخذ کر لیں کہ میں ایک غیر سنجیدہ اور غیر ذمے دار بندہ ہوں۔ لہٰذا وہ مجھے اپنی بیٹی کے لیے ناموزوں سمجھتے ہوئے نامنظور کر دیں۔ یہ بات بڑوں تک ہرگز نہیں پہنچنی چاہیے تھی۔" اسد کی دلیل میں وزن تھا۔

"واقعی! اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا۔" افسر سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ معاملہ زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گیا ہے۔ "فکر کے ساتھ ساتھ سب کی صورت پر بھی بارہ بج رہے تھے۔

"اس وقت بہت رات ہو گئی ہے۔ ہم چپکے سے جا کر سو جائیں گے۔ اب کل ہی ہماری کلاس لی جائے

کی وہ بھی ٹھیک ٹھاک۔ قسم کی۔" شوبی گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ سحری کا وقت خیر و عافیت کے ساتھ گزر گیا۔

"شاید ابھی ابو جلال کو بتایا نہیں گیا ہے۔ انکل اور آنٹی ابھی خود اس معاملے پر غور کر رہے ہوں گے۔" شوبی نے اندازہ لگایا۔

"شام تک کھنچائی ہو گی۔" یہ طارق کا خیال تھا۔ آج تو ویسے بھی افطار پر سب کو اکٹھا ہونا تھا۔ شاید آخری روزہ ہو یہ ان کے ہاں کا دستور تھا۔ آخری روزے تینوں گھرانے مل کر افطار کرتے تھے۔ سارا دن خاموشی سے گزر گیا۔

"مجھے تو یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ لگتی ہے۔" ساجد نے شوبی کے کان میں گھس کر سرگوشی کی۔

"اور سب سے زیادہ ڈانٹ مجھے پڑے گی۔ سب سے پہلے دنیا میں آنے کا جرم جو سرزد ہو گیا ہے مجھ سے۔" [illegible] سرگوشی کی۔

"ہو بھی [illegible] ایسے تیر ماریں گے [illegible] نظروں [illegible]"

"اور بھی تو ای سے [illegible] کی مار [illegible] لفظوں کی مار پڑے گی [illegible] تی ہے۔" مینا نے بھی اظہار [illegible]

"تم لوگ [illegible] سرگوشیوں میں لگے ہو [illegible] تیاری شروع کرو۔ زیادہ وقت [illegible] نے قریب سے گزرتے ہوئے [illegible] خاموشی سے [illegible] میں چلی گئی۔

[illegible] شفا اور [illegible] انہوں نے [illegible] [illegible] کے بعد وہ شفا کو بتانے [illegible] عید کا چاند دیکھ سکیں۔

[illegible] رات ہونے کے بعد اس [illegible] [illegible] ہے۔" افسر نے [illegible] [illegible] مطالب [illegible]

اپنی شرارت سے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ لہٰذا ہم شفا اور اس کے ممی ڈیڈی سے معذرت کریں گے اور سر جھکا کر بڑوں کی ڈانٹ سن لیں گے۔ بات ختم۔" اس کی تقریر جاندار تھی۔ سب کے چہرے کھل اٹھے۔ پریشانی دور ہوتے ہی سب کو یاد آیا کہ آج متوقع چاند رات ہے۔ آسمان پر چاند کی تلاش شروع ہو گئی۔

"یہ رہا چاند۔" اچانک بلال چلایا۔ سب کی نظر آسمان کی طرف اٹھی۔

"کہاں ہے؟"

"آسمان کی طرف نہیں۔ میری طرف دیکھیں۔" وہ ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

"یہ چاند ہے!" افسر نے اسے گھورا۔ "یہ چاند کے نام پر دھبا (دھب) ہے۔" بلال کا منہ بن گیا۔

"سب اللہ نے بنائے ہیں۔"

"قدر کیسے ہو بیٹا! پھول کی قدر تو صرف مالی کر سکتا ہے اور یہاں مالی کوئی نہیں ہے۔" شوبی نے جھک کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"دیکھو تو اس کی شکل کتنی ملتی ہے پھول گوبھی سے۔" جھک کر بلال نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"چھوٹوں کے ساتھ غلط بیانی کرتے ہوئے شرم کو آنی چاہیے۔" آصف نے اسے دیکھا ہوا وہ [illegible] کے پاس کھڑا ہو گیا۔ [illegible]

[illegible] آ گیا عید کا چاند۔" [illegible] لگایا۔

آسمان کے مغربی کنارے پر [illegible] لکیر کی طرح وہ [illegible] والی نگاہ سے کہہ رہا تھا۔ مجھے دیکھو کہ میں قدرت کا ایک [illegible] ہوں [illegible] ہوں جو خالق کائنات کی [illegible] کی شمع روشن کرتا [illegible] کی موجودگی کا احساس دلاتا [illegible] [illegible] رزق [illegible] [illegible] انہوں نے [illegible] [illegible] چاند کے [illegible]

جب جب یہ چاند کھلے میں اب اپنے پیاروں کے ساتھ دیکھوں، شفا کی ہمراہی میں۔" اسد کے ہونٹوں پر یکی دعا آکر ٹھہر گئی تھی۔ سب عید مبارک عید مبارک کا شور مچا رہے تھے۔

"تم کیا بیمار بکرے کی طرح منہ لٹکائے کھڑے ہو!" شولی نے اسے ٹہوکا دیا۔

"دیکھو، عید کا چاند کتنا لگ رہا ہے!"

"میں کیا دیکھوں! میرا چاند تو بادل میں چھپ گیا ہے۔" اس کے سنجیدگی سے کہنے کے باوجود سب کو ہنسی آگئی۔

"تم فکر نہ کرو۔ ہم کھود کر باہر نکال لیں گے۔" انسر نے اسے تسلی دی۔

"میں لے کر آئی ہوں۔ ہلال کے چاند کو۔" جبین نے سیڑھیوں کا رخ کیا۔

"سامعہ، مینا!" شفا کو آواز دیتی ہوئی لو مڑی آرہی تھی۔

"لیجیے چاند کیسے ڈھلکے سے بڑھا خود چلا آرہا ہے۔" وہ رک کر شرارت سے اسد کو دیکھنے لگی۔

"تم لوگ بغیر بتائے ہی چاند دیکھنے یہاں چلے آئے مجھے اکیلا۔" وہ انہیں شکوہ کناں نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ اسد پر نظر پڑنے ہی ٹھٹک کر رک گئی۔ سیاہ جینز کی پینٹ پر سرخ شرٹ پہنے وہ خاصا باوقار اور سوبر نظر آرہا تھا۔ شفا کی آنکھیں کانوں تک پھیل گئیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اسے یوں اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اسد سر کھجانے لگا۔

"شفا جی! مانا کہ اسد بہت حسین ہے لیکن یہاں ہم بھی موجود ہیں۔" طارق کے ٹوکنے پر وہ جھینپ گئی۔

"اسد اتنا جو اور جیسا نظر آرہا ہے وہی ہے۔ پچھلا گیٹ اپ تو تمہیں ستانے کے لیے تھا۔" شولی نے اعتراف جرم کیا۔

"ہم تمہیں یہ سب بتانے ہی والے تھے، تم نے خود ہی انکار کر دیا۔ اب سب کو ڈانٹ پڑے گی۔"

جبین نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"انکار! میں نے تو انکار نہیں کیا۔" وہ گڑبڑا گئی۔ شفا کے انکشاف پر وہ اچھل پڑے (خوشی کے مارے)

"تم جو غصے میں انکار کرنے گئی تھی ہمارے سامنے!" سامعہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں گئی تو تھی۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"لیکن ممی اور ڈیڈی کے سامنے جا کر خیال آیا وہ اس منگنی سے کتنے مطمئن ہیں۔ میرے انکار کرنے سے ان کا دل ٹوٹ جائے گا کہ ان کی بیٹی نے ان کی خوشیوں کا پاس نہیں رکھا۔ میں اپنی خوشی کے لیے ان کو دکھ دینے جا رہی تھی۔ بس پھر میں نے کچھ نہیں کہا۔ سر درد کا بہانہ کر کے گئی تھی کچھ دیر مالش کروائی اور واپس آگئی۔" اس نے سادگی سے بتایا شکر ہے یہ باتیں بھابیوں تک نہیں پہنچی تھی۔

"شفا! آپ نے سامنے اسد بھائی احمق اعظم کے طور پر پیش ہوتے رہے اس کے باوجود آپ شادی کے لیے تیار ہو گئیں!" مینا کو برطانیہ پلٹ لڑکی سے ایسی قربانی کی امید نہیں تھی بلکہ شاید کسی کو بھی نہیں تھی۔

"میں نے برطانیہ میں ضرور پرورش پائی ہے لیکن میری رگوں میں مشرق کا پاکیزہ اور مقدس خون گردش کر رہا ہے۔" وہ سر جھکائے دھیرے دھیرے کہنے لگی۔

"میں یہ بات کیسے فراموش کر سکتی تھی کہ مشرق کی گود میں پلنے والی لڑکیاں اپنے والدین اور بزرگوں کے ہر فیصلے پر خوشی سے سر جھکا دیتی ہیں۔ ہم سفر میں ہزار خامیاں ہوں تب بھی کوئی نہ کوئی خوبی تلاش کر کے اسی کے سہارے زندگی کا سفر تمام کر دیتی ہیں۔ محبت کی ایک نظر کے لیے ساری زندگی تیاگ دیتی ہیں۔ خود مٹ جاتی ہیں لیکن وفا کے آنچل کو داغدار نہیں ہونے دیتیں۔ میرا خمیر بھی تو اسی مٹی سے اٹھا ہے نا!" رچے سروں میں اپنے پاکیزہ اور انمول جذبات کا اظہار کرتی وہ سب کے دل میں اتر گئی۔

"ان دو سرے لفظوں میں تم نے خود کو اس سرکش کے مسکرانے کے ساتھ گزارا کرنے کے لیے تیار کرلیا تھا۔ یعنی دل نا قابل ہو گیا!" قمر جھک کر بولا۔

"میں سوچ رہی تھی کہ ان کی عادتیں بدلنے کی کوشش کروں گی۔" وہ جھک کر بولی۔

"[illegible] ابھی سے بیزار ہوئے ہیں۔" سب [illegible] تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

"[illegible] میں جاؤں اب۔" اس نے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"[illegible] عید کا چاند تو دیکھتی چلو۔" قمر نے ایک [illegible] بازو پکڑا اور کھینچ کر اسد کے سامنے کرتے [illegible] بولا۔

"[illegible] عید مبارک۔" شفا اس کے انداز پر خجل ہو گئی۔ اسد کی شوخ نگاہیں اس کے چہرے کا طواف [illegible]

"[illegible] کی طرف سے عید کی مبارک [illegible] ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا جھکا۔

[illegible] کوئی اعتراض نہیں [illegible]

"[illegible] خواب میں [illegible] ابھی اس [illegible]

[illegible] اس [illegible] خواب

[illegible] میں چہرہ اور شاید لفظوں [illegible]

[illegible] اس نے سر اٹھا کر [illegible] کی [illegible]

[illegible] چاند انہیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور [illegible]

[illegible] چہرہ اس چاند سے زیادہ روشن [illegible]

[illegible] جواب [illegible] شفا کے چہرے [illegible]

[illegible] لبوں پر کھیلتی شرمگیں [illegible]

[illegible] کے گالوں پر [illegible]

[illegible] اسد کو یہ احساس [illegible] راہوں

[illegible] سفر میں وہ تنہا [illegible]

[illegible] کے ساتھ ہے اپنی تمام تر [illegible]

اے روپ نگر کے شہزادے!
اور روپ نگر کے شہزادے!
بات میری سنتا جا رے سنا!
کہنا کیا ہے
ابرو کا اشارہ
ہونٹوں پر تیرے
مسکان ہے کیسی
سرد فضا میں
سورج کی کرنوں جیسی
چالیں میں نرمی
سی کیفیت ہے
دنیا جیسے قدموں میں پڑی ہے
[illegible] ایسا
[illegible] کیوں ہے
دور آکاش پر جیسے
تنہا تیکھا چاند کھڑا ہے
دل تیرا ہے گر
[illegible] جیسا
[illegible] پیار میرا اچھا ہے
ہونٹوں سے کچھ کہتا نہیں ہے
آنکھوں سے
[illegible] رہنا نہیں ہے
[illegible] نیچے نینوں والے!
ضدی ضدی بھولے والے!
بس اتنا سمجھ لے!
[illegible] کی یہ بیتابی ہے
وہ جب [illegible]
[illegible] کر دے

سیما فاروق سحر

افسانہ

چاند رات کی چاندنی

''اب سمجھ آیا ہمیں یہ فلاں کے گھر سحری اور افطاریاں روز کیوں پابندی سے بھجوائی جارہی ہیں، اصل مقصد تو تمہارا اس لڑکے کو پھنسانا تھا۔'' بڑی آپا کے الفاظ تھے یا کسی خنجر کی تیز دھار جو دل میں گہری ضرب لگاتے چلے گئے۔ ملائکہ آبدیدہ ہو جاتی تھیں۔ وہ پہلی مرتبہ تو کوئی تنی نہیں تھی۔ جس کو گھر کی چوکھٹ سے



چونکہ ملی ہو جس اماں کی دادی کی طرح سی شفقت میں پلی بڑھی ہو اس کے تحت یہ الزامات زمین میں زندہ دفن کر دینے کے مترادف تھے۔ بڑی آپا اپنا غصہ کتنی ہی دیر زہریلے الفاظوں کے ذریعے نکالتی رہیں۔ باقی تین بڑی بہنوں نے بھی خوب تماشا دیکھا۔ آپا تو جانے کتنی دیر اس پر تنجر کی گہری ضرب لگاتی رہتیں۔ اگر بیچ میں ابا نہ آجاتے، ابا نے غصے اور نفرت سے آپا کو دیکھا تھا اور سخت لہجے میں بولے۔

"اس پر الزام لگانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکو کہ تم لوگ کتنے سیدھے راستے پر ہو۔ فرض کی ادائیگی تک کا تو کبھی خیال نہ آیا۔ خدا کے آگے سجدہ کیے ہوئے تم لوگوں کو مہینے گزر جاتے ہیں اوپر سے کسی پر الزام لگاتے ہوئے خوف بھی محسوس نہیں ہوتا اور پھر سوچتی ہو تم لوگوں پر نعمتیں برسیں، ارے تم لوگوں کو تو سبق حاصل کر کے خدا سے بہتری کی دعائیں مانگنی چاہیے۔ بجائے اس کے کہ حسد کرو، تم لوگ جیسے جینا چاہتی ہو جیو لیکن آج کے بعد اگر تم لوگوں میں سے کسی نے بھی نازو پر الزام لگایا تو پھر مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" وہ سخت کھور لہجے میں بولتے ہوئے اور تنبیہہ نگاہ ڈالتے ہوئے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد وہ بھی



تیزی کی تیزی سے سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ سب اپنی جگہ ساکت سی کھڑی رہ گئیں۔

☆......☆

نماز کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ایک پل کے لیے سمجھ ہی نہ آیا کیا مانگے کس کے لیے مانگے ان کے لیے جن کی نفرت شاید کبھی ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ ہمیشہ بس یہی تو خواہش کی تھی گھر میں اتفاق اور محبت قائم ہو لیکن جس طرح بڑی آپا نے تذلیل کی تھی اس کے بعد تو وہ ان سے آنکھ ملانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ آج پھوٹ پھوٹ کر رونے کا دل چاہ رہا تھا۔ خود پر ضبط کیے ہوئے آنسو بہہ نکلے تھے۔ گہرے دکھ، تاسف اور افسوس کے ساتھ۔ ہاں ایک حقیقت یہ بھی تھی کہ وہ اپنی چاروں بڑی بہنوں جیسی بالکل نہ تھی۔ وہ چاروں جتنی زیادہ زندگی کے رنگوں میں رنگی ہوئی تھیں، وہ اتنا ہی ان سب سے دور تھی۔ اس کی تربیت میں دادی کا عکس نمایاں تھا۔ سب میں چھوٹی ہونے کے ناتے وہ دادی کے زیادہ قریب تھی۔ پھر انہوں نے اسے اپنے طرز سے پالا مذہب، ثقافت، روایات، تمیز و تہذیب...... ہر چیز سے روشناس کروایا۔ دادی اس میں اپنا آپ ڈال گئیں اور ایسی جگہ پر رہ گئی جہاں ان چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ ان کا گھرانہ بھی معاشرے کے ان گھرانوں کی فہرست میں شامل تھا جو اپنی روایتوں اور مذہب کی اہمیت کو بھلا بیٹھے تھے اور اس میں بہنوں کا بھی زیادہ قصور نہ تھا۔ ماں نے جو تربیت کی بیٹیوں نے بھی وہی طرز اپنایا اور زیادہ افسوس تو ابا پر ہوتا تھا کہ انہوں نے بھی کبھی کوئی روک ٹوک ہی نہ کی۔ اس کی بہنیں تربیت کی اس تخلیق کے مراحل سے نکل چکی تھیں، جس میں کسی گیلی مٹی کے برتن کو اپنی مرضی سے کسی بھی طرز کا بنا لیا جائے لیکن اب وہ برتن سوکھ کر پتھر بن چکا تھا۔ جس کے ساتھ کھینچا تانی کا مطلب ٹکڑے ٹکڑے ہونا تھا۔ آج ابا بولے تو لیکن تب جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا۔ اسی لیے بڑی آپا نے الزام بھی آسانی سے لگا دیا۔ جو سراسر غلط تھا۔ اماں اور دادی میں اسے کبھی کوئی فرق سمجھ ہی نہ آیا تھا۔ اماں اپنی اولادوں کی بے اعتنائی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ ان کے پڑوس میں آبسی تھیں۔ دادی سے ان کا سگی بہنوں سے بھی زیادہ پیار تھا۔ پھر اماں کے شوہر کے گزر جانے کے بعد دادی نے ان کا اور بھی خیال رکھا تھا۔ اماں کی اولادیں تو بس فقط خیریت ہی دریافت کر پاتیں اور وہ بھی تن تنہا اپنے نماز روزے میں مگن خود کو پرسکون محسوس کرتی تھیں۔

دادی شروع ہی سے انہیں رمضان کیا عام دنوں میں بھی کھانا بھجواتیں، اماں کا حصہ پہلے نکلتا بعد میں دستر خوان لگتا۔ وہی عادت دادی کے گزر جانے کے بعد اس نے بھی اپنائے رکھی اور کبھی کسی کو اعتراض بھی نہ ہوا۔ کیونکہ یہ کام بھی معمول کی طرح ہی انجام دیا جاتا۔ لیکن بہنوں کو اب اعتراض ہونے لگا تھا۔ وہ نہیں سہہ پا رہی تھیں کہ ان کے جوان جہان بیٹے ہوتے ہوئے اس کا شاندار رشتہ آیا اور ماں باپ نے قبول بھی کر لیا حالانکہ اس صورت حال میں اس کی قطعی کوشش نہ تھی۔

سکندر مرزا جیسا شخص کسی بھی لڑکی کا خواب بن سکتا تھا۔ لیکن اس نے کوئی خواب نہیں بنا تھا۔ بلکہ سکندر مرزا نے اسے اپنے خواب کی تعبیر بتلایا تھا۔ فقط اتفاقیہ ملاقات کو ایک جھلک کے تحت اس کی زیرک نگاہوں نے ایک لمحہ میں اس کی سادگی اور معصومیت بھانپ لی تھی۔ وہ بڑے لاڈ سے اماں کی گود میں سر رکھے باتیں کر رہی تھی کہ اچانک اس کی آمد ہوئی تھی اور وہ یکدم بوکھلا کر سیدھی ہو بیٹھی۔ نیوی کے وائٹ یونیفارم میں ملبوس ایک شاندار پرسنالٹی کا مالک تھا وہ شخص اسے دیکھ کر یہی لگا تھا کہ وہ اپنی جاب سے سیدھا ہی یہاں آیا ہو۔ جبھی آمد بھی اچانک ہوئی۔ اماں کے وہ بھی خاندان والوں کو جانتی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ کبھی ملنا بھی نہ ہوا کسی سے، اماں کے اس پوتے کو بھی پہلی بار اس گھر میں

دیکھا تھا۔ انجان لوگوں سے ویسے ہی وہ ملنے سے کتراتی تھی لیکن یہاں مجبوری اماں کی رشتے داری کی تھی اور پھر بڑی مشکل سے وہ سلام کرتی تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔ اس بات سے بے خبر کہ پیچھے سے کسی نے اسے بہت گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

☆......☆

اگلے دن اماں اسے اپنی روداد سنا رہی تھیں، ساتھ ہی چہرے پر اداسی کے آثار بھی نمایاں تھے۔ ان کا پوتا کافی عرصے سے ان سے ناراض تھا۔ اپنے دادا دادی کے لاڈلے ہونے کی بنا پر اتنا قریب بھی تھا لیکن بچپن میں ہی اس نے جدائی بھی برداشت کی وہ انہیں واپس آنے کا کہتا اور بوڑھے میاں بیوی بے بسی سے کوئی جواب نہ دیتے پھر جب شعور کی منزلیں طے کرنے لگا تو دادا دادی کی بے بسی بھی سمجھ آنے لگی۔ پھر ایک دن بڑی معصومیت سے کہا۔ ''اب آپ لوگوں کو اس دن لینے آؤں گا جب میرا اپنا گھر ہوگا۔'' بچپن کی کہی معصوم سی بات کو اس نے پورا کیا اور آج انہیں لینے آیا لیکن دکھ یہ تھا اس کے دوستوں جیسے دادا زندہ نہ تھے اور وہ دادی کو مزید تنہائی میں جھونکنا نہیں چاہتا تھا۔

''تو چلی جائیں آپ جب وہ آپ جیسا پیار کرتا ہے تو مان لیں اس کی بات۔'' ان کے گھٹنوں کے پاس بیٹھی اس نے متانت بھرے لہجے میں کہا۔ بات اکلوتی کزن سے دور ہو جانے کا دکھ شاید مشکل سے برداشت ہو رہا تھا۔

''چلی تو میں جاؤں گی بیٹی۔ لیکن اب اس گھر اور یہاں کی یادوں سے الگ ہونے کا دل نہیں چاہتا۔'' وہ نحیف سے لہجے میں بولیں۔

''تو اس سے کہیں وہ آپ کے ساتھ رہنے آ جائے'' اپنے طور پر اس نے مشورہ دیا آگے سے اس کی بات سن کر پوتے کی بات کا خیال آیا تھا جو لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا۔

''مجھے کہتا ہے گھر میں نے بنالیا ہے جس میں آپ میرے ساتھ رہیں گی اور باقی کی کمی آپ کی پیاری سی بہو آ کر پوری کر دے گی، بے شرم۔'' وہ اسے ہنستے ہنستے بتا رہی تھیں۔ آگے سے وہ کچھ بول ہی نہ پائی۔ واقعی بے شرمی اور بے باکی ہی تھی اسے دادی کے سامنے اس قدر دل کھول کر فیوچر پلاننگ بتائی جاتی رہی تھی۔

پھر اگلے کچھ روز بعد اماں کے کہے اس جملے کا مفہوم بھی بخوبی سمجھ آ گیا۔ اماں اپنی بہو کے ساتھ بڑے چاؤ سے اپنے لاڈلے پوتے کا رشتہ اس کے لیے مانگنے آئی تھیں۔ اماں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا جب کہ خود وہ حیران پریشان رہ گئی تھی۔ تصور میں معاً اس شخص کا سراپا نمودار ہوا تھا۔ یقیناً وہ کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل بننے کے قابل تھا لیکن یہاں معاملہ کچھ سنگینی اختیار کر گیا تھا۔ ابھی چاروں بڑی بہنیں کنواری بیٹھی تھیں جن میں بظاہر کوئی کمی نہ تھی لیکن پھر بھی بات نہ بن پاتی، نہ جانے کیا مصلحت تھی ایسے میں پہلے چھوٹی کی شادی ہو جانا بہنوں کے لیے ناقابل قبول تھا۔ گھر میں اس بات کو لے کر تناؤ بڑھ گیا تھا۔ بہنوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا ان سے پہلے ہرگز اس کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ جب کہ امی ابا کی یہی رائے تھی۔ اس رشتے کو منظوری دے دی جائے ایسا رشتہ شاید انہیں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا۔ بڑی آپا نے امی کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا آخر کو ان کا ناتا کا جوڑ جڑتا۔ ہمیشہ کا ساتھ دینے والی ماں اس بار ایسا نہ کر پائیں وہ خود بھی بیٹیوں کی بڑھتی ہوئی عمر سے پریشان تھیں۔ ایسے میں اس شاندار رشتے کو کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ نازو سے ان کی بڑی آپا جیسی بے شک قرابت نہ تھی لیکن تھی تو وہ بھی باقیوں کی طرح ان کے دل و جان کا ٹکڑا اس کا حق مارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ بڑی بہنوں کو ماں سے یہ توقع نہیں تھی۔ آخر کو ان کے پاس غصہ کرنے کے سوا کچھ نہ بچا پھر ابا کی طرف سے اس کی رضامندی پوچھی گئی

وہ جو پہلے بھی گھر کے ماحول سے خوف زدہ تھی کہ کچھ بول ہی نہ پائی یہ بات الگ تھی کہ۔

اس شخص کا خیال کسی خوب صورت احساس کی مانند محسوس ہوتا لیکن اپنی رضامندی دے کر خود غرض نہیں بننا چاہتی تھی۔ بہنوں کا بھی احساس تھا۔ ہار کر اس نے ابا سے سب صاف کہہ دیا۔

''بیٹا! بہنوں کے لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ابھی زندہ ہیں اور اپنی اولادوں کے لیے بہتر ہی سوچیں گے۔ بیٹا اللہ نے جس کا جو وقت مقرر کیا ہے تب ہی سے لے گا اگر میں سچ کہوں تو تمہاری امی اور میں دل سے اس رشتے کو پسند کرتے ہیں۔ تم اماں کی زیر شفقت میں رہو گی۔ میرے لیے اس سے زیادہ سکون بخش بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔'' وہ متانت سے بولے۔ ان کی آنکھوں میں جھلکتی بیٹیوں کی فکر مندی نے جیسے اس کے لب ہی سی دیے۔

اور آخر رشتے کو ہاں کر دیا گیا۔ جس کا نتیجہ آج کی یہ تلخ کلامی نکلی تھی جس پر گھنٹوں اس نے آنسو بہائے تھے۔ آج وہ خالی الدماغ کتنی ہی دیر دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے بیٹھی رہی۔ یوں لگتا تھا جیسے ساری خواہشیں ساری امنگیں ختم ہو گئی ہوں۔

☆......☆

آج آخری روزہ تھا اور ہر سال کی طرح دل آج بھی ملول تھا۔ آج بھی اکیلے ہی سحری کرنا تھی کیوں کہ اس کے اور ابا کے علاوہ کبھی اس گھر میں کوئی روزہ تو رکھتا نہ تھا اور ابا بھی کبھی کبھار ہی سحری کرتے تھے۔ زیادہ تر دو بجے پی کر روزہ رکھ لیتے، اس کے بعد کچن کے ڈائننگ پر وہ بے دلی سے نوالے توڑ رہی ہوتی تھی۔ اس لمحے دادی کی شدت سے یاد آتی وہ اس کے من پسند قیمہ پراٹھے بناتی تھیں اور دونوں ہی بڑے چاؤ سے کھاتیں اماں کے پاس جانے کا بھی کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ بھی صرف درود وظیفوں اور عبادت میں مشغول ہو جاتیں۔ ایسے میں وہ انہیں پریشان کرنا نہ چاہتی۔

یہ بات تو اب عام ہو گئی تھی ہر سال ہی ایسا ہوتا تھا لیکن اب کی بار رنجشوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ جائے نماز لپیٹے سوچتی چلی گئی تھی پھر کچن کا رخ کیا۔ کچن میں داخل ہوتے ہی جو سامنے منظر نظر آ رہا تھا وہ یقیناً ناقابل یقین تھا۔ ساری بہنیں تندہی سے سحری بنانے میں لگی ہوئی تھیں۔ جو کسی حیرت سے کم بات نہ تھی۔

''ارے آ گئی نازو! دیکھو میں تمہاری پسند کا پراٹھا بنا رہی ہوں۔'' بڑی آپا نے خوشگوار اپنائیت سے بھرپور لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کو تھیں یہ منظر کسی معجزے سے کم نہ تھا۔

''کیا ہوا اتنی حیرت سے کیوں دیکھ رہی ہو۔'' وہ سب دبی دبی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

''نہیں وہ میں......'' وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

''میں جانتی ہوں تمہاری حیرت کا مطلب جو حق بجانب ہے۔'' بڑی آپا نے پیار سے اس کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔ آپا کا یہ انداز کس قدر اچھا لگ رہا تھا وہ شاید لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی تھی۔

''آئی ایم سوری نازو! میں نے تمہیں بہت تکلیف پہنچائی ہے ناں۔'' وہ محبت سے چور لہجے میں بولیں۔

''نہیں آپا! ایسا مت کہیں آپ بھی اپنی جگہ کسی حد تک صحیح تھیں۔'' وہ فوراً بولی۔

''نہیں نازو! ہم صحیح نہیں تھے ہم صحیح تو شاید کبھی بھی نہ تھے، زندگی میں کوئی بھی فرض درست طریقے سے ادا نہ کیا، پھر خود تو کبھی کوئی نیکی کی نہیں اور تمہاری نیکیوں پر کیچڑ اچھال دیا یقیناً ہم جیسوں سے ہی اللہ ناراض ہوتا ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولیں۔ شاید احتساب کا مرحلہ انہوں نے پار کر لیا تھا۔

''نہیں آپا! آپ ایسا مت سوچیں آپ اچھی ہیں بہت اچھی۔'' وہ ان کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے ہوئے بولی۔

''نازو! دعائیں نصیب کھولتی ہیں اس بات کا یقین ہو گیا ہے مجھے اور جانتی ہو تمہیں اس بوڑھی

عورت کی دعائیں لگی ہیں۔ جس کا کوئی نہ تھا، اس کی بے بسی میں تم ان کی ساتھی بنیں اور دیکھو اللہ نے تمہیں ان کے توسط سے ہی نوازا۔ ایسے میں ہم انگلی اٹھانے والے کون ہوتے ہیں۔ اللہ کے کاموں میں خلل ڈالنے والا یقیناً عذاب کا شکار ہوتا ہے مجھے اس بات کا اعتراف ہو گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں صرف پشیمانی تھی، کچھ دیر سے ہی صحیح پر انہیں اعتراف ہو گیا تھا اور اس سے بڑی خوشی کی بات اس کے لیے کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔

"جب آپ کو یہ اعتراف ہے تو آپ کو اس بات پر بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ ہی ہے جو ہماری خواہشات کو پورا کرتا ہے۔ آپا وہ آپ کے نصیب بھی اچھے کرے گا۔" وہ یقین سے بولی اور وہ اثبات میں گردن ہلا گئیں۔ ایک پختہ یقین کے ساتھ۔

"چلو بھئی اب یوں ہی ایک دوسرے سے فلسفے بھگارتی رہو گی سحری بھی بنانی ہے وقت نکل گیا تو بنا سحری کے روزہ رکھنا پڑے گا۔" چھوٹی آپا نے ماحول کے جمود کو توڑتے ہوئے کہا تو وہ دونوں مسکرا دیں۔

سالوں بعد گھر میں ایک ساتھ سحری کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا تھا۔ ورنہ ایسا تو دادی کے ہوتے ہوئے ہی ہوتا تھا۔ ابا یہ سب دیکھ کر کھل اٹھے تھے۔ انہوں نے فوراً ہی جیب میں سے ہزار ہزار کے کڑکتے نوٹ آپا کو تھما دیے تھے۔ ان سب ہی نے حیرت سے دیکھا تھا۔

"ارے بھئی حیران مت ہوں، یہ تم سب کی عید کی تیاری کے پیسے ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولے تو وہ سب بھی خوشی سے جھوم اٹھیں۔ پچھلے گزرے تناؤ والے ماحول میں عید کی تیاری کا کسی کو خیال تک بھی نہ سوجھا تھا۔ ابا کے یاد دلانے پر احساس ہوا تھا انہوں نے ایک چوڑی تک نہ خریدی تھی لیکن اس انعام سے بڑا انعام تو وہ تھا جو اللہ نے عطا کیا تھا۔

☆......☆

وہ اماں کے گھر کے برآمدے میں دیوار سے ٹیک لگائے آسمان پر جھلملاتے ستاروں کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ رات کی سیاہی میں ان کی جھلملاہٹ کشادہ آسمان کو روشنیوں سے منور کر رہی تھی۔ یوں لگتا تھا دور دور وسعتوں تک آسمان نے نورانی چادر اوڑھ لی ہو۔ چاند رات کی چاندنی ماحول میں رقص کرتی نظر آتی تھی۔ آج برقی قمقموں سے سجے بازار روشنیوں سے جگمگاتے شہر خوشی سے جھومتے بچوں کی قلقاریاں اور مہندی چوڑیوں سے سجے بالیوں کے ہاتھ تہوار کی رونق کا احساس دلا رہے تھے۔ برکتوں والا مہینہ ایک ایک کی جھولی میں نعمتیں ڈالتا تیزی سے کب گزر گیا تھا پتہ ہی نہ چلا تھا اور ہر بار کی طرح اس کے لوٹ جانے کی اداسی نے اسے آن گھیرا تھا بھلے سے وہ ہر سال آنے کا وعدہ کرتا تھا لیکن زندگی کی ضمانت تو نہ دیتا تھا۔ نہ جانے وہ کون بدنصیب ہوتے ہیں جن کے پاس ان کی برکتیں سمیٹنے کا بھی وقت نہیں ہوتا۔ ان بدنصیبوں میں کبھی اس کا گھرانا بھی شامل تھا لیکن اس بار اسے اپنی نعمتوں سے فیض یاب کر رہا تھا۔ سالوں کی تشنگی آج پوری ہو گئی تھی جیسے بڑی آپا جو پورا رمضان لڑتی ہی رہی تھیں۔ اس بات سے قطعی انجان کہ خدا نے آج کے دن کتنی خوشیوں سے نوازا جو ہر چیز سے مایوس ہو چکی تھیں لمحہ بھر کی بدلی سوچ نے ان کی زندگی میں کتنی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔

روزہ افطار کے بعد خاندان سے آئے مہمانوں نے امی ابا کا منہ میٹھا کرواتے ہوئے بڑے چاؤ سے آپا کا رشتہ مانگا تھا۔ خاندان، لڑکا سب ہی کچھ اچھا تھا۔ پھر انکار کی بھی کوئی گنجائش نہ نکلی۔ البتہ بڑی آپا نے کچھ شرمندگی اور حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا لیکن وہ حیران نہ ہوئی تھی۔ اسے خدا پر بھروسا تھا۔ وہ مانگنے والوں کو بھی نوازتا ہے اور جو نہیں مانگتا انہیں بھی نوازتا ہے۔ وہ فوراً یہ خوشی کی خبر اماں کو سنانے کے لیے ہاتھ میں مٹھائی ڈالے دوڑی چلی آئی۔

لیکن اماں کو نوافل پڑھتے دیکھ کر وہیں کھڑی انتظار کرنے لگی۔ آسمان کی وسعتوں کو دیکھتے ہوئے سوچ کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔ خبر ہی نہ ہوئی ہوش تو تب آیا جب اپنے پیچھے کسی کی آہٹ کا احساس ہوا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا سکندر اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس کے دیکھنے پر مسکرایا تھا۔ سیاہ و سیاہ شلوار قمیص میں ملبوس اس کی مردانہ وجاہت پر کشش لگ رہی تھی۔

"خیریت یہاں اکیلے کیوں کھڑی ہو؟" وہ بولا۔

"وہ میں..... اصل میں یہ مٹھائی لائی تھی اماں کے لیے۔ لیکن وہ نوافل ادا کر رہی تھیں تو اس لیے یہیں کھڑی انتظار کر رہی تھی۔" کچھ گھبراتے ہوئے اس نے وضاحت دی اس ایک ملاقات کے بعد آج اتفاق ہوا تھا کہ وہ یوں آمنے سامنے کھڑے تنہا بات کر رہے تھے۔

"مٹھائی کیوں؟" وہ چونکا۔

"بڑی آپا کی بات طے ہوگئی ہے۔" وہ بات سے بات نکالتا ہوئے موڈ میں تھا جب کہ اس کا بات کرنا دوبھر ہو رہا تھا۔ ایک حقیقت یہ بھی تھی کہ اس میں ان لڑکیوں جیسا اعتماد نہیں تھا جو مردوں سے آنکھ ملا کر بات کر لیتی ہیں۔ دادی کے پلو سے بندھنے کی وجہ سے بھی اعتماد ہی پیدا نہ ہوا۔ سکندر اس کے گھبرائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر محظوظ ہوا تھا۔ اس نے بہت سے خوب صورت چہرے دیکھے تھے۔ لیکن ان میں حیا شاید کہیں بند نہیں تھی۔

"مجھے مٹھائی نہیں کھلاؤ گی۔" اسے مشکل میں ڈالتا ہوا محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

"ہاں کیوں نہیں لیجیے۔" اس نے بھی جان چھڑانے کے لیے جھٹ پلیٹ آگے کر دی۔ جب کہ اس کی ذومعنی بات کا قطعی بے نیازی سے اظہار کیا اس کی غیر ہوتی حالت پر ایک دبی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے ایک پیس اٹھا کر منہ میں ڈال لیا تھا۔

"بہت مبارک ہو اپنی آپا کو میری طرف سے بھی مبارک باد دینا۔"

"جی ضرور، اچھا میں اماں کو دیکھتی ہوں شاید وہ فارغ ہوگئی ہوں۔" آخر فرار کے لیے بہی صحیح لگا ورنہ اس کی موجودگی سے دھڑکنوں میں جو شور سا اٹھ رہا تھا ڈر تھا کہ کہیں اس کی خبر ہی نہ ہو جائے۔

"نازو!" پیچھے سے اس نے پکارا تو اس کے بڑھتے قدم تھم سے گئے۔

"جی۔" اس نے پلٹ کر غلافی آنکھوں کی گھنیری پلکوں کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیا تم اپنے اور میرے رشتے پر رضامند ہو؟" وہ متانت سے بولا تھا اور وہ چونکی تھی۔

"کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ویسے ہی شاید تسلی کے لیے کہ میری ہونے والی جیون ساتھی کو میرا ساتھ دل سے قبول ہے بھی کہ نہیں۔" وہ آنکھوں میں شرارت سموتے ہوئے بولا۔

"اگر آپ مجھے نہ پسند ہوتے تو شاید یہ رشتہ کبھی نہ ہوتا۔" سنجیدگی سے اس نے صاف گوئی کا اظہار کیا تھا اور پلٹ گئی تھی اور پیچھے وہ یقین کر دل سے خوش ہوا تھا۔

"اچھا سنو۔" اس نے پھر پکارا اب کے وہ مصنوعی جھنجلاہٹ ظاہر کرتے ہوئے مڑی تھی۔

"اب کیا پوچھنا ہے آپ کو؟"

"پوچھنا نہیں کہنا ہے۔" اس کی کیفیت پر اس کی آنکھوں میں شوخی کی ایک چمک ابھری تھی۔

"کیا؟" وہ چونکی تھی۔

"چاند مبارک ہو۔" وہ دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو آگے سے وہ بھی مسکرا دی۔

"آپ کو بھی۔" لبوں پر سجی خوب صورت مسکراہٹ اس کے سپرد کرتے اب کے وہ تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی اور وہ اسے تب تک جاتا دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی تھی۔ آسمان سے برستی نور کی بارش دلوں کو خوشی سے منور کرتی چلی گئی تھی۔ عید کی خوشیاں اس بار آنے والی زندگی کے کئی پر مسرت پیغام دے گئی تھیں۔

......☆......

روشنی فاطمہ

[illegible]

ستمبر کی دھوپ پورے [illegible] تھی اور موسم گرم تھا۔ مگر ٹھنڈی ہوا نے دھوپ کی [illegible] اور تمازت کو ختم کر دیا تھا۔ دوپہر کے قریباً [illegible] ہو رہے تھے۔ سب ہی اپنے کمروں میں [illegible] سونے سے پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ [illegible] اس کے کسی وجود کا حصہ بن گیا تھا۔
کتنے ہی عرصے سے وہ اس گھر میں رہ رہی [illegible] اپنے کمرے کے پورا گھر اجنبی لگتا تھا [illegible] بھائی اور ولید اگرچہ اس سے محبت کرتے تھے۔ اس کا [illegible] کرتے تھے۔ کوئی بھی تو ضرورت ایسی نہیں جو پوری [illegible]

مکمل ناول

ہو گئی ہو۔ مگر تائی جان کا رویہ اسے ہر پل اس گھر میں اجنبی ہونے [illegible] تھی اور وہ اپنے گزرے ہوئے ماضی اور حال کے درمیان موازنہ کرتی رہتی۔ بچپن میں امی اور ابو کے ہمراہ [illegible] دن اور رات گزرے تھے اس نے زندگی میں سب کچھ ہونے کے باوجود اتنی محبتیں پانے کے باوجود وہ کس قدر [illegible]
”آمنہ آپی!“ وہ اور نجانے کتنی دیر تک ماضی کے جھروکوں میں کھوئی رہتی اگر ولید کی آواز اسے [illegible] لائی۔ اس کی پکار پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔
”ندا آپی کا فون ہے۔“ اس کے پلٹنے پر اس نے اپنی آمد کی وضاحت کر دی۔ اس کے پیچھے وہ بھی چلی آئی۔
”کتنی بے مروت ہو تم آمنہ!“ دوسری جانب سے ندا کا شکوہ و شکایت نامہ شروع ہو گیا۔
”چلو تم تو با مروت ہو نا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ اس کی اس عادت کی عادی تھی۔
”آج میں تمہیں فون کرنے ہی والی تھی یا شاید تمہارے گھر ہی آ جاتی۔“ اس کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے اس نے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔
”واقعی!“ اس نے بے یقینی سے لہجے سے تصدیق چاہی۔
”تو پھر کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟“
”اچھا خیر چھوڑو یہ بتاؤ تمہارا آگے کا کیا پروگرام ہے؟ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لو گی یا نہیں؟“ اس نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔
”یونیورسٹی میں تو نہیں لیکن پرائیویٹ پڑھنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔“
”کیوں؟“ اس نے حیرت کا اظہار کیا۔ ”یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یونیورسٹی میں داخلہ نہیں لے سکتی میں۔ پھر بھی تم پوچھ رہی ہو۔“



"اوہو! بی بی تو تمہاری جمالی جان نے یہاں بھی دیوار کھڑی کر دی۔ یار! یہ آخر تمہاری تائی جان چاہتی کیا ہیں؟"

"فی الحال یہ غیبت کا موضوع کلوز کرو ورنہ تمہارا اکاؤنٹ بھی خالی ہو جائے گا اور میرا بھی۔" بات کا رخ تائی جان کی طرف ہوتا دیکھ کر اس نے اس کو مزید کچھ کہنے سے روکا۔

"تم یہ بتاؤ کہ کب آرہی ہو؟" اس نے پھر اس کو تذبذب میں ڈالا۔ ابھی وہ جواب نہ دے پائی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ تائی جان پیچھے سے گھورنے میں مصروف ہیں۔ اس نے پلٹ کر اس کی موجودگی کا یقین کیا۔ وہ ہاتھ میں توریوں سے بھرا تھال اور چہرے پر [illegible] لیے اس کے فون بند کرنے کی منتظر تھیں۔

"فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتی۔ ویسے دو تین دن تک آ جاؤں گی۔ اچھا اللہ حافظ۔" دوسری طرف سے [illegible] نہ چاہتے ہوئے فون رکھنا پڑا۔

کڑوے تیوروں سے اسے گھورتے ہوئے انہوں نے توریوں کا تھال ڈائننگ ٹیبل پر رکھا۔ وہ ان کی لال پیلی [illegible] کو بغیر کچھ کہے خاموشی کے ساتھ دیکھتی رہی۔ اسی وقت تایا ابو آگئے۔

"ارے بھئی ہماری بیٹیا کیا کر رہی ہے؟" اس کے ساتھ [illegible] نشست کرتے ہوئے انہوں نے اسے اپنے [illegible] انداز سے مخاطب کیا۔

"رات کے کھانے کی تیاری۔" ان کی مہربان صورت نے [illegible] سوال کر دیا تھا۔

"بیٹا! تم گھر کے کام کر کر کے تھکتی نہیں ہو؟" وہ محبت سے [illegible] وہ ہر وقت ہی مصروف پاتے تھے۔ آفس جانے کے ٹائم پر بھی وہ کچن میں ہوتی اور جب واپس آتے تب بھی [illegible] مصروف ہوتی تھی۔ اس نے سب عادت میں ہی [illegible]۔

"پھر بھی بیٹا! تم بالکل گھر کی ہو کر رہ گئی ہو۔ بس گھر کے کام کاج میں اور تم ہو۔ [illegible] یکسانیت تو انسان کو بالکل بور کر دیتی ہے۔ بیٹا! کبھی آیا جایا کرو یہ کام تو ہوتے رہتے ہیں۔ ویسے بھی چینج تو بڑا ضروری ہوتا ہے۔ کیا خیال ہے بیٹا! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" بات کے آخر میں انہوں نے اس سے تائید چاہی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پھر بیٹا! تم نے کیا سوچا ہے؟"

"کس بارے میں؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"بیٹا! تم یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہ رہی تھیں نا۔" انہوں نے بات کو واضح کیا۔

"جی تایا جان! میں سوچ رہی ہوں کہ پرائیویٹ ماسٹرز کر لوں۔"

"کیوں بیٹا! یونیورسٹی سے کیوں نہیں؟" وہ حیران ہوئے کیونکہ جب وہ بی اے کر رہی تھی تو اس نے یہی ارادہ کیا تھا کہ وہ ماسٹرز کراچی یونیورسٹی سے کرے گی۔

"تایا جان! یونیورسٹی میں آنے جانے کی پرابلم ہوگی۔ شہباز بھائی تو صبح نو بجے نکلتے ہیں ان کو مجھے چھوڑنے کے لیے جلدی نکلنا پڑے گا اور تایا جان آپ کا آفس تو یونیورسٹی سے بہت فاصلے پر ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ گھر کا سارا کام تائی جان کو کرنا پڑے گا۔ ان کو کافی مشکل ہو جائے گی۔" اس نے سہولت سے اپنی بات کی وضاحت کی حالانکہ [illegible] تائی جان اس کے یونیورسٹی میں داخلے کے سخت خلاف تھیں اور اپنے ان خیالات کا اظہار وہ باتوں ہی باتوں میں کئی بار کر چکی تھیں۔ وہ تائی جان کا نام نہیں لینا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ گھر میں اس کی وجہ سے بد مزگی ہو۔

"کہیں تم نے آمنہ کی وجہ سے تو یہ فیصلہ نہیں کیا؟" وہ اس کی آنکھوں کو کھوجتے ہوئے بولے۔

"نہیں بابا جان!" اس نے جلدی سے سر اٹھا کر انکار کیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے مجھے گھر بیٹھ کر پڑھنے میں سہولت رہے گی۔" اس نے جھٹ سے بات بنا کر ٹالا۔

"یہ کیوں نہیں کہتیں کہ یونیورسٹی میں کالا ہو جانے کی فکر سے تم نے ارادہ بدلا ہے۔" شہباز کی شوخ آواز پر دونوں نے اس کی طرف دیکھا۔ دونوں ہی اس کی بات پر مسکرا دیے۔

"آپ کب آئے شہباز بھائی؟" آمنہ نے فوراً پوچھا۔

"تمہاری تو نظر کمزور ہو گئی ہے بڑی! ادھر کچھ نہیں رہیں۔ ابھی آیا ہوں۔" اس کے سر پہ چپت لگاتے ہوئے وہ اس کے برابر میں نشست کر بیٹھ گیا۔

"چائے لاؤں آپ کے لیے؟" وہ جھٹ سے خالی ہاتھ میں تھامے کھڑی ہو گئی۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔" وہ مسکرایا۔

"اور بابا جان! آپ؟" اس نے پلٹ کر پوچھا۔

"نہیں تم بس ایک گلاس پانی پلا دو۔" انہوں نے اخبار اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ابھی لائی۔" وہ سعادت مندی سے کچن کی سمت چل دی۔

☆☆☆

"اندر آ جاؤں سلمان!" ندا نے دروازے کی اوٹ سے جھانک کر شرارت سے اجازت طلب کی۔

"اجازت کب سے لینے لگی ہو؟" اس نے ہاتھ میں پکڑے ہیئر برش کو ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر شرارت سے پوچھا۔

"تو میں پھر بھی اندر آ جاؤں گی۔" کہتے ہوئے اندر چلی آئی۔

"بے وفا لڑکی! اتنے دن بعد ... گھر نہیں آ گئیں۔" اس نے حسب عادت آتے ہی شکایت کا دفتر کھولا۔

"سلام نہ دعا اور لگیں شکایتیں ... میں نے کب وعدہ خلافی کی ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا دو چار دن میں آؤں گی اور میرے خیال میں ابھی دو ہی دن پورے نہیں ہوئے ہیں۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا۔

"جب سے ... دو چار دن کا ... کیا معلوم تم ... ۔" اس نے پھر منہ پھلایا۔

"تم ... بڑے افسوس کی بات ہے۔" اس نے کن انکھیوں سے اس کو دیکھا۔

"... ؟" ندا نے اس کے نزدیک ہو کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی خفگی اب بھی برقرار تھی۔

"اب جانے بھی دو۔ سارا ... منانے میں گزر جائے گا۔" ندا نے اس کو ... شاید خود کو ... تھا۔ ... بات تو اس نے کی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ تم نے ایڈمیشن لیا کہ نہیں؟" ... اس کو ... بات میں الجھا کر وہ فوراً بولی۔

"... تم نے ایڈمیشن تو لیا۔" اس کی بات پر ... نگاہوں سے اس کو دیکھا۔

"... تمہارا کیا اعتبار تمہیں اگر تائی جان منع کر دیتیں تو تم ... کی طرح ان کی بات مان لیتیں۔"

"تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے محترمہ؟" اس نے بات کا رخ ... جانب موڑ دیا۔

"... میں نے ایسا کیا کیا ہے؟" اس نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اچھا جناب تو اب یہ بھی مجھ کو ہی بتانا پڑے گا۔" آئمہ نے اس کو دیکھا۔

"آفس لینے کا ارادہ آپ نے فیانسی کی مرضی سے نہیں کیا تھا۔" اس کی بات پر وہ خجل سی ہو کر بولی۔ "دونوں کا فیصلہ تھا۔"

"پھوپھو مان جاتے ہیں مگر اس فیصلے میں تمہاری اپنی مرضی تو شامل نہیں تھی نا۔" اس کے کہنے پر اس نے جواباً اثبات میں سر ہلا کر قائل ہونے کا ثبوت دیا۔

"اب کہا ہوں ابھی یا تیری کلاس ہو گی یا کچھ تو اسٹڈی بھی کرو گی یا بد دلت کی۔" اس نے بات بدلتے ہوئے اس جانب توجہ دلائی۔

"اچھا اب تو بس بلائے بھائی کا تو انتظار کرنی پڑے گی۔" اس نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"آئمہ اب تم سدھر جاؤ۔" اس نے کہتے ہوئے بستر سے تکیہ ہاتھ میں لے کر اس کو دے مارا۔

"اچھا بابا! ابھی کچھ مشکور ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ جب دلبر سے کہہ کر واپس آئی تو وہ کپڑے نکالنے لگی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے کمرے میں آتے ہی تفتیشی انداز میں پوچھا۔

"اف تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔" وہ چونک کر پلٹی۔

"اچھا یہ بتاؤ کر کیا رہی ہو؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔

"تمہارے جہیز کی تیاری دیکھ رہی ہوں۔" اس کی بات پر اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا اول فول بک رہی ہو؟"

"تم نے اپنی شادی کی تیاری بھی شروع کر دی اور ہمیں خبر تک نہ ہونے دی۔" وہ اب کی بار سنجیدہ تھی۔

"یہ تم سے کس نے کہا؟" اس نے پوچھا۔

"بھئی! یہ تیاری خود ہی بتا رہی ہے۔" اس نے الماری میں ٹنگے ہوئے ڈریسز کی سمت اشارہ کیا۔

"یہ تو شہباز بھائی کی شادی کے لیے بنائے ہیں اور کچھ تو بہت پرانے ہیں ان میں۔" اس نے وضاحت سے بتایا الماری بند کر آ بیٹھی۔

"ویسے کب ہو رہی ہے شہباز بھائی کی شادی؟" اس نے الماری بند کر کے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے دریافت کیا۔

"ایمن بھابھی کی امی دبئی سے واپس آ رہی ہیں عید پر۔ بس اس کے بعد ہی تاریخیں رکھی جائیں گی۔ اور ہاں تمہیں ضرور آنا ہے سمجھیں۔" اس نے بتانے کے ساتھ ہی اس کو ہدایت کی۔

"دیکھو لگی اگر تم نے بلایا تو......"

"میں تو ضرور بلاؤں گی تمہیں......"

"اگر تائی جان نے اجازت دے دی تو۔" اس نے تلخ ہوتے ہوئے اس کا جملہ پورا کیا۔ اس کی آنکھیں اس کی بات کی تصدیق کر رہی تھیں کہ وہ یہی کہنا چاہتی تھی۔

"یار یہ ہماری تائی جان ہیں بابا۔" آدھی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ اسی وقت دلبر اندر چلا آیا۔

"کیسی ہیں ندا باجی؟" دلبر نے ندا اس نے ہمیشہ کی طرح خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"الحمد للہ! بالکل ٹھیک اور تم مجھے پہلے سے کچھ کمزور دکھائی دے رہے ہو۔" اس نے جواب دینے کے ساتھ ہی اس کے سراپے پر نظر ڈالتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"امتحانات کے دوران اس کی صحت ایسی ہی ہو جاتی ہے۔" اس کے بجائے آمنہ نے جواب دیا۔
"ارے آپ لوگ باتیں کریں مجھے تیاری کرنی ہے۔" اس کے سر پر امتحان بری طرح سوار تھے وہ بنا تاخیر کیے باہر نکل گیا۔ اور وہ دونوں اس کے لائے ہوئے برگرز اور کولڈ ڈرنک سے انصاف کرنے لگیں۔

☆☆☆

کتنی ہی دیر سے دروازے پر بیل ہو رہی تھی۔ گھر میں کوئی موجود نہ تھا۔ اتفاق تھا کہ تائی جان بھی فریحہ کی مارکیٹ گئیں ہوئی تھیں۔ حسب معمول ولید کالج، شہباز بھائی اور تایا جان آفس میں تھے اور وہ خود کچن میں کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ زور و شور سے ہوتی بیل نے اس کو ہاتھ روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی پیاز اور چھری رکھ کر وہ دروازے کی جانب چلی۔
"کون؟ کون ہے؟" اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا۔
"جی شہباز بھائی ہیں۔" باہر سے آواز آئی۔
"وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔ مگر آپ کون ہیں؟" اس نے جواب دینے کے بعد سوال کر ڈالا۔
"میں کامران رضوی۔ ان کا دوست ہوں۔" جواباً دوسری طرف تعارف کروایا گیا۔ اس نے خلاف آداب سمجھتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔
"السلام علیکم۔" ایک اجنبی کو یوں سلام کرتے ہوئے اسے عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ لیکن آداب کا تقاضا بھی تو یہ ہی تھا۔ سلام کا جواب دینے کے بعد اس نے بتانا شروع کیا۔
"دراصل میں آج ہی لاہور سے آیا ہوں۔ ان کا کانٹیکٹ نمبر مجھ سے Miss place ہو گیا ہے اور ان کا آفس مجھے معلوم نہیں ہے۔ گھر کا ایڈریس بھی میں نے بہت مشکل سے ڈھونڈا ہے۔" ہاتھ میں بڑا سا سفری بیگ تھا۔ اور چہرے پر تھکن کے آثار اس کی بات کی تصدیق کر رہے تھے۔
"آپ پلیز مجھے ایک گلاس پانی پلا دیں۔" اس نے کچھ لمحے رک کر تقاضا کیا۔
"جی ابھی لاتی ہوں۔" اس نے دروازے کو تھوڑا سا بند کیا اور پانی لینے اندر چلی گئی۔ پانی لے کر وہ واپس آئی تو وہ گلی میں ہی کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ سے پانی لے کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ غالباً وہ بیٹھنے کے لیے مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا۔ اس کی کیفیت کو وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ لیکن گھر میں تنہا ہونے کے باعث وہ اسے اندر نہیں بلانا چاہ رہی تھی۔ مگر یوں باہر کھڑا رکھنا بھی تو برا لگ رہا تھا۔
"آپ اندر آ جائیے۔" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے اسے اندر جانے کی پیشکش کر دی۔ وہ بھی ذرا ہچکچاتے ہوئے اندر آ گیا۔ وہ شاید اس کی کیفیت کو بھانپ گیا تھا۔
"آپ لاہور سے کب آئے ہیں؟" اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے اس نے پوچھا۔
"جی بس یہاں پر دراصل شہباز کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے اس لیے میں یہاں چلا آیا۔ خواہ مخواہ آپ کو زحمت ہوئی۔" وہ اٹھنے لگا تو وہ بولی۔
"ارے نہیں زحمت کیسی۔ آپ ٹھہریے میں ان کے آفس کا ایڈریس اور سیل نمبر دے دیتی ہوں۔" وہ بلا تاخیر جلدی سے پین اور کاپی لے آئی۔ اسی لمحے کھلے دروازے سے تائی جان اندر داخل ہوئی۔ وہ حیران و پریشان سی کبھی اس کو کبھی اس اجنبی کو دیکھنے لگیں۔
"السلام علیکم آنٹی!" ان کے اندر آتے ہی وہ کھڑا ہو گیا۔ آمنہ نے جلدی سے اس کو ایڈریس تھمایا۔ اس نے تائی جان

کی جانب نگاہ ڈالی جو کڑے تیوروں سے اسے گھور رہی تھیں۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔" ان کے خطرناک تیوروں سے گھبرا کر وہ فوراً ہی باہر کی جانب بڑھ گیا۔

وہ دروازہ بند کر کے جانے لگی تو انہوں نے کرخت آواز سے اسے پکارا۔

"آئمہ!" وہ وہیں رک گئی۔

"کون تھا یہ؟"

"یہ شہباز بھائی کے دوست تھے لاہور سے آئے ہیں۔" اس نے فوراً بتایا۔ مبادا وہ کچھ اور نہ سمجھ لیں۔

"شہباز کا دوست تھا یا تمہارا؟" وہ درشت لہجے میں بولیں۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" اتنے گھٹیا الزام تراشی پر وہ ہکا بکا سی رہ گئی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔ میں زمانہ دیکھا چکی ہوں تم نے موقع سے فائدہ اٹھانے ہوئے اس کو پھانس لیا۔ یہ کیا ہے تاوہ جس سے تم فون پر گھنٹوں باتیں کیا کرتی ہو۔" اپنی اپنی بھڑاس نکالنے کا تو جیسے سنہرا موقع ہاتھ آیا تھا ان کا یہ لہجہ اس کے لیے نیا تھا۔ ان کے طنز وہ ضرور سنتی آئی تھی لیکن ایسا ترش لہجہ پہلی بار اپنایا تھا انہوں نے۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن چاہنے کے باوجود اس کی زبان تو جیسے گم ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک اسی کیفیت میں رہی پھر سنبھل کر بولی۔

"تائی جان آپ زیادتی کر رہی ہیں۔ وہ صرف شہباز بھائی کا دوست ہے اور میں نے اسے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا، نہ تو میں اس کو جانتی ہوں اور نہ ہی وہ۔" اس کی آواز بھی بلند ہو گئی۔

"ہاں، ہاں زیادتی ہی تو کی ہے ہم نے تمہارے ساتھ اس گھر میں جگہ دے کے۔" وہ طنز آمیز لہجے میں تیز آواز سے بولیں۔

"ارے اگر تمہیں ماموں نے گھر ہی رہنے دیتے تو اچھا تھا یوں روز روز کی......" وہ نہ جانے کیا کہنے والی تھیں جب رشید گھر میں داخل ہوا وہ ان کو اس طرح اس لہجے میں آئمہ سے بات کرتے ہوئے چونک کر رہ گیا تھا۔ بیگم صاحبہ ایک قہر آلود نگاہ اس پر ڈالتی وہاں سے چلی گئی تھیں جبکہ وہ وہیں جامد کھڑی تھی۔ آج ان کے دل کی باتیں عیاں ہو گئی تھیں۔ تمام گھر والوں کے سامنے وہ کتنی مہربان نظر آتی تھیں۔ لیکن حقیقت میں کتنی کڑواہٹ ان کے لہجے اور رویے میں۔ وہ دکھ سے سوچتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس کا نصیب اس کو ماموں کے گھر سے یہاں لے آیا تھا کہ آج وہ ان کے رحم و کرم پر تھی۔ تایا جان کی موجودگی ایک تحفظ کا احساس دیتی تھی۔ لیکن ان کی عدم موجودگی اس کی تنہائی اور اکیلے پن کے احساس کو مزید گہرا کر دیتی۔

کتنی دیر وہ اپنی بدنصیبی پر روتی رہی۔ یہاں تک کہ نیند اس پر غالب ہو گئی۔ شام تایا جان نے اس کے دروازے پر دستک دی تو وہ اٹھ بیٹھی۔

"دروازہ کھولو بیٹا! عصر کا وقت ہو رہا ہے۔" بند دروازے کے پیچھے سے تایا جان کی آواز ابھری۔ اس نے گھڑی کی سمت نگاہ ڈالی۔ ساڑھے پانچ ہو رہے تھے۔ کتنا وقت بیت گیا تھا اسے پتہ ہی نہ چلا۔ اس نے فوراً دروازہ کھول دیا تو وہ بیڈ پر آ بیٹھی تو وہ بھی اس کے پیچھے چلے آئے۔

"کیا بات ہے بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" انہوں نے اس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو تشویش سے دیکھا۔ اس نے گردن ہلا دی۔

"پھر تم نے یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے؟" وہ مطمئن نہ ہوئے۔

"کیا ہوا ہے مجھے ٹھیک تو ہوں۔" اس نے خود پر نگاہ ڈالی۔

''کہاں ٹھیک ہو بکھرے ہوئے بال، بے شکن آلود کپڑے۔'' انہوں نے نشاندہی کی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا بس گود میں ہاتھ دھرے نہ جانے کیا سوچتی رہی۔

''اچھا تم ایسا کرو جلدی سے تیار ہو جاؤ پھر ہم دونوں باہر چلیں گے۔'' وہ اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''مگر تایا جان!'' وہ ان کو جاتا دیکھ کر کہنے لگی۔

''اگر مگر کوئی نہیں بس جلدی سے تیار ہو کر نیچے آؤ۔'' وہ اس کو ٹوکتے ہوئے بولے اور باہر نکل گئے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے کہنے پر تیار ہو کر نیچے چلی آئی۔ تایا جان اس کو وی لے گئے تھے۔ پھر کتنا وقت انہوں نے وہاں پر گزرا۔ پھر وہاں سے وہ اکرام انکل (تایا جان کے دوست) کے ہاں لے گئے ان کی بیٹی ثانیہ سے اس کی کافی دوستی تھی۔ اس کے ساتھ کچھ لمحے گزار کر اس نے خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کیا تھا۔ پھر وہ رات گئے گھر لوٹے۔

☆☆☆

''مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' آمنہ بیگم تہہ شدہ کپڑوں کو الماری میں رکھتے ہوئے بولیں۔

''کہیے کیا بات ہے؟'' وہ کتاب پر نظریں جمائے جمائے بولے۔

''میرے خیال میں اب ہمیں آمنہ کے لیے کوئی لڑکا دیکھنا چاہیے۔'' وہ الماری بند کر کے ان کے سامنے براجمان ہو گئیں۔

''کیوں بیگم! ایسی جلدی بھی کیا ہے تمہیں؟'' انہوں نے چشمے کے پیچھے سے ان کو دیکھا۔

''جلدی۔'' وہ ان کی بات پر حیرت سے چیخیں۔

''پورے چھ برس ہو چکے ہیں اسے ہمارے پاس رہتے ہوئے۔'' وہ شاید یہ کہنا چاہ رہی تھیں کہ اسے ہمارے سر پر سوار ہوئے چھ برس گزر چکے ہیں۔

''تو کیا ہوا بیگم! تین چار سال اور سہی۔'' انہوں نے اطمینان سے کہا۔

''تین چار سال۔'' وہ آنکھیں پھاڑتے ہوئے اونچی آواز سے چلائیں۔

''ہاں! وہ ابھی تعلیم مکمل کر رہی ہے اور پھر کون سا کوئی لڑکا دیکھا ہے ہم نے ابھی۔'' انہوں نے کتاب بند کر دی۔

''تین چار سال تک لڑکی کو سنبھالنا بہت مشکل ہے۔ کسی کی سرپرستی کرنا اتنا آسان نہیں ہے اکبر صاحب!'' وہ ایک دم تلخ ہو گئیں۔

''آمنہ بہت سمجھدار لڑکی ہے بیگم۔ اس سے نہ تو آج شکایت ہے اور نہ کل ہو گی۔'' وہ اس کی طرف سے بالکل مطمئن تھے۔

''ہونہہ! بھلا آپ کو اس سے کیا شکایت ہو گی۔ آپ نے تو آنکھیں بند کر رکھی ہیں اس کی طرف سے۔'' وہ تند لہجے میں بولیں۔

''مطلب کیا ہے تمہارا اس بات سے؟''

''مطلب کیا ہوتا ہے میرا۔ مزید کئی سالوں تک مونگ دلے گی ہمارے سینوں پر۔ اب مزید خرچا برداشت نہیں کر سکتی میں۔ فون کے لیے لمبے بل اور دوستوں کی خاطر داریوں کے لیے میرے پاس اب پیسے نہیں ہیں۔'' وہ اس کا وجود برداشت کرنے کو بالکل تیار نہ تھیں۔ انہوں نے ترشی سے صاف لفظوں میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

''شاید آپ بھول رہی ہیں کہ وہ میرے مرحوم بھائی کی نشانی ہے۔ وہ میرے لیے کبھی بوجھ نہیں رہی...

میری بیٹی ہے اور اس کا خرچ آپ کو نہیں اٹھانا ہے۔ وہ کل بھی میری ذمہ داری تھی اور آج بھی میری ذمہ داری ہے۔ آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ان کی بات پر وہ طیش میں آ گئے۔ کچھ پل رکنے کے بعد ان کو وارن کرتے ہوئے بولے۔

"اور آپ کان کھول کر سن لیں۔ آئندہ میں اس بارے میں کوئی بات نہیں سنوں گا۔" وہ پھر رکے نہیں دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند کرتے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

"لگتا ہے پڑھائی رات تک ہوتی رہے گی۔ اتنے ڈھیر برتن پڑے ہیں کچن میں مگر کسی کو احساس کہاں، گھر کے کاموں سے جان چھڑانے کا بہت اچھا طریقہ نکالا ہے۔ اتنے ڈھیر پیسے پڑھائی میں خرچ کیے ہیں اتنے میں تو بہتر تھا کہ میں اپنے ہی پیسوں میں نوکرانی رکھ لیتی کام کروانے کے لیے۔" لاؤنج میں بیٹھی وہ نوٹس بنا رہی تھی جب ان کی درشت آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ کیا کہتی ان سے بس چپ چاپ صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ سالوں کے رہنے کا لحاظ تھا اسے، رشتے کا احترام ملحوظ تھا ورنہ وہ ان کی ان زہریلی باتوں کا جواب دے سکتی تھی۔

وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کچن میں چلی آئی۔ یہاں گندے برتنوں کا انبار اس کا منتظر تھا وہ کتنی مشکل سے وقت نکال کر بیٹھی تھی سوچا تھا صبح ناشتے کے بعد تھوڑی بہت پڑھائی کرے گی مگر ان کو تو اس کے پڑھنے پر بھی اعتراض تھا تمام کام نمٹانے کے بعد ہی وہ اسٹڈی کے لیے بیٹھی ورنہ گھر کے کام کاج تو ایک پل کے لیے بھی سکون نہ لینے دیتے تھے۔ برتن دھونے کے بعد وہ اب کچن کی صفائی کرنے لگی۔ تائی جان وہاں بھی آ گئیں۔

"ذرا ان دونوں کو بھی پانی بھی دے دیا کر دسارے سر جھا کر رہ گئے ہیں۔" وہ غالباً کوئی غلطی ڈھونڈنے میں مصروف تھیں جوں ہی کوئی کوتاہی ہاتھ لگی وہ اسے باتیں سنانے پہنچ آئیں۔

"دیواروں سے نہیں کہہ رہی ہوں تم سے کہہ رہی ہوں میں۔" اس کو خاموش پا کر وہ سخت لہجے میں بولیں۔

"جی..... جی تائی جان!" وہ گھبرا کر بولی۔

"ہونہہ کام کاج آتا نہیں ہے اور چلیں ہیں پڑھائی کرنے۔ ارے پڑھائی کام نہیں آتی لڑکی کا سلیقہ کام آتا ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے کی سمت چل دی تھیں۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ان کا غصہ اس کے پڑھنے پر ہے یا پڑھائی پر ہونے والے خرچے پر۔ ان کی طنزیہ باتوں کا صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا تھا کہ وہ اس کے وجود کو برداشت کرنے پر مجبور ہیں ورنہ اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ کب کا اسے اس گھر سے بے دخل کر چکی ہوتیں۔

گھر کے ماحول میں کھنچاؤ بڑھتا جا رہا تھا تائی جان تو پہلے ہی اس سے خوش و مطمئن نہ تھیں۔ اس بات کا اندازہ تو اس نے پہلے ہی دن لگا لیا تھا مگر صرف تایا جان کی محبت کے زیر سایہ رہنے کے احساس نے اس کو مطمئن کر رکھا تھا۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، ان کا رویہ بد سے بدتر ہوتا جا رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں اس کی غلطیاں نظر آنے لگیں تھیں ان کو۔ ہر بات پر طنز ان کی۔ اس حبس زدہ، گھٹن زدہ ماحول میں اس کا سانس رکنے لگا تھا۔ یوں ہر پل زہریلی اور نفرت بھری نگاہ وہ کیونکر برداشت کر سکتی تھی۔ اپنے وجود کو مجرم محسوس کر رہی تھی وہ۔

"کس قدر الجھ کر رہ گئی ہے زندگی۔ پل پل سانس لینا دشوار ہو رہا ہے اس حبس زدہ ماحول میں کیسے رہوں گی میں۔ نفرت بھری نگاہیں، طنز آمیز باتیں کیسے جینے دیں گی مجھے۔ اے اللہ! کیسا نصیب لکھا ہے تو نے۔ کب تک ان کے رحم و کرم پر رہوں گی میں۔ ان کی مرضی کی زندگی آخر کب تک جیوں گی میں۔" اس کے آنسو سیلاب کی طرح بہنے چلے گئے۔

☆☆☆

"اچھا، رونا تو بند کرو آمنہ۔" ندا نے اس کو خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ وہ جب سے آئی تھی وہ بغیر کچھ کہے روئے جا رہی تھی۔

"[illegible] تو سہی آخر ہوا کیا ہے؟" اس کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے نرمی سے دریافت کیا۔ پھر اس نے دل کی [illegible] تمام باتیں اس سے کہہ ڈالیں۔ اس سے شیئر کر کے اس کو اپنا آپ ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔

"تم بھی بہت بے وقوف ہو آمنہ! ان کی تمام باتیں چپ چاپ سن لیں۔ اتنا طنزیہ لہجہ، ایسا الزام تم نے کیسے [illegible] کر لیا؟ بہت احمق ہونے کا ثبوت دیا ہے تم نے۔" وہ اس کو ڈانٹنے لگی۔

"مجھے سخت غصہ آ رہا ہے تمہاری بزدلی پر۔"

"ایک تو میں پہلے ہی پریشان ہوں اوپر سے تم بھی مجھے ڈانٹ رہی ہو۔" آمنہ نے خفگی سے کہا اور آنکھوں میں [illegible] ہوئے آنسوؤں کو دوپٹے سے صاف کرنے لگی۔

"[illegible] اور کیا کروں؟ تمہاری چپ ہی نے تو ان کو شیر کیا ہے اگر پہلی بار ہی وہ بدو جواب دے رہا ہوتا تو یوں طنز کے [illegible] نہ چلاتیں۔"

"اب [illegible] ناؤ کہ میں کیا کروں؟ مجھ سے اب مزید برداشت نہیں ہو سکتا ان کا نفرت آمیز رویہ۔" وہ شکستگی سے [illegible]

"[illegible] اس مسئلے کا ایک حل نکل سکتا ہے؟" اس نے ذرا سوچتے ہوئے کہا۔

"[illegible] خیال [illegible] جلد شادی کروا لو اور یہاں سے نکلنے کی کرو۔" اس نے حل پیش کیا۔

"کیا!" وہ چیخ پڑی۔

"[illegible] نے تو قانہ مشورہ دے ڈالا [illegible] اس کی تجویز پر ہرگز مطمئن نہ تھی۔

"[illegible] کہہ رہی ہوں یہی ایک حل ہے۔"

"[illegible] ندا! یہ اتنا آسان نہیں ہے۔" اس نے [illegible]

"[illegible] کیا مشکل ہے؟" اس نے الٹا اسی سے پوچھا۔

"[illegible] ہے ندا! جو میں آج ہی قبول لوں۔ کوئی [illegible] ندا! جو مجھے اس ماحول سے نجات دلا سکے۔"

[illegible] کے بعد بولی۔

"[illegible] تم جاب کیوں [illegible] اس طرح نہ صرف تمہیں Financialy سپورٹ مل جائے گی بلکہ اس [illegible] رہنے کو بھی مل [illegible]"

"[illegible] ٹھیک ہو مگر ....." وہ [illegible] غور کرنے لگی۔

"[illegible]" اس نے پوچھا۔

"[illegible] تو اس کی بھی مخالفت کریں گی۔ وہ کبھی [illegible] سے کہنے لگی۔

"[illegible] تائی جان۔" وہ زچ ہو کر بولی۔ "آمنہ تمہیں ان [illegible] کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو کبھی بھی [illegible] ہیں گی۔" وہ قدرے سخت لہجے میں بولی۔ پھر [illegible] سمجھانے لگی۔

"[illegible] تایا جان سے بات کرو ان سے پرمیشن لو۔" [illegible] بات پر [illegible] جانے کیا سوچنے لگی تھی۔

''اگر تم کہو تو میں تایا جان سے بات کروں؟'' اس نے اس کی پریشان صورت دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ تو ہر لمحہ اس کی مدد کو تیار رہتی تھی۔

''نہیں یار! میں خود ہی بات کروں گی۔ تمہارا تو یہی احسان کافی ہے ندا کہ تم میرا دکھ بانٹ لیتی ہو۔'' اس کی آنکھیں تشکر سے بھیگنے لگیں۔

''کیا میں تمہاری دوست نہیں ہوں۔ تمہارا دکھ میرا دکھ ہے آئمہ! تمہاری ہر خوشی اور غم میں ساتھ دینا میرا فرض ہے۔ اس میں کوئی احسان نہیں ہے۔''

''نہیں ندا! اپنے بھی پرائے ہو جایا کرتے ہیں۔ خوشی میں تو ہر کوئی ساتھ دے دیا کرتا ہے مگر غم میں سب ہی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ سب کو اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ کوئی بغیر غرض کے کسی کے کام نہیں آتا۔'' اس کی آنکھوں میں ماضی کے تلخ تجربوں کا عکس اتر آیا۔

''مگر میں ان میں سے نہیں ہوں۔'' ندا کی سچائی اس کی آنکھوں سے واضح تھی۔

''تم پر تو مجھے پورا یقین ہے ندا!''

''ہاں ایسا ہی بھروسہ اور اعتماد تو ہماری دوستی کی بنیاد ہے۔'' ندا نے اس کی بات میں اضافہ کیا۔

''اچھا بھئی! ٹائم کافی ہو گیا ہے اب چلنا چاہیے۔ بھائی گھر پر آئے ہوئے ہیں۔'' گھڑی پر نگاہ پڑتے ہی وہ اٹھنے لگی۔

''بیٹھ جاؤ یار!'' اس کا ہاتھ پکڑ کر اس نے اس کو بٹھانے کی کوشش کی۔ اور پھر پوچھنے لگی۔

''کیا بھائی منع کرتے ہیں تمہیں یہاں آنے سے؟''

''نہیں یار! وہ دراصل آج ہمارا گھومنے پھرنے کا پروگرام ہے اگر لیٹ ہو گئی تو غصہ کریں گے۔'' اس نے وضاحت سے بتایا اور سینڈل پہن کر ہینڈ بیگ کو کاندھے پر لٹکایا۔

''اچھا تم اپنا خیال رکھنا ٹھیک اور جب تایا جان سے اجازت لے لو تو مجھے فون کر دینا بلکہ میں خود تمہیں فون کروں گی۔'' معانقہ کرکے وہ الوداع کہتی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

وہ بڑی مضطرب سی اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کن الفاظ میں مدعا ان تک پہنچائے۔ تایا جان بظاہر تو ٹی وی دیکھنے میں منہمک تھے لیکن دوسرے صوفے پر بیٹھی آئمہ کی کیفیت ان سے مخفی نہ تھی۔

''آئمہ بیٹا!'' وہ اس کو مضطرب دیکھ کر اس کو پکار بیٹھے۔

''جی تایا جان!''

''بیٹا کوئی بات کرنی ہے؟''

''جی..... جی تایا جان! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ جلد از جلد ان سے بات کرنا چاہتی تھی۔

''ہاں کہو کیا بات ہے؟'' وہ ٹی وی سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

''وہ تایا جان! بات دراصل یہ ہے کہ میں.....'' وہ اپنے ہاتھوں پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔

''بولو بیٹا! میں سن رہا ہوں۔'' وہ اس کو خاموش پا کر بولے۔

''وہ تایا جان! میں گھر میں فارغ رہتی ہوں سوچ رہی تھی کہ.....'' وہ کہہ گئی۔

"جاب کرلوں۔" اس نے آہستگی سے کہہ کر ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر ان کا ردعمل جاننے کی کوشش کی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے۔

"بیٹا! خیال تو تمہارا ٹھیک ہے لیکن مصروف رہنے کے لیے تم شارٹ کورسز کرسکتی ہو۔" اس کے خیال کو رد کیے بغیر انہوں نے اپنی رائے دی۔

"جی تایا جان! لیکن میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے پھر اپنی بات کو دہرایا۔

"یہی تو جاننا چاہتا ہوں بیٹا! کہ تم جاب کیوں کرنا چاہتی ہو؟" وہ اس کے چہرے کو پڑھ سکتے تھے۔ اس کے چہرے پہ تحریر پریشانی انہیں اس کے پس منظر کو جھانکنے پر مجبور کررہی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی تھی کہ انہیں تمام حقیقت سے آگاہ کرکے انہیں پریشان کردے یا کوئی بات بنا کر انہیں ٹال دے۔

"کیا کوئی مسئلہ ہے؟ کوئی پریشانی ہے بیٹا! تو مجھ سے کہو؟ تمہیں پیسوں کی وجہ سے کوئی پریشانی ہے؟ اگر ایسی کوئی بات ہے تو کہو بیٹا؟" وہ خلوص سے پوچھنے لگے۔ اس نے فوراً نفی میں سر کو جنبش دی۔

"میں نے ہرممکن کوشش کی ہے بیٹا! کہ تمہاری ہر ضرورت کو پورا کردوں۔ تمہاری کوئی خواہش ایسی ہے جو پوری نہ ہوئی ہو۔ اگر پھر بھی کوئی ضرورت......" وہ نرم لہجے میں بول رہے تھے۔ ان کی بات پوری کرنے سے پہلے وہ اٹھ کر ان کے پاس چلی آئی۔

"تایا جان! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ ان کی اس مہربان شخصیت سے خوفزدہ تھی کہ اس کی اس بات پر کہیں وہ دل برداشتہ نہ ہو جائیں۔

"تایا جان! مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شکوہ ہے۔" پھر وہ ان کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے بولی۔

"تایا جان! آپ ہی تو وہ ہستی ہیں جنہوں نے مجھے جینے کا حوصلہ دیا۔ سہارا دیا ہے مجھے جینے کا۔ آپ تو میرے لیے گھنا سایہ ہیں۔ آپ کی چھاؤں تلے میں خود کو کس قدر محفوظ تصور کرتی ہوں۔ اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔" اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

"ارے بیٹا! تم تو رونے لگیں۔" اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کو دیکھ کر وہ پریشان ہوگئے۔

"بیٹا! میں جانتا ہوں کہ تم نے کبھی کوئی بے جا خواہش نہیں کی۔ بہت صابر بیٹی ہو۔ بیٹا! میری طرف سے تمہیں اجازت ہے تم جاب کرسکتی ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ان کے کہنے پر اس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"لیکن بیٹا! اپنا خیال رکھنا۔ اچھے برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ خود کو اچھے لوگوں کے درمیان رکھنے کی کوشش کرنا۔ مجھے تم پر پورا مان اور بھروسہ ہے لیکن اس دنیا کا نہیں ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں تایا جان! میں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاؤں گی۔ آپ پورا اطمینان رکھیں۔ آپ کا یہ مان ہمیشہ قائم رہے گا۔" اس نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ انہوں نے دھیما سا مسکراتے ہوئے اطمینان کا اظہار کیا اور اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"ٹھیک ہے بیٹا!"

"ابو! آپ کا فون آیا ہے۔" ولید نے آکر اطلاع دی تو وہ اس کے پیچھے چلے گئے اور وہ مطمئن ہوگئی جیسے بہت بڑا مسئلہ حل ہوگیا ہو۔

☆☆☆

پھر اس نے دو آفسز میں جاب کے لیے اپلائی کر دیا۔ اس کو پورا یقین تھا کہ اسے کسی ایک میں سے تو اسے اپائنٹ کر لیا جائے گا اور یہی ہوا انٹرویو کے اگلے دن ہی اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر اس کے ہاتھوں میں تھا۔

اگلے دن وہ آفس جانے کے لیے تیار تھی۔

"بیٹا! تم آفس شہباز کے ساتھ جاؤ گی یا میں تمہیں ڈراپ کر دوں؟" وہ ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھی تو تایا جان نے اس سے پوچھا۔

"نہیں تایا جان! آج ولید نے چھٹی کی ہے، بائیک پر اس کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" اس نے چائے کا گھونٹ لیا۔

"ارے نہیں اتنی قیمتی جان کو میں ولید کے حوالے نہیں کروں گا۔" انہوں نے جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے ولید کی جانب دیکھا جو بڑے انہماک سے ناشتے میں مصروف تھا۔ ان کے کہنے پر فوراً اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

"خیر اب میں اتنی بھی گئی گزری بائیک نہیں چلاتا۔"

"چلو تم نے یہ تو مان لیا نا کہ تم گئی گزری بائیک چلاتے ہو ورنہ کبھی آتی تو چلاتے ہوتا۔" تایا جان نے آنکھیں ... بات پکڑی۔ تو ان کے سمیت آئمہ بھی ہنس دی۔ جبکہ ولید نے خفگی سے ان دونوں کی جانب دیکھا۔

"ہمم! تم ایک جان پر ہی پریکٹس کر لو اقبال۔" آئمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر آپ ڈراپ کریں گے تایا جان؟" اس نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! چلو۔" انہوں نے اس کو جانے کے لیے تیار دیکھا تو ڈائننگ ٹیبل سے چابی اٹھاتے ہوئے بولے۔

"ارے تم کہاں جا رہی ہو؟" تائی جان کی ابھی آمد ہوئی تھی۔ اس کو تیار دیکھ کر وہ حیرانی سے پوچھنے لگیں۔

"امی! آئمہ آپی نے آفس جوائن کر لیا ہے۔" ولید نے خوشی سے بتایا۔

"ہائیں!" وہ حیرت سے بے ہوش ہونے کو تھیں۔ آئمہ کے قدم آہستہ ہو گئے۔

"چلو بیٹا! کہاں رہ گئیں؟" تایا جان نے پلٹ کر اس کو پکارا تو وہ تیز تیز چلتی باہر نکل آئی۔ اس کو آفس ڈراپ کر کے وہ اپنے آفس کی جانب ہو لیے۔ آفس پہنچتے ہی سب سے پہلے اس نے (ایم ڈی) عبداللہ صاحب کے آفس میں حاضری دی۔

"السلام علیکم سر!" اجازت لینے کے بعد اس نے سلام کیا۔ اس کے سلام پر انہوں نے فائل بند کرتے ہوئے سر اٹھایا۔

"وعلیکم السلام، آئیے آئیے۔ ٹائمنگ تو آپ کی بالکل ٹھیک ہے۔ بیٹھیے۔" انہوں نے اس کو کھڑا دیکھ کر سامنے رکھی سیٹ کی جانب اشارہ کیا۔

"تھینک یو سر!" وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"سب سے پہلے میرے خیال میں آپ کا انٹروڈکشن کروایا جائے۔"

"اور میرے پورے اسٹاف کا بھی۔" اس نے مسکراتے ہوئے ان کی بات میں اضافہ کیا۔

"ہاں تو مس..... "تھوڑا سا رک کر انہوں نے سوچا پھر یاد آ جانے پر فوراً بولے۔ "مس آئمہ! I am right" انہوں نے اس سے تصدیق چاہی۔

"جی سر!" اس نے مسکرا کر گردن ہلائی۔

"بیٹھیے۔" اس کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ خود بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ ان کے پیچھے روم سے باہر نکل آئی۔

پورے اسٹاف کی ایک لمبی قطار موجود تھی۔

"یہ ہمارے سب سے سینئر ورکر ہیں مسٹر اجمل۔" عبداللہ صاحب نے قطار میں کھڑے ہوئے سب سے پہلے شخص کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ وہ اپنے تعارف پر ذرا مسکرائے۔ پھر عبداللہ صاحب ذرا سے آگے بڑھتے ہوئے بولے۔

"یہ ہیں مسٹر ریحان دو سال سے یہاں پر کام کر رہے ہیں۔" اس نے جھک کر سلام کیا تو آمنہ نے بھی سر ہلا کر جواب دے دیا۔

"یہ ہیں مسٹر امجد۔" اس نے ذرا سا سر کو جنبش دی۔

"اور یہ ہیں سلمان اور ارشد۔" انہوں نے یکے بعد دیگرے دونوں اشخاص کی جانب اشارہ کیا۔ ان دونوں نے سر [illegible] دی تھی۔

"اور یہ ہیں مسٹر فردوس۔"

ارشد کے برابر کھڑے شخص نے اپنے دانتوں کی نمائش کی تو جواباً وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

"اور یہ ہیں مسٹر فہدان ان کے بغیر تو ہمارا آفس نامکمل ہے۔" انہوں نے بڑے فخر سے ان کا تعارف کرایا۔ اس نے [illegible] بہت دیکھا۔ گرے کلر کی پینٹ پر وائٹ اور وائٹ گرے کلر کی شرٹ میں، آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے وہ [illegible] برا ڈاؤن اسٹیل جنٹ لگ رہا تھا۔ اس نے بھی ایک نگاہ اس پر ڈالی اور پھر دوبارہ نگاہیں جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ اس [illegible] میں عبداللہ صاحب کا احترام واضح نظر آ رہا تھا۔ اس کے کھڑے ہونے کا مؤدبانہ انداز بہت بھلا لگا تھا۔

"اور یہ مسز [illegible] کی بہت ذمہ دار اور خاص طور پر ڈسپلنڈ ورکر۔" سب سے آخر میں کھڑی خاتون [illegible] سے متعارف [illegible] کروایا تو اس نے ہاتھ تھام لیا۔

"[illegible] ویلکم۔" مسز [illegible]

"[illegible]" اس نے جواباً کہا۔

"[illegible] آمنہ ابھی نئی ہیں۔ ان کو آفس ورک کا Experience [illegible] نہیں ہے اس لیے ان کو کسی کام میں کوئی [illegible] ہو تو آپ سب ان کا حوصلہ بڑھائے گا۔ امید ہے آپ لوگوں کا تعاون ان کے ساتھ رہے گا۔"

عبداللہ صاحب کی اس بات سے اس کو بہت ڈھارس ملی تھی۔

"[illegible] کوشش ہو گی کہ جہاں کہیں ان کو ہماری ضرورت پڑے ان کی مدد کریں۔" مسٹر اجمل نے ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے یقین دلایا۔ پھر وہ اپنے روم کی جانب بڑھ گئے تو وہ بھی ان کے پیچھے چل آئی۔ وہاں [illegible] کی نظر اپنی سیٹ سے [illegible] رہی۔

"بیٹھیے۔" اس کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے بھی اپنی سیٹ سنبھالی۔ پھر وہ اس کے کام کے متعلق سمجھانا شروع کرنے لگے۔

☆☆☆

"بہت مبارک ہو پرسنل سیکرٹری کی جانب سے۔" ندا نے اسے فون پر مبارک باد کا فون کر دیا۔

"تھینکس یار۔ دیکھو میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے دوسرے دن ہی جاب مل گئی۔" آمنہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

"جناب جن لوگوں کو اتنی جلدی نوکری مل جایا کرتی ہے۔" اس نے مدبرانہ انداز میں اسے بتایا۔

"جی نہیں یہ جاب صرف میری قابلیت کی بنا پر ملی ہے۔" اس نے اکڑ کر اس کے خیال کو رد کیا۔
"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے ایم ڈی کی ایج کتنی ہے؟" ندا نے بے تکا سا سوال داغا۔
"کیا! Age؟ تمہیں یہ سوال پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ پوچھ سکتی ہوں میں؟"
"بتاؤ تو؟"
"مجھے کیا پتہ بھئی؟" وہ جھنجلاتے ہوئے بولی۔
"اچھا چلو پھر یہ بتاؤ کہ وہ میریڈ ہیں یا ان میریڈ؟" اس نے پھر بے پر کی ہانکی۔
"ندا یہ کیا اول فول سوال کر رہی ہو تم؟" اسے اس کی فضول باتوں سے سخت چڑ ہو رہی تھی۔
"بتاؤ تو سہی۔" وہ بے چینی سے بولی۔
"میریڈ ہوں گے ساٹھ سال سے اوپر کا شخص ان میریڈ تو نہیں ہو سکتا۔" اس نے اس کی تجسس کو دور کیا۔ اس کی بات سن کر اس نے ایک لمبی سانس خارج کی۔
"پھر تو تمہاری اس بات سے متفق ہوں کہ تمہیں جاب میرٹ کی بنیاد پر ملی ہے۔" وہ قائل ہوئی۔
"چلو تم نے مانا تو سہی۔ تم اپنی سناؤ ندا کب تک احمر بھائی کی ڈولی میں سوار ہونے کا ارادہ ہے؟"
"فی الحال تو ان کی انا کے جہاز پر سوار ہونے کا ارادہ ہے۔"
"سوار ہونے کی بات چل ہی رہی ہے تو ذرا تم یہ بتاؤ کہ احمر بھائی گھوڑے پر سوار ہو کر نہیں آئیں گے؟"
"میں ٹانگیں نہ توڑ دوں گی۔" اس نے تنک کر کہا۔
"کس کی۔ احمر بھائی کی؟"
"نہیں گھوڑے کی۔" پھر وہ دونوں ہی قہقہہ لگا کر ہنس دیں۔

☆☆☆

خود کو وہ خوش سا محسوس کر رہی تھی۔ حالانکہ آفس میں جاب کرنے کے بعد گھر کے کام اور آفس کو ایڈجسٹ کرنا اس کے لیے خاصا مشکل ہو گیا تھا۔ صبح ناشتے کے بعد برتن وغیرہ دھونے کے بعد ہی وہ آفس کے لیے نکلتی۔ آفس سے آنے کے بعد شام کو تائی جان اس کے لیے ڈھیر سارے برتنوں کا انبار لگا کر رکھتیں۔ ان سے نمٹ کر وہ رات کے لیے اور اگلے دن دوپہر کے لیے سالن بنا کر فریز کرتی۔ رات کے لیے چاول یا روٹی جو بھی پکنی ہوتی وہ بھی اس کے ذمے تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ تایا جان نے اوپر کے کاموں کے لیے ماسی کا انتظام کر دیا تھا ورنہ وہ بھی اسی کے پلے پڑتا۔

☆☆☆

"تحریم کے لیے کوئی رشتہ دیکھیے آپ۔" وہ بڑے سکون سے ٹی وی پر خبریں دیکھنے میں مگن تھے جب وہ ان کے سکون میں خلل ڈالتے ہوئے بولیں۔
"کیوں اب کیا ہو گیا؟"
"کیا ہو گیا! یہ مجھ سے پوچھ رہے ہیں آپ۔" وہ سخت لہجے میں بولتی ہوئی ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئیں۔
"ہاں تو ایسا کیا ہو گیا ہے جو آپ اس طرح کہہ رہی ہیں؟" وہ ان کے سخت لہجے پر زچ ہو گئے۔
"یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہمارے خاندان کی کسی لڑکی نے آج تک باہر قدم نہیں نکالا ہے اور آپ نے اس کو جاب کی اجازت دے دی۔" وہ سخت معترض تھیں اس کے جاب کرنے پر جس کا اظہار آج انہوں نے کر ہی دیا تھا۔
"اچھا تو یہ بات ہے۔" وہ بات کی تہہ تک پہنچتے ہوئے بولے۔

"[illegible] آخر اس سے اتنی نالاں کیوں ہو آمنہ؟"

"[illegible] میں نے کہہ دیا ہے اس کے لیے جلد از جلد کوئی رشتہ تلاش کیجیے۔" ان کے سوال کو نظر انداز کر کے انہوں نے [illegible] میں اپنی بات دہرائی۔

"شہباز کی شادی ہو جانے دو اس کے بعد آمنہ کے لیے بر تلاش کریں گے۔" وہ دوبارہ ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"[illegible] بھی یہی چاہتی ہے کہ وہ پہلے یہاں سے رخصت ہو جائے۔" ان کے منہ سے بات پھسل گئی۔ وہ اپنی بھانجی پر [illegible] نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔

"اچھا تو وہ بھی آپ کی طرح نادر خیالات رکھتی ہے۔" وہ طنز سے بولے۔

"[illegible] ہاں بھئی خالہ کا کچھ تو اثر آئے گا بھانجی پر۔ منہ! آخر تمہیں اس معصوم سے کیا بیر ہے؟ کیوں اس کو گھر سے نکالنے پر تلی ہوئی ہو تم؟" وہ یکدم ہی آگ بگولہ ہو گئے۔

"اکبر صاحب اتنے سالوں سے برداشت کر رہی ہوں آپ کے مرحوم بھائی کی "معصوم بچی" کو اب جلد از جلد [illegible] یہاں سے رخصت کرنے کا انتظام کریں اور ویسے بھی شہباز کی شادی کے بعد اس کے لیے یہاں رہنا مشکل [illegible] لہٰذا آواز سے ترش لہجے میں بولیں۔

"[illegible] بھی [illegible] آنکھ بند کر کے اسے کسی سے بھی بیاہ دوں تو یہ تمہاری بھول ہے آمنہ۔ اگر تمہاری بھانجی کو اتنا [illegible] اس وقت کا جب تک آمنہ کی کسی مناسب جگہ پر شادی نہیں ہو جاتی۔" اکبر صاحب نے [illegible] لہجے میں [illegible]۔

"آپ اس کی وجہ سے شہباز کی شادی التوا میں ڈال دیں گے؟" انہوں نے بے یقینی کی کیفیت میں ان سے [illegible] وہ ان سے [illegible] انداز [illegible] وہ جانتی تھیں کہ وہ جس فیصلے پر اڑ جائیں تو پھر ان کو کوئی ان کے [illegible] سے نہیں ہٹا سکتا۔ وہ ان کو [illegible] پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ پھر آمنہ بیگم کی ہمت نہ ہوئی کہ [illegible] اس لیے خاموشی سے اٹھ کر [illegible]

[illegible]

[illegible] کو ایک مہینہ ہو گیا تھا اس آفس میں کام کرتے ہوئے [illegible] کام [illegible] کا بھرپور تعاون اس کے ہمراہ تھا۔ اور سب سے [illegible] عبداللہ صاحب جیسے نرم مزاج کے مالک کے ماتحت کام کرنے میں کوئی دشواری نہیں تھی ان کا [illegible] احساس [illegible] نہیں ہونے دیتا تھا کہ وہ ان کی سیکرٹری ہے۔ وہ اس کو بالکل اپنی بیٹیوں کی طرح سمجھتے تھے۔

"[illegible] فائل میں سر دیے [illegible] مصروف تھی جب عبداللہ صاحب کی شیریں آواز نے اس کے متحرک ہاتھوں [illegible]

"[illegible] خیر اس نے پین اور فائل بند کر دیا۔

"[illegible] کوئی میٹنگ تو نہیں؟" انہوں نے [illegible] پوچھا۔

"[illegible] آج آپ کی شام پانچ بجے رحمان صاحب سے [illegible] اس نے ڈائری میں دیکھتے ہوئے انہیں بتایا۔

"[illegible] آپ کی دوا کا وقت ہو گیا ہے۔" گھڑی کی جانب نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے یاد دلایا۔

''آئمہ بیٹا!'' وہ پیپرز سمیٹ کر اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

''جی سر!''

''یہ ذمہ داری آپ کی تو نہیں ہے؟''

''سر! آپ نے مجھے بیٹی سمجھا ہے تو پھر اس ناطے مجھے آپ کا خیال رکھنا ہی چاہیے۔'' اس نے دراز سے گولیوں کی شیشی نکالتے ہوئے خلوص بھرے لہجے میں جواب دیا۔ جگ سے گلاس میں پانی بھر کر ایک گولی نکال کر انہیں دی۔ پھر واپس اپنی سیٹ پر آ کر دوبارہ فائل کھولنے کو تھی کہ عبداللہ صاحب نے اسے بلا لیا۔

''آئمہ! ذرا ادھر آئیے۔''

''جی سر؟'' اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ فائل آپ مسٹر فہد کو دیجیے اور ان سے کہیے کہ سلطان آرکیڈ کے میٹنگ ڈائریکٹر کو ای میل کر دیں اور ان سے میٹنگ کا ٹائم کنفرم کر لیں اور اس بلیک کلر کی فائل ان کے پاس ہو تو وہ لے کر آئیے۔'' انہوں نے اس کو ہدایات دیں۔ وہ فائل لے کر کمرے سے نکل گئی۔ فہد کے چیمبر میں پہنچی۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔

''مسٹر فہد!'' اس کو متوجہ کرنے کے لیے اس نے مخاطب کیا۔

''جی فرمائیے؟'' اس کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''وہ سر نے یہ فائل دی ہے اور کہہ رہے ہیں کہ سلطان آرکیڈ کے میٹنگ ڈائریکٹر کو ای میل کر دیں اور ان سے میٹنگ کی ٹائمنگ فکس کر لیں۔'' اس نے ہو بہو ساری بات ایک ہی سانس میں اس کے گوش گزار کر دی۔

''آپ کی بات مکمل ہو گئی۔ اور کچھ بھی کہا ہے انہوں نے۔'' اس نے دراز کی جانب جھکتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں اور کچھ تو نہیں کہا۔''

''میں نے سلطان آرکیڈ کو ای میل کر دی تھی اور کل صبح گیارہ بجے ان کے میٹنگ ڈائریکٹر احتشام آفریدی صاحب سے میٹنگ ہے اور یہ فائل میں نے کمپلیٹ کر دی ہے یہ لے جائیے۔'' اس نے دراز سے نکال کر فائل آگے بڑھائی۔ وہ تو اس کی ذہانت کی معترف ہو گئی تھی کیونکہ اس نے فائل اس کے حوالے کر دی تھی۔

''کس قدر ذمہ دار ہے فہد۔'' وہ سوچتی ہوئی واپس عبداللہ صاحب کے روم میں چلی آئی۔ فہد نے اسے جو کچھ بتایا تھا وہ اس نے عبداللہ صاحب کو بھی آگاہ کر دیا۔

''اوکے مس آئمہ! اب آپ گھر چلی جائیے ویسے بھی آج کافی دیر ہو گئی ہے آپ کو۔'' انہوں نے گلاس وال سے شام کے بڑھتے ہوئے اندھیرے کو دیکھا۔

''اوکے سر!'' اس نے اپنی ٹیبل پر آ کر بکھرے ہوئے پیپرز اور فائل کو ٹھیک طرح سے رکھا اور ٹیبل کی سائیڈ پر رکھے پرس کو کاندھے پر لٹکا کر انہیں خدا حافظ کہتی ہوئی باہر نکل آئی۔

☆☆☆

آج تو وہ کچھ زیادہ ہی لیٹ ہو گئی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ بابا کی گاڑی اسے پک کرنے نہ آ سکی تھی۔ اس لیے اس کو بس سے جانا پڑا۔ ساڑھے دس بجے وہ آفس پہنچی۔ معمول کے مطابق اس نے سب سے پہلے سر عبداللہ کے روم کی راہ لی۔ ان کی سیٹ خالی تھی۔ وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی کہ وہ کیوں نہیں آئے کیونکہ تین مہینے میں ایک بار بھی تو ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ یہ جاننے کے لیے روم سے باہر نکل آئی۔

''آج سر نہیں آئے کیا؟'' اس نے مسز اسلم کے چیمبر کا دلیز پر رک کر پوچھا۔

''ان کے کسی عزیز کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اس لیے آ ستہ ہی چلے گئے۔'' مسز اعظم نے اس کی پریشانی و حیرانی کو بھانپتے ہوئے تفصیل سے آگاہ کیا۔

''مگر آج تو میٹنگ ہے گیارہ بجے۔'' اس نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''ڈونٹ وری، میں سر سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔'' وہ اس کو تسلی دیتے ہوئے فون ملانے لگیں۔ کافی دیر تک انہوں نے ٹرائی کیا مگر رابطہ نہ ہو سکا۔

''مس آئمہ!'' اسی وقت فہد کی آواز نے متوجہ کیا۔

''جی۔'' وہ پلٹی۔

''سر عبداللہ نے ابھی فون کر کے بتایا ہے کہ وہ میٹنگ کے لیے نہیں آسکیں گے۔''

''تو پھر کیا ہوگا میٹنگ کا؟'' وہ متفکر ہولی۔

''انہوں نے کہا ہے کہ میں اور مس آئمہ آپ میٹنگ ڈیل کرلیں۔'' اس نے مزید بتایا۔

''جی!'' وہ حیران ہولی۔

''Any problem Miss Aima?'' اس کی حیران سی صورت دیکھ کر اس نے دریافت کیا۔

''No۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو چلیے۔'' اس کے کہنے پر اس نے قدم بڑھا دیے۔

''ڈرائیور کہاں ہے؟'' آئمہ نے ڈرائیور کی عدم دستیابی پر فہد سے پوچھا۔

''وہ سر کے ساتھ [illegible] تھا۔''

''اوہ اچھا۔'' فہد نے [illegible] فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے والا تھا کہ اس کو پیچھے کا دروازہ [illegible] دیکھ کر [illegible] ٹھٹکا۔

''مس آئمہ! آپ کو فرنٹ سیٹ پر [illegible] پرابلم ہے؟''

''جی!'' وہ چونکی پھر آہستگی سے سر [illegible] ہلایا۔

''پھر آپ فرنٹ سیٹ پر آئیے۔'' اس کے [illegible] کا دروازہ بند کر کے فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی۔

''[illegible] آپ مائنڈ نہ کیجیے گا۔ میں نے ایسا [illegible] کہا ہے کیونکہ سب آفس ورکرز میں شامل ہیں اور [illegible] ضروری سمجھتا ہوں کہ (سلطان آرکیڈ) [illegible] احمد رضوی صاحب ایسی باتوں کو بہت اہمیت دیتے [illegible]'' [illegible] دیکھ کر اس نے وضاحت کی۔

[illegible] اسے [illegible] وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا اور وہ بھی بالکل چپ چاپ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ نہ جانے کیوں اس کے [illegible] ہوتے وہ کنفیوز سی ہو جاتی۔ اسے خود معلوم تھا۔ اس کے سامنے عجیب ہی [illegible] طاری ہو جاتی اسے [illegible] تھی۔ اسی طرح خاموشی سے تمام سفر کٹ گیا۔ میٹنگ کے بعد جب واپسی کی طرف گامزن تھے۔ اس [illegible] روٹ پر ڈالی تو وہ چونک گئی۔ اس کی ہمت نہیں ہو رہی [illegible] اس سے پوچھے۔ پھر بھی اس نے پوچھا۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں یہ آفس کا تو روٹ نہیں ہے۔'' [illegible] ڈوبی ہوئی آواز کو کسی قدر بہتر بنایا تھا۔

''آپ کیا سمجھ رہی ہیں میں آپ کو کہاں لے کر جا رہا ہوں؟'' [illegible] لہجہ کو بھانپتے ہوئے اس نے جواب دینے کے بجائے اسی سے سوال کیا۔

''کیا میں آپ کو شکل سے ایسا دکھائی دیتا ہوں؟'' اس کو خاموش دیکھ کر اس نے دلچسپی سے پوچھا۔
''دیکھنے میں تو انتہائی شریف انسان نظر آتا ہے یہ پھر یہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کہیں یہ مجھے......'' اس سے آگے اس سے سوچا نہ گیا۔ وہ اس کے جواب کا منتظر تھا لیکن وہ اس سے بے خبر سوچ میں گم تھی۔
''کیا میں آپ کو شکل سے ایسا نظر آتا ہوں۔'' اس نے پھر پوچھا۔
''جی!'' وہ چونکی۔ اس نے حیرت سے دیکھا۔
''جی نہیں۔'' وہ جی کہتے ہوئے جلدی سے بولی۔ وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا وہ گھبراہٹ میں انگلیاں بری طرح مروڑ رہی تھی۔ اس کو مزید پریشان کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اس نے اصل بات سے آگاہ کیا۔
''یہ آفس کا راستہ ہے آپ پریشان مت ہوں۔ ہم آفس ہی جا رہے ہیں۔'' اس نے اس کی جانب نگاہ ڈالی۔ اگلے ہی پل اس کے چہرے پر اطمینان سا نظر آیا۔ تھوڑی دیر سفر خاموشی سے کٹا پھر اس نے سکوت کو توڑا۔
''مس انعم ایک بات پوچھوں؟''
''پوچھیے۔'' وہ اب قدرے بہتر تھی۔
''آپ نے ایسا کیوں سوچا کہ میں آپ کو کہیں اور لے جا رہا ہوں؟'' اس کے لہجے میں اشتیاق تھا جس سے وہ بے خبر تھی وہ اپنی گھبراہٹ کو دور کرنے کی کوشش میں مگن تھی۔
''مجھے نہیں معلوم کہ آپ کیسے ہیں۔'' اس کے بولنے پر اس نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔
''اکثر بظاہر نظر آنے والی حقیقت باطن سے مختلف ہوتی ہے اگر خالی ڈبے کو کسی خوبصورت کاغذ میں لپیٹ دیا جائے تو ہمیں دیکھنے میں محسوس نہیں ہوگا کہ یہ خالی ہے لیکن جب ہم اسے اٹھائیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا یہ اندر سے بالکل خالی ہے۔ کیونکہ ہر چمکتی چیز کو سونا نہیں کہا جا سکتا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''ٹھیک کہتی ہیں آپ۔'' اس نے تائید کی۔
''چلیں ہم آپ کی نظر میں اتنے تو ہیں۔'' یہ بات اس نے صرف سوچی تھی کہی نہیں۔
جانے کیوں اس کے ساتھ سفر کرنے میں خوشی محسوس کر رہا تھا وہ۔ یوں ہی ان کا سفر اختتام پذیر ہو گیا۔ آفس پہنچ کر سب سے پہلے انہوں نے سر کے بارے میں پوچھا تو ان کی موجودگی کا سن کر وہ ان کے کمرے میں حاضر ہوئے۔
''آج تو کیا رزلٹ رہا؟'' انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھا۔
''رزلٹ تو وہی ہے جو ہونا چاہیے تھا۔'' فہد نے ان کے سامنے براجمان ہوتے ہوئے کہا پھر وہ دونوں ان کو میٹنگ میں ہونے والی ڈسکشن کی تفصیل بتانے لگے۔

☆☆☆

آفس کی طرف سے پہلی بار اس کو بونس ملا تھا۔ اس نے والدہ، شہباز بھائی، تایا جان اور حتیٰ کہ تائی جان کے لیے بھی کچھ نہ کچھ خرید لیا تھا۔ وہ ہاتھ میں بڑا سا شاپنگ بیگ لیے داخل ہوئی تو لاؤنج میں بیٹھے شہباز بھائی حیرت سے بولے۔
''ارے بھئی! یہ کیا ہے؟''
''میرے خیال میں آپ کی آنکھیں سامنے دیکھ رہی ہیں۔'' اس نے شاپرز کارپٹ پر ڈھیر کرتے ہوئے ان ہی کا کہا

جملہ دہرایا۔

"ہوں تو ہماری بلی ہمیں کو میاؤں۔"

"شہباز بھائی سب باتوں کو چھوڑیے اور یہ دیکھیے۔" اس نے شاپرز کے درمیان سے ایک ڈبہ نکال کر انہیں تھمایا۔

"ارے کیا ہے یہ؟" وہ اس کے ہاتھ سے ڈبہ لیتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"ارے آپ دیکھیے تو سہی۔"

"واؤ یہ شرٹ لائی ہو میرے لیے۔" ڈبے سے اس کے فیورٹ بلیو کلر کی شرٹ برآمد ہوئی تو وہ خوشدلی سے اس کا شکریہ ادا کرنے لگا۔

"تھینک یو سو مچ آئمہ!" اس کی خوشی کو دیکھ کر اسے بہت اچھا لگا۔

"یہ ولید کہاں ہے نظر نہیں آ رہا؟" اس نے ادھر ادھر تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔

"مجھے کس نے یاد کیا؟" وہ تولیے سے بال رگڑتا ادھر ہی چلا آیا۔

"لو نام لیا اور شیطان حاضر۔" شہباز نے اس کو آتا دیکھ کر شرارت سے کہا۔

"جی جہاں شیطان کے سربراہ موجود ہوں وہاں حاضری تو دینی پڑے گی۔" وہ بھی اسی کی طرح جواب دیتا نیچے کارپٹ پر ہی بیٹھ گیا جہاں آئمہ اپنی شاپنگ پھیلائے ہوئے تھی۔

"ولید! یہ تمہارے لیے۔" اس نے ایک ڈبہ اس کی جانب بڑھایا۔

"میرے خیال میں میری سالگرہ گزر چکی ہے اور عید بھی ابھی دور ہے۔" وہ سوچتے ہوئے بولا۔

"بھئی زیادہ سوچنے سے دماغ پر زور مت ڈالو۔" اس نے شرارتی لہجے میں کہتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"مجھے بونس ملا ہے اس لیے لائی ہوں، اگر تمہیں نہیں چاہیے تو تم مت لو۔" اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا۔

"ارے نہیں آپ اتنی محبت سے لائی ہیں تو میں انکار کیوں کروں۔" اس نے جھٹ اس کے ہاتھ سے ڈبہ لے لیا۔

"واؤ فیورٹ پرفیوم چارلی ہو۔" وہ خوشی سے پھول گیا۔

"تھینک یو آپی آپ تو بہت اچھی ہیں۔" وہ مشکور ہوا۔

"وہ تو میں ہوں۔" وہ اترا کر بولی۔

"تایا جان اور تائی جان گھر میں نہیں ہیں کیا؟" ان کا خیال آیا تو پوچھا۔

"گھر میں ہی ہیں اور ابھی..." وہ بتا ہی رہا تھا کہ تایا جان چلے آئے۔

"ارے بیٹا آ گئیں تم..." اس کو دیکھتے ہی وہ پوچھنے لگے۔

"جی تایا جان! ابھی آئی ہوں اور دیکھیے تایا جان میں کیا لے کر آئی ہوں آپ کے لیے۔" اس نے ان کے لیے لائی ہوئی جائے نماز دیتے ہوئے بتایا۔

"مجھے معلوم تھا کہ ہماری چھوٹی سی گڑیا سب کے لیے تحائف لائے گی۔" انہوں نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم نے ہمیشہ صرف دیا تھا آج تم سے لے بھی لیا۔" خوشی کے رنگ ان کے چہرے پر بھی نمایاں ہو گئے۔

"تایا جان! آپ کو گفٹ پسند آیا؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"کیوں نہیں بیٹا! بہت پسند آیا ہے۔"

"ارے بھئی! کیا ہو رہا ہے یہ گھر کو کیوں پھیلا رکھا ہے۔" آمنہ بیگم حسب عادت شور مچاتی ہوئی آئیں۔

"تائی جان! یہ میں آپ کے لیے لائی تھی۔" ان کے آتے ہی اس نے شاپر آگے کر دیا۔ انہوں نے شاپر سے شال نکال کر دیکھی۔

"ہوں زیادہ معیاری نہیں ہے۔" انہوں نے حقارت سے اس کی لائی ہوئی شال کو دیکھا۔ اسے معلوم تھا تائی جان کبھی بھی خوش نہیں ہوں گی، لیکن اس طرح کا رویہ اس کے لیے غیر متوقع تھا۔

"چلیے حقیر تحفہ سمجھ کر ہی قبول کر لیجیے۔" اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ مزید کچھ نہ بولیں بس ایک تلخ سی نگاہ اس پر ڈال کر رہ گئیں۔ وہ مزید وہاں نہیں رکی، جانتی تھی وہ اس کے جاب کرنے کی کس قدر خلاف ہیں پھر وہ کیونکر اس کی لائی ہوئی شے کو پسند کر سکتی ہیں۔

"آمنہ! اگر تم اس کے لائے ہوئے تحفے کو خوشی سے قبول کر لیتیں تو کیا ہو جاتا۔" وہ ان کو ناگواری سے گھورتے ہوئے بولے۔

"آپ ہی کو مبارک ہوں اس کے لائے ہوئے تحفے۔ اتنی سستی اشیا کبھی میری نگاہوں میں نہیں ٹھہر سکتیں۔" انہوں نے نخوت سے کہتے ہوئے شال کو پرے پھینکا۔

"آمنہ! تحفہ زر سے نہیں محبت سے خریدا جاتا ہے خلوص اور محبت اہمیت رکھتی ہے نہ کہ تحفے کی قیمت۔" انہوں نے تیز لہجے میں انہیں سمجھایا پھر جھڑک کر بولے۔

"ہاں مگر یہ بات سمجھنے کے لیے بھی ایک حساس دل چاہیے تم جیسے کٹھور انسان ایک بات بھلا کہاں سمجھ سکتے ہیں۔" وہ تلخی سے کہتے ہوئے کمرہ چھوڑ گئے۔ ولید اور شہباز تو پہلے ہی جا چکے تھے۔

☆☆☆

"مس آئمہ! آپ نے جو لیٹر لکھا ہے اس میں کافی مسٹیکس ہیں آپ ایسا کریں یہ لیٹر آپ فہد کو دے دیجیے۔" وہ ان کی ہدایات کو نوٹ کرتی ہوئی کمرے سے باہر کی جانب بڑھی ہی تھی کہ سر نے پکارا۔

"سنیں مس آئمہ!" وہ واپس پلٹ آئی۔

"آج آپ کو جلد چھٹی چاہیے تھی نا؟" انہوں نے پوچھا۔

"یس سر!" اس نے سر ہلا کر تصدیق کر دی۔

"مسٹر ریحان اور اجمل صاحب کو میرے کمرے میں بھیج دیجیے گا اور لیٹر لکھوا کر بھیجے گا اس کے بعد آپ گھر چلی جایئے گا اوکے۔"

"اوکے سر!" پھر وہ باہر نکل آئی۔

"مسٹر ریحان اور اجمل صاحب آپ دونوں کو سر بلا رہے ہیں۔" ان دونوں کو مطلع کرتی ہوئی وہ فہد کے چیمبر میں چلی آئی۔

"فہد صاحب! سر نے یہ لیٹر دیا ہے اس کو آپ ٹائپ کر دیں۔" وہ سامنے رکھی چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولی اور لیٹر اس کی ٹیبل پر رکھ دیا۔

"کیا ابھی چاہیے؟" اس نے بدستور کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے مصروف انداز میں پوچھا۔

"جی!"

"لائیے۔" اس نے ٹیبل سے لیٹر اٹھایا۔ جب تک وہ ٹائپ کرتا وہ خاموش بیٹھی رہی۔ ایک لمحے کو رک کر

اس نے آئمہ کی جانب دیکھا۔ وہ نظریں جھکائے جانے کس سوچ میں غرق تھی۔

"عبداللہ صاحب اس پر کس قدر اعتماد کرنے لگے ہیں اس دن میٹنگ پر انہوں نے مجھے اس کے ہمراہ بھیجا تھا حالانکہ ریحان اور راحیل صاحب بھی تو موجود تھے مگر فہد......"

"یہ لیجیے۔" وہ اس کو نہ پکارتا تو وہ اور نہ جانے کیا کیا سوچتی رہتی۔ اس نے غالباً کام ختم کر لیا تھا۔

"تھینک یو۔ لائیے۔" اس کے ہاتھ سے لیٹر لے کر اس نے سر عبداللہ کے حوالے کیا۔ سر پر اسکارف کو درست کرکے، کندھوں پر بیگ لٹکائے وہ جانے کے لیے تیار تھی۔

"اب جاؤں سر!" ان کی اجازت کی منتظر وہ ان کی ٹیبل کے پاس کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"جی بالکل۔" انہوں نے فائل سے سر اٹھا کر اسے اجازت دی۔ انہیں الوداع کہتی وہ باہر نکل آئی۔ تایا جان نے اسے جلدی آنے کا کہا تھا دراصل دونوں کا آؤٹنگ کا پروگرام تھا۔ اتفاق تھا کہ آئمہ کے نکلتے ہی فہد بھی نکلا تھا۔ اس کے پیچھے جاتا دیکھ کر تمام ورکرز نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور پھر بے نیازی سے کاندھا اچکا کر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔

آفس چھٹی منزل پر واقع تھا۔ لہٰذا آنے جانے کے لیے لفٹ استعمال ہوتی تھی۔ اس نے لفٹ کا بٹن دبایا اور اندر داخل ہو گئی اس کے ساتھ ہی فہد بھی داخل ہو گیا۔ آئمہ اس کو دیکھ کر چونکی تھی۔

"آفس ٹائم تو پانچ بجے ختم ہوتا ہے یہ جلدی واپس کیوں جا رہا ہے؟" وہ ابھی سوچ میں غرق تھی کہ لفٹ یکدم رک گئی اور تمام لائٹس آف ہو گئیں۔ غالباً لائٹ چلی گئی تھی۔

"یہ کیا ہو گیا؟" وہ گھبرا کر بولی۔

"میرے خیال میں لائٹ چلی گئی ہے۔"

"ان ایک تو کراچی میں لوڈشیڈنگ بہت ہوتی ہے۔" فہد کے کہنے پر لفٹ میں کھڑے بڑے صاحب نے اپنی [illegible] لفٹ میں بالکل اندھیرا ہو گیا تھا بس دھندلی دھندلی سی پرچھائیں سی دکھائی دے رہی تھیں۔

"اب کیا ہو گا؟" آئمہ نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

"اطمینان رکھیے ابھی لائٹ آ جائے گی۔" فہد نے [illegible] تسلی دی حالانکہ اس بات کا علم خود اسے بھی تھا کہ لوڈشیڈنگ کتنی طویل ہوتی ہے۔

"میرا تو دم گھٹنے لگا ہے اس اندھیرے میں۔" وہ روہانسی ہوئی۔ اس کی موجودگی سے وہ پہلے ہی گھبرا رہی تھی اوپر سے اس [illegible] احساس کر رہا تھا۔

"میں کیا کروں؟ ابھی لائٹ آ جائے گی۔" فہد اس کی روہانسی آواز پر گھبرا سا گیا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی لیکن اس سے پہلے اندھیرا اس کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ وہ اس گھٹن سے گھبراتے ہوئے پھر بولی۔

"کب آئے گی یہ لائٹ؟" اس کی آواز کی لرزش سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نے اب باقاعدہ رونا شروع کر دیا ہے۔

"آپ رو رہی ہیں؟" اس نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو، میں رو تو نہیں رہی۔" اس نے گلوگیر لہجے میں [illegible] اعتبار نہیں آ رہا تھا وہ صاف صاف رونے سے انکار کر رہی تھی۔

"میرا دم گھٹ رہا ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے رو دی۔

"آپ فکر نہ کریں میں ہوں نا آپ کے ساتھ۔" اس نے اعتماد سے کہا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔
"میرا مطلب ہے کہ ہم بھی تو آپ کے ساتھ اسی لفٹ میں بند ہیں۔" اس نے گڑبڑاتے ہوئے بات بنائی۔
"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ کے ہسبنڈ۔ ابھی آجائے گی لائٹ۔ آپ فکر نہ کریں۔" بڑے صاحب بھی ان کی گفتگو میں شامل تھے۔
"جی یہ میرے ہسبنڈ..." ابھی وہ پوری بات نہ کہہ پائی تھی کہ لائٹ آگئی۔
"یہ لیجیے لائٹ آگئی۔ آپ تو یونہی پریشان ہو رہی تھیں۔" بڑے صاحب لائٹ آجانے پر فوراً بولے۔ وہ اب تک وہی لفظ میں اٹکی ہوئی تھی اور فہد بھی کچھ خجل سا ہو گیا۔
"آپ دونوں یہاں جاب کرتے ہیں؟" بڑے صاحب نے فہد کی طرف دیکھتے ہوئے اشتیاق سے پوچھا۔
"جی ہاں۔" فہد نے سر ہلایا۔ اس نے آنیہ کی جانب دیکھا۔ غصے اور خفگی کے ملے جلے تاثرات لیے وہ اسے گھور رہی تھی۔ اسے سخت غصہ آرہا تھا کہ اس نے ان کی بات کی تردید کیوں نہیں کی بلکہ وہ ان کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ حالانکہ وہ تو خود بوکھلا کر رہ گیا تھا ورنہ وہ بھی ان کی بات کی تردید کرنا چاہتا تھا مگر موقع ہی نہ مل سکا کہ وہ تردید کرتا۔ اسی دوران وہ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ وہ ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر سب سے پہلے لفٹ سے باہر آئی جبکہ وہ بڑے صاحب سے مصافحہ کرنے کے بعد اس کے پیچھے گیا تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ بھی بڑے بڑے ڈگ بھرتا اس کے پیچھے آیا مگر اس کی کار آگے جا چکی تھی۔

☆☆☆

گھر آکر اس کا موڈ اب قدرے بحال ہو گیا تھا لیکن دل میں یہ بات کہیں کھٹک رہی تھی۔ وہ چاہتی تو اس بات کو بھول جاتی مگر دل تھا کہ اس واقعے کو ذہن سے نکالنے پر آمادہ نہ تھا۔ بلند تھا کہ اسے وہ ... بالوں میں برش کر کے نیچے آئی جہاں تایا جان اس کے منتظر تھے۔ وہ دونوں ٹائم ضائع کیے بغیر باہر نکل گئے۔ وہ حسب معمول بالکل خاموش سوچ میں گم تھی۔ سارے راستے ان کی باتوں پر وہ ہوں ہاں کرتی رہی۔ ... انہوں نے اس سے پوچھا۔
"بیٹا! کیا منگواؤں تمہارے لیے۔"
"جو آپ کا دل چاہے منگوا لیجیے۔" اس نے ان کی مرضی پر چھوڑ دیا۔
"اچھا چلو آج ہم اپنی پسند سے آرڈر کیے دیتے ہیں۔" انہوں نے ویٹر کو آرڈر دیا اور کچھ ہی دیر میں ان کا آرڈر لے کر حاضر ہو گیا۔ کھانے کے دوران بھی وہ باتیں کرتے رہے جبکہ وہ سر ہلاتی رہی۔
"ارے بیٹا! ٹھیک سے کھاؤ نا۔" اس کو چمچ سے کھیلتے دیکھ کر وہ ٹوکے بغیر نہ رہ سکے۔
"کیا اچھا نہیں لگا کھانا۔" انہوں نے پوچھا۔
"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس نے گلاس اٹھاتے ہوئے انکار کیا۔ وہ اس کی بات سے مطمئن نہ ہوئے تھے۔ ضرور کوئی بات تھی جو وہ چپ چپ سی تھی۔ واپسی کے سفر کے دوران ...
"بیٹا! کیا بات ہے آج بہت چپ چپ لگ رہی ہو؟" ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے جمائے انہوں نے اس سے دریافت کیا۔
"نہیں تو۔" اس نے بدستور انکار کیا۔
"کوئی بات تو ہے بیٹا! طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" انہوں نے اس کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی تایا جان۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تو پھر کیا بات ہے؟" وہ کریدتے ہوئے بولے۔ پھر خود ہی کہنے لگے۔

"میرے خیال میں کام کی زیادتی نے تمہیں تھکا دیا ہے۔ تم آرام بھی تو نہیں کرتیں۔ آفس سے آتے ہی گھر کے کاموں میں لگ جاتی ہو تھکن تو ہو گی ہی۔ بیٹا! تم کچھ دنوں کے لیے آفس سے چھٹی لے لو۔ ریسٹ کرو کچھ دن۔" انہوں نے محبت سے اسے مشورہ دیا۔

"جی تایا جان!" اس نے ہامی بھری۔

گھر پہنچنے کے بعد اس نے سیدھی کمرے کی راہ لی۔ سونے کے لیے لیٹی تو وہی منظر بار بار نگاہوں کے سامنے آنے لگا۔ بدلی باتیں، اس کا لہجہ اور پھر اس کا جملہ بار بار ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

"میں ہوں نا آپ کے ساتھ۔" اس کی گمبھیر آواز اب بھی اس کی سماعت میں گونج رہی تھی۔ یہ عام سی بات تو نہ تھی اور نہ ہی وہ لہجہ عام تھا۔ یہ بات کوئی یوں ہی تو نہیں کہا کرتا۔ کیا وہ میرے لیے خاص جذبات رکھتا ہے؟ یہ سوال بار بار وہ خود سے کر رہی تھی۔ دل تو اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ اس میں خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کی آنکھوں میں چھپی وہ ان کہی باتیں جو اس کے دلی جذبات کی آئینہ دار تھیں انہیں وہ کوئی پڑھ سکتی تھی۔ وہ چہرہ شناس نہ سہی لیکن لفظوں اور رویوں کو پہچاننے کا تھوڑا بہت ہنر ضرور رکھتی تھی۔

"کیا وہ بھی میرے لیے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اور مجھے بھی اس......" اس نے دل کو ٹٹولا۔ دل اس کے نام پر عجیب طرح دھڑک اٹھا۔ محبت یوں اچانک ہو جاتی ہے۔ وہ صرف کتابوں اور افسانوں میں پڑھتی آئی تھی لیکن وہ خود بھی محبت کے لفظ سے آشنا ہو گی یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اس کی بولتی آنکھیں اس کی نگاہوں میں گھوم گئیں۔ آنکھیں بھی عجیب شے ہوتی ہیں یہ تو دل کی تمام باتیں عیاں کر دیتی ہیں۔ اور محبت جیسی سچائی تو آنکھوں سے جھلک جایا کرتی ہے۔ کسی کی نظر میں اپنا آپ خاص ہونا خود کو کتنا معتبر بنا دیتا ہے۔ وہ ساری رات اسی بارے میں سوچتے ہوئے گزار دی۔

☆ ☆ ☆

آج سر نے تمام اسٹاف کو میٹنگ کے لیے بلایا تھا۔ میٹنگ روم میں سب جمع تھے۔ اتفاق تھا کہ فہد کے بالکل سامنے کی چیئر پر وہ اس کے روبرو تھی۔ خود پر اس کی حقیقت سے آشکار ہونے کے بعد اس کے لیے فہد کا سامنا کرنا مشکل ہو رہا تھا وہ جتنا اس سے کترا رہی تھی وہ اتنا ہی سامنے آ رہا تھا۔ اور اد ھر فہد اس کے کترانے کو نفی کا نام دے رہا تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اس دن کی بات پر خفا ہے۔ اس نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اس نے بھی ٹھیک اسی وقت اس کی جانب دیکھا نگاہیں چار ہوئیں۔ میٹنگ کے دوران بھی وہ غائب دماغی سے سر عبداللہ کی باتیں سن رہی تھی کی عدم توجہی کو انہوں نے بھی نوٹ کر لیا تھا تبھی اس کو ٹوک بیٹھے۔

"miss Alma Any Problem with you?"

"No Sir!" وہ فوراً بولی۔

وہ سر ہلا کر دوبارہ اپنی بات Continue کرتے ہوئے تمام اسٹاف کی جانب متوجہ ہو گئے۔

میٹنگ کے بعد وہ اسی انتظار میں تھا کہ اس سے Excuse کر سکے مگر ایسا موقع ہاتھ نہیں آ رہا تھا وہ سر عبداللہ کے روم میں گئی ہوئی تھی۔

"مس آلما!" وہ فائل میں کچھ لکھ رہی تھی جب سر نے پکارا۔

"جی سر!"

"آپ ارشد صاحب سے فائل لے کر آیئے اور فہد...." وہ ابھی کچھ بول ہی رہے تھے کہ فہد کے نام پر اس کا دل دھڑک اٹھا۔ "مسٹر فہد سے ڈاکومینٹس کی فائل لا دیجئے۔"

ان کی ہدایات بغور سنتے ہوئے وہ سر کے روم سے باہر نکل آئی۔ وہ پہلے ارشد صاحب سے فائل لے کر سر کو دے آئی۔ پھر وہ آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے چیمبر کی جانب بڑھ گئی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ واپس چلا جائے لیکن وہ جھجکاہٹ کا مقابلہ کرتی اس کے چیمبر کی دہلیز پر رک گئی۔ وہ اس کی موجودگی سے بے نیاز اپنے کام میں مشغول تھا۔ اس نے قدرے جھجکاہٹ سے پکارا۔ "فہد صاحب!"

"ارے آپ!" اس نے فائل سے نظریں اٹھا کر حیرانی کا اظہار کیا۔

"سر نے ڈاکومینٹس کی فائل منگوائی ہے۔" اس نے وہیں دہلیز پر کھڑے کھڑے سر کا پیغام پہنچایا۔

"آپ اندر آجائیے۔" اس کے کہنے پر وہ اندر چلی آئی۔

"بیٹھیے۔" اس کو کھڑا پا کر اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جی بس میں ٹھیک ہوں۔" اس نے انکار کیا اس نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس سے بہتر موقع شاید نہ ملتا۔ اس لیے فہد نے Excuce کرنے کے لیے اس کو اور رکتے ہوئے بات کرنے کی ٹھانی۔

"مس آمنہ! کیا آپ اس دن والی بات پر ناراض ہیں؟" اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"جی!.... جی نہیں تو۔"

"تو پھر؟"

"تو کیا؟" اس کی ادھوری بات کا مفہوم نہ سمجھتے ہوئے اس کو دیکھا۔

"ایسی کوئی بات ہے تو آئی ایم سوری کہ آپ کو میری وجہ سے تکلیف ہوئی۔" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔

"نہیں او کے۔ گزری ہوئی بات کو کیا دہرانا۔" اس کو شرمسار دیکھ کر وہ روسانی سے بولی۔

"اب تو آپ ناراض نہیں؟" اس نے اس کے چہرے کو کھوجا۔ اس کا اثبات میں ہلتا سر دیکھ کر اسے بہت اطمینان حاصل ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں مسلسل فرش پر جمی تھیں۔

"آپ فائل دے دیجیے۔" اس نے یاد دلایا۔ زیادہ دیر اس کے روبرو رہنا اس کے لیے محال ہو رہا تھا۔

"جی یہ لیجیے۔" اتنے میں چپراسی سر عبداللہ کا حکم لے کر حاضر ہوا۔

"آمنہ بی بی! سر آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"تم چلو۔ میں آرہی ہوں۔" اس کو کہتی وہ اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکل آئی۔ جبکہ فہد تمام کاموں سے ہاتھ روک کر اس کے بارے میں سوچتا رہ گیا۔

☆☆☆

آج اس نے سوچا تھا ندا سے فون پر بات کرے گی اپنے دل کو کھول کر اس کے آگے رکھ دے گی لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے ریسیور واپس کریڈل پر ڈال دیا اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔

"کیا مجھے ندا کو اپنے دل کی حالت سے آگاہ کر دینا چاہیے۔"

"نہیں۔" دل کے کسی گوشے سے آواز ابھری تھی۔

"اس محبت کا کیا انجام ہوگا کبھی سوچا ہے تم نے۔" اس نے خود سے سوال کیا۔

[illegible] ایفورڈ کرسکتی ہو تم۔ اور تایا جان جو سب اتنا اعتماد کرتے ہیں، یہاں اب جنہیں تم پہ وہ وعدہ جو تم نے ان سے کیا تھا ایک ہی جھٹکے سے توڑ دو گی تم کیا ان کا یہ مان، اعتماد پارہ پارہ ہو کر نہ بکھر جائے گا۔" دماغ نے اس [illegible] طرح جھنجوڑا۔ "اور تایا جان اگر ان کو اب بات کی ذرا سی بھی بھنک مل گئی تو اس گھر میں وہ طوفان اٹھے گا جو پچھلے بنیادوں کو ہلا کر رکھ دے گا۔ اور تمہیں محبت کرنی چاہیے۔ نہیں۔۔۔ تمہیں آخر نہیں۔" ذہن نے ایک نئی حقیقت سے آشنا کیا۔

"[illegible] میرا [illegible] بے ذلت ہے خود کو باغی کہلوانے کے مترادف ہے یہ محبت۔"

"کیا محبت کرنا میرا حق نہیں ہے۔ میں ایک جیتی جاگتی انسان ہوں کیا میری ذات صرف دوسروں کی اطاعت کرنے کے لیے ہے کیا میں دوسروں کی مرضی کے مطابق جیوں۔ محبت تو ہو گئی ہوتی ہے وہ یہ نہیں جانتی کہ ہم اسے عملی طور پر حاصل کر سکیں گے یا نہیں۔" دل نے دلیل دی۔

"کیا تم تایا جان کا مان توڑ کر خود کو سرکش کہلوانا پسند کرو گی۔ وہ تایا جان جنہوں نے تمہیں اولاد کی طرح سمجھا وہ تایا جان جنہوں نے دنیا کی سرد و گرم سے بچا کر تمہیں بھرپور تحفظ فراہم کیا، دنیا کی ہر آسائش مہیا کی۔ ان کے تمام احسانات فراموش کر کے محبت کو حاصل کرنے کے لیے باغی ہو جاؤ گی۔" اس نے خود سے سوال کیا۔ ذہن و دل کی اس [illegible] میں وہ بری طرح الجھ کر رہ گئی۔ اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ غور و فکر میں تمام رات کٹ گئی۔ اس کا نتیجہ۔ [illegible] کہ وہ صبح بری طرح بخار میں پھنک رہی تھی۔ اس حالت میں آفس جانا اس کے لیے ناممکن تھا۔ [illegible] کی غیر موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے تایا جان خود اس کے کمرے میں چلے آئے۔

"[illegible] ہوا بیٹا؟" اس کو بیڈ پر لیٹا دیکھ کر وہ تشویش سے بولتے ہوئے اس کے نزدیک چلے آئے۔

"[illegible] بہت تیز بخار ہے۔" اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر وہ پریشانی سے کہنے لگے۔

"[illegible] نے تمہیں [illegible] کے لیے چند دن کی چھٹیاں لے لو مگر تم نے بات نہیں مانی۔" وہ محبت سے گلہ کر رہے تھے۔ اس نے [illegible] کی کوشش کی مگر سر میں درد کی شدید لہر اٹھی تو دوبارہ لیٹ گئی۔

"بیٹا! آج آفس سے چھٹی کر لو [illegible] میں تمہارے آفس فون کر دوں گا تم فکر مت کرو۔"

انہوں نے فون کر کے ڈاکٹر کو بلا لیا وہ [illegible] کر کے چلے گئے اس کو تقریباً ایک سو دو بخار تھا۔ [illegible] ٹھیک ہونے والا نہیں تھا ڈاکٹر صاحب [illegible] کی تاکید کی۔ وہ دیر تک وہ کافی [illegible]

"[illegible] بیمار تھیں؟" فرا آندھی طوفان کی طرح اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ حیران ہوئی کہ [illegible] طرح علم [illegible] ہے۔

"میں نے فون کیا تو [illegible] کی طبیعت خراب ہے۔ تو تایا ابو نے فون کر کے بتایا کہ تم بخار چڑھائے بیٹھی ہو۔ تو میں چلی آئی۔" وہ کاندھے سے [illegible] قریب ہی بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟ یوں اچانک سے بخار کیسے چڑھ گیا؟" اس نے تشویش سے گال پر ہاتھ چھوا۔

"کسی کوئی روگ تو نہیں پال لیا تم نے؟" [illegible] نگاہوں سے دیکھا۔

"نہیں بھئی!" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"پھر؟" وہ اس کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"میں مانتا ہی نہیں کہ کوئی چکر ہے ضرور۔" وہ بھی جب جانے بغیر پیچھے ہٹنے والی نہیں تھی۔ وہ خوفزدہ تھی کہ کہیں اس نے اس کے چہرے پر عیاں تحریر نہ پڑھ لی ہو۔ اس کو خاموش پا کر وہ خود ہی بولی۔

"مگر تم ایسی باتوں میں کہاں پڑتی ہو تمہاری تائی جان نے تو تمہارے ذہن و دل کو بھی باندھ رکھا ہے۔"

وہ بھلا کیا بتاتی کہ اس کے ذہن و دل تو پوری طرح محبت میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس قید سے رہائی کس قدر مشکل تھی یہ تو صرف وہی جانتی تھی۔ دل میں اٹھنے والے طوفان سے تو صرف وہ جنگ کر رہی تھی۔ باہر تو مکمل سکون چھایا تھا۔ اس کو گہری سوچ میں غرق دیکھ کر وہ ٹہوکا دیتے ہوئے بولی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔"

"اور یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے تم نے؟" … سر سے پیر تک نگاہ کی تو وہ تشویش سے پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا ہے مجھے ٹھیک تو ہوں۔ آنکھوں …" اس نے بات کے اختتام پر وہ زور سے کھانسی۔

"خاک ٹھیک ہو۔" وہ برہم ہوئی۔

"اپنا ذرا بھی خیال نہیں رکھتیں تم۔ اگر خیال رکھا ہوتا تو یہ حال نہ ہوتا تمہارا۔ لاپروائی کی حد ہی ختم کر دی ہے تم نے۔"

اب اس کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔

"کیا کروں رکھتی تو ہوں خیال۔" اس نے ہونٹوں پر … اس کی طبیعت کو دیکھتے ہوئے وہ بولی۔

"اچھا تم آرام کرو میں پھر آؤں گی۔ اور ہاں اب میں آؤں تو تمہیں بالکل ٹھیک ہونا چاہیے۔" اس کو تنبیہہ و تاکید کرتی وہ باہر نکل گئی۔



رشیدہ خالہ آج کل عابد کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں۔ حالانکہ عابد اسے پاس ہے اچھی جاب کرتا ہے [illegible] اپنے جوڑ کی لڑکی مل ہی نہیں رہی۔" آمنہ بیگم کی اس گفتگو کو وہ بہت سرسری انداز میں سن رہے تھے۔

"تو پھر؟" وہ سمجھ نہ پائے تھے کہ وہ انہیں آخر یہ سب وجہ کیوں بتا رہی ہیں۔

"خالہ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ کوئی رشتہ ہو تو بتاؤں۔ میں نے تو کہہ دیا ہے کہ رشتے تو ہیں لیکن اگر ان کے وارث اجازت دے دیں تو میں بات چلاؤں۔" انہوں نے ذومعنی انداز سے ان کی جانب دیکھا۔ وہ ہاتھ میں پکڑے خالی کپ کو ٹیبل پر رکھتے ہوئے ان کو دیکھنے لگے۔ ان کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات سے بات کی تہہ تک پہنچنے میں بہت مدد ملی تھی۔ وہ جان تو گئے تھے لیکن وہ تصدیق ہونے تک خاموش رہے۔

"کیا آپ نے نمرہ کے لیے کوئی رشتہ دیکھا ہے کہیں۔" انہوں نے بات کا رخ تبدیل کیا۔

"نہیں ابھی تو نہیں دیکھا۔"

"نمرہ کے لیے عابد سے بہتر رشتہ نہیں ہو سکتا ہے میرے خیال میں۔" انہوں نے اپنی بات کے اختتام پر ان کی جانب دیکھا وہ جو اب تک پرسکون بیٹھے تھے ایک دم ہی غصے میں آ گئے۔

"آمنہ! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ وہ پچیس سال کا ادھیڑ عمر کا شخص تمہیں نمرہ کے لیے موزوں لگ رہا ہے۔ ہوش سے کام لو آمنہ۔ کیسی باتیں کر رہی ہو تم!" وہ تیخ پا ہوتے ہوئے بولے۔

"تو کیا عمر بھر کے لیے اپنے سر پہ بٹھائے رکھو۔ جیسے پہلے تھے اس کا رشتہ طے کرنا ہے

ہوا تھے بتے۔ اس کو کیا منہ دکھاؤں گی میں۔" انہوں نے اپنی پیدا کردہ پریشانی سے آگاہ کیا۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا آمنہ یوں ان کی راہ چلنے سے نہیں بیٹھ سکتا میں آمنہ کو۔" کچن سے جاتی آمنہ نے اپنا [illegible] کی۔

"[illegible] نظر میں اچھا ہوگا۔ لیکن تم یہ بات کان کھول کر سن لو میں اس کا رشتہ اس کے جوڑ کا ہی دیکھوں گا تمہیں اس [illegible] کی کوئی ضرورت نہیں۔" تایا جان کی غصے میں بھری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی وہ وہیں فوراً اپنے کمرے میں آکر اپنی قسمت اور بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی تقدیر نے اسے کٹھ پتلی کی مانند بنا کر رکھ دیا تھا سب اپنی مرضی کے مطابق چلانے کے خواہش مند تھے۔

☆☆☆

آفس سے چھٹی لیے اسے چھ دن ہونے کو آئے تھے۔ آفس سے مسز اسلم بھی اس کی خیریت معلوم کرنے آچکی تھیں۔ رمضان کا چوتھا روزہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی تاکید کے مطابق وہ روزے نہیں رکھ رہی تھی۔

وہ اس کی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہی تھی کہ وہ کیا کرے تایا جان اور تائی جان کے درمیان ہونے والی گفتگو نے اسے گہری پریشانی میں ڈال دیا تھا ان کی گفتگو کا اس نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ تائی جان اپنے خالہ زاد بھائی سے اس کا رشتہ جوڑنے پر بضد تھیں اور وہ اس کو جلد از جلد رخصت کر کے اسے اپنے سر سے بوجھ کی طرح اتار پھینکنا چاہتی تھیں۔ تایا جان آخر ان سے کب تک لڑتے۔ اسے تو خود اپنا وجود بوجھ محسوس ہونے لگا تھا۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے کو [illegible] جا رہا ہے۔

"اے اللہ [illegible] کھول دے۔ نصیب کے بند دروازے کھول دے۔ میں نے زندگی میں کبھی تجھ سے کوئی شکایت نہیں کی۔ مجھے کوئی [illegible] بس اب مجھے اور مت آزما میرے پروردگار! میری مشکلوں کو آسان کر دے۔" وہ دعا کرتے ہوئے [illegible] نماز پڑھ کر وہ خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

اس نے افطار کے بعد [illegible] کو فون [illegible]

"کیسی ہو ندا؟" اس نے سلام کے بعد [illegible]

"تم سناؤ کیسی ہو؟" دوسری طرف اس نے [illegible]

"[illegible] کافی بہتر ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"[illegible] کیا بات ہو گئی تمہیں؟" ندا نے تشویش سے پوچھا۔

"[illegible] آج اپنے دل کا سارا غبار نکال دینا چاہتی تھی۔

"[illegible]؟" اس نے [illegible] "اچھا ٹھیک ہے میں ابھی آتی ہوں۔" [illegible]

[illegible] ہو گی۔

"بتاؤ کیا بات ہے؟" اس نے [illegible]

"تائی جان میرا رشتہ طے کرنا چاہتی ہیں [illegible] کے ساتھ۔"

"[illegible]" وہ حیرت سے چیخی۔

"[illegible] تائی جان کا دماغ تو درست ہے۔ [illegible]" اس نے [illegible] لگاتے ہوئے کہا۔

"تم نے کیا فیصلہ کیا؟" اس نے اس کے چہرے [illegible]

''نہیں ہاں تو نہیں کر دی تم نے۔'' آمنہ سے اتنے کچھ بھی بعید نہ تھا وہ ان کے دباؤ میں آ کر کوئی بھی فیصلہ کر سکتی تھی۔

''نہیں ندا! ابھی باقاعدہ رشتہ نہیں آیا ہے۔ لیکن تائی جان اس رشتے کو جوڑنے پر مصر ہیں۔'' اس نے پریشانی سے بتایا۔

''کیا تم سے کچھ کہا انہوں نے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں ابھی تو کوئی بات نہیں کی۔'' اس کے بتانے پر ندا نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔

''شکر ہے تم نے بروقت مجھے مشورے کے لیے بلا لیا۔ ورنہ مجھے تم سے کوئی اچھی امید نہیں ہے۔''

''میں کیا کروں ندا؟'' اس کی نم آنکھوں میں بے بسی تھی۔

''تم فکر مت کرو۔ بہادر بنو آمنہ! لوگوں سے ڈرنا چھوڑ دو۔ حالات سے مقابلہ کرنا سیکھو۔'' اس کی نم آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اس نے رسان سے سمجھایا۔

''تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔ میں کوئی حل نکال لوں گی۔'' آمنہ کے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر اس کو تسلی دی۔

''کیا کرو گی تم؟'' وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

''ایک حل ہے میرے پاس۔ بس تم فکر مت کرو۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔'' اس نے بھرپور اعتماد سے یقین دلایا۔ وہ جبراً و پھیکا سا مسکرا کر اسے مطمئن کر گئی۔

''لیکن تم کرو گی کیا؟'' اس نے سوال کیا۔

''بس یہ تو تمہیں وقت آنے پر ہی پتہ چلے گا۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''اچھا بھئی اب میں چلتی ہوں۔'' وہ بیگ کاندھے پر لٹکائی کھڑی ہو گئی۔

''تم کیا کرو گی ندا؟'' وہ اب بھی پریشان تھی۔

''میں نے کہا نا تم پورا اطمینان رکھو۔ میں نے اس مسئلے کا حل سوچ لیا ہے۔ وقت آنے پر تمہیں خود ہی پتہ چل جائے گا۔'' وہ اس کو حیران و پریشان چھوڑ کر باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

آج وہ جب انطاویٰ کی تیاری کر رہی تھی۔

''آمنہ آپی!'' ولید کے پکارنے پر وہ پلٹی۔

''ندا آپی آئی ہیں۔'' کچن کے دروازے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر اسے مطلع کیا۔

''ندا اس وقت!'' وہ حیران ہوئی۔

''آج تو وہ اپنی امی کے ساتھ آئی ہیں۔'' اس کو مزید حیرت میں ڈال کر کچن سے باہر نکل گیا۔ وہ حیران پریشان اصل صورتحال جاننے کے اشتیاق میں بیسن سے ہاتھ دھو کر ڈرائنگ روم میں چلی آئی جہاں تائی جان، ندا اور اس کی امی براجمان تھیں۔

''السلام علیکم آنٹی! کیسی ہیں آپ؟'' اندر آتے ہوئے اس نے سلام کے ساتھ ہی ان کی خیریت دریافت کی۔

''وعلیکم السلام بیٹا! الحمدللہ میں تو ٹھیک ہوں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''آؤ بیٹا! یہاں آؤ۔'' اس کو کھڑا دیکھ کر انہوں نے اس کے لیے اپنے پاس جگہ بنائی۔ سامنے بیٹھی ندا سے اس نے اشاروں ہی اشاروں میں اصل ماجرا جاننے کی کوشش کی تو ندا اسے نظر انداز کر کے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ پھر کچھ دیر

بیٹھ کر وہ اسے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ آئی۔ کیونکہ افطاری کی تیاری بھی تو پوری کرنی تھی۔ اس کے آتے ہی وہ بے صبری سے پوچھنے لگی۔

"یہ آج تو آنٹی بھی ساتھ آئی ہیں کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ارے اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" اس کی بے چینی کے برعکس وہ اطمینان سے بولی۔

"بتاؤ ندا! کیا بات ہے؟" وہ بے چین ہوئی۔

"ہائے آئمہ! تم تو بہت ہی بے صبری ہو۔ تھوڑا سا صبر نہیں کر سکتی تم۔" اس نے اس کی بے چینی سے مزہ لیا۔

"ندا!" اس نے خفگی سے آنکھیں دکھائیں۔

"اچھی! میں تم سے دوستی ختم کر رہی ہوں۔" اس نے بے تکا سا جواب دیا۔

"کیا!" وہ حیران ہوئی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ مارے حیرت کے بے ہوش ہونے کو تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔ میں تم سے دوستی ختم کر رہی ہوں اور رشتے داری کرنے والی ہوں۔" اس نے تجسس [illegible] اس کی استفہامیہ نگاہوں کو دیکھتے ہوئے وہ بولی۔

"میں اپنی بھابھی بنا رہی ہوں۔" اس نے انکشاف کیا کہ یا دھماکا ہی کر دیا۔

[illegible] اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"ارے [illegible] بہری ہو گئی ہو کیا۔" وہ مزے سے بولی۔

"میں [illegible] بھابھی بنا رہی ہوں۔" اس کے کان کے قریب آ کر اس نے بلند آواز کے ساتھ بات کو دہرایا۔ اس کی [illegible] [illegible] کر اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ندا! کیا تم مجھے [illegible] رہی ہو؟"

"ارے نہیں بے وقوف لڑکی! [illegible]" وہ الٹا اسی سے سوال کرنے لگی۔

"[illegible] مجھے تم جیسی لڑکی مل گئی اپنی بھابھی بنانے کے لیے۔ [illegible] تو کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں [illegible] اس بارے میں۔" اس کے لہجے کی سچائی اس کی [illegible] جھلک رہی تھی۔ اس کو اب مزید یقین [illegible]

"[illegible] بھی تیرے گھر آئی ہیں۔" اس نے شانوں سے تھوڑا جھٹکا اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے [illegible]

"[illegible] تمہیں اپنے گھر لے جانے کے لیے۔" وہ شرارت سے بولی۔ یہ تو [illegible] گمان میں بھی نہ تھا [illegible] اس کا مسئلہ حل کر دے گی۔ واقعی اس نے ایک مخلص دوست ہونے کا حق ادا [illegible] تھا۔ یوں اتنی جلدی مشکل آسان ہو جائے گی [illegible] یہ تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ تشکر کے آنسوؤں سے اس کی [illegible] بھیگنے لگیں تھیں۔

[illegible] ندا کی والدہ نے انگوٹھی پہنا [illegible] تھیں۔ اس نے تو فوراً ہی رضامندی دے دی تھی۔ [illegible] کر رہی تھا۔ بلکہ وہ تو مطمئن تھی۔ [illegible] اپنی بہن کی طرح مخلص اور سلجھا ہوا سمجھدار انسان ہو گا۔ [illegible] ایک کھٹک سی اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے تھی۔ [illegible] اندر سلگا رہی تھی۔ وہ جلن کسی طور ختم نہ [illegible] بار بار اس کی نگاہوں کے سامنے آ جاتا۔ اور وہ ہر بار [illegible] بے چین [illegible] ہو جاتی۔

شہباز کی شادی عید کے تیسرے دن قرار پائی تھی۔ رمضان میں عید اور شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ اور وہ بھی بھرپور طریقے سے اس میں حصہ لے رہی تھی۔ ایک طرف تو وہ بہت خوش تھی کہ شہباز بھائی کی شادی تھی تو دوسری طرف وہ انتہائی کرب سے گزر رہی تھی۔ اس نے بھرپور کوشش کی تھی کہ وہ اپنے دل کی اداسی دوسروں سے چھپا سکے جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئی تھی مگر آنکھوں میں ایک اداسی سی ٹھہر گئی تھی۔ دل کی خوشی سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ شہباز بھائی سکتے بیٹھے۔ چھلکتے مسرت و شادمانی کے رنگ اس بات کا ثبوت تھے۔ خواہش پوری ہو جائے تو زندگی آسان لگنے لگتی ہے۔ وہ شہباز بھائی کو دیکھ کر سوچ رہی تھی۔ اور اگر خواہش مکمل نہ ہو تو صرف حسرت بن کر رہ جاتی ہے۔ حسرت، جو مجبور و بے بس کر دیتی ہے۔

پھر وہ وقت بھی آن پہنچا جب [illegible] بیٹے بیٹھے سب سے مبارک باد وصول کر رہے تھے۔ تمام چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ صرف ایک [illegible] وہ خود کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ [illegible] سنبھالنے کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔ یہ سوچ کر اس نے [illegible] کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ انسان ہی ہے جو صبر و تحمل سے کام نہیں لیتا۔ اور [illegible] پسندیدہ راہ پر چلنے کا خواہش مند رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ بھلا کون کر سکتا ہے۔ جب [illegible] ہی اس کے نصیب میں یہ لکھا تھا۔ تو بھلا کون اثر کر سکتا ہے۔ اس سے بغاوت کرنے والے کا [illegible] ہوتا ہے۔ عقلمندی کا ثبوت یہی ہے کہ خوشی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔

پورا لان روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ وہ لان کے ایک گوشے میں کھڑی [illegible] سے [illegible]

''آمنہ!'' کسی نے اس کو دور سے پکارا۔ لیکن وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ [illegible]

''آمنہ!'' اس نے پیچھے سے پکارا تو وہ چونک کر پلٹی۔

''تم آ گئیں؟'' وہ خوش ہوئی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ کس کا انتظار کر رہی ہو؟'' وہ شوخ لہجے میں بولی۔ [illegible] اس کے لیے وہ کچھ زیادہ ہی شرارتی ہو رہی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ پوری طرح ابھی خیالوں سے باہر نہیں آئی تھی اس لیے اس کی بات کا مفہوم نہ سمجھ سکی۔

''چلو، عرا! میں تمہیں شاہ جہاں سے ملواؤں۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسٹیج کی جانب بڑھ گئی۔

''ارے آمنہ آپی! وہ آپ کو ابو جان کافی دیر سے یاد فرما رہے ہیں۔'' راستے میں ولید نے ان کو دیکھا تو فوراً پیشتر پیغام پہنچایا۔

''اچھا، تم چلو، میں ابھی آتی ہوں۔'' اس کو بھی وہ ابا جان کی تلاش میں سرگرداں ہو گئی۔ کیونکہ ابا جان آج کے دن بہت اہم شخصیت تھے۔ ان کا دستیاب ہونا آسان نہیں تھا۔ اس کی نگاہیں ان کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ کہ ایک جگہ اس کی نگاہ ٹھہر گئی۔ وہ دھوکا کیسے کھا سکتی تھی۔ وہ تو وہ لاکھوں افراد میں بھی با آسانی پہچان سکتی تھی۔ وہ یقیناً فہد ہی تھا۔ مگر اس کی موجودگی یہاں پر حیران کن تھی۔ اس نے تو اپنے کولیگز میں سے کسی کو انویٹیشن نہیں دیا تھا۔ اس کے قدم خود بخود فہد کی جانب بڑھتے چلے گئے۔

''آپ؟'' اسے دیکھ کر حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات فہد کے چہرے پر ابھر آئے۔

''آپ یہاں کیسے؟'' وہ بھی حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔

''میرے خیال میں ہم انویٹیشن کی بدولت موجود ہیں۔'' اس نے وضاحت نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ بھی کہ وہ شمار کی

طرف سے ٹھیک ہے۔

"آپ یہاں دونوں کیسے بیٹھی ہوئی تھیں؟ سب ہی نے آپ کو بہت مس کیا۔ اور..." اس کی بات ابھی ادھوری تھی کہ ندا چلی آئی۔

"آپ دونوں پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟" شاید وہ دور سے انہیں بات چیت کرتے دیکھ چکی تھی۔ بالخصوص پارٹی [illegible] انہیں دیکھتے ہوئے حیرت و خوشی سے دریافت کرنے لگی۔ [illegible] حیران ہوئی کہ ندا فہد کیسے جانتی ہے۔

"میرے آفس کولیگ ہیں۔ [illegible] کی پرسنل سیکرٹری ہیں۔" اس نے تفصیل سے بتایا۔

"کاش آپ پہلے ہی آفس کی تمام باتیں بتا دیتے تو یہ کام جلدی ہو جاتا۔" اس نے ذو معنی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔ وہ دونوں ہی تعجب سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"[illegible] آپ اتنے حیران کیوں ہو رہے ہیں؟ یہ آنسہ آپ کی ہونے والی شریکِ حیات۔"

"کیا؟" وہ دونوں ہی مارے حیرت کے چیخ پڑے۔

"میرے خیال سے آپ دونوں ہی نے تصویریں نہیں دیکھیں۔" وہ مزید متحیر ہوئی۔ "[illegible] آپ دونوں ہم مزاج ہیں۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" دونوں کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔ وہ تو خود حیران تھے کہ ان کا [illegible] کس انداز [illegible] وہ دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر رہ گئے۔

"[illegible] اب میں چلتی ہوں آپ لوگ....." کہہ [illegible] تیز انداز میں اٹھتی وہ وہاں سے کھسک [illegible]

[illegible] کی ہونی محبت یوں اچانک مل گئی ہے۔ آپ [illegible] جانتی ہیں [illegible] سے بہت [illegible] آپ میری کیفیت سے بے خبر نہیں ہوں گی۔ کیونکہ [illegible] اشارہ [illegible]

[illegible] تھا اور وہ [illegible]

[illegible] ہوا کی نہ تھی۔"

[illegible] صرف ایک بات بتانا ہوں [illegible] وہ جان کی ایک ہو سکتے ہیں۔ اور میری لگن [illegible] تھی۔"

[illegible] سے اعتراف کر رہا تھا۔

[illegible] وہ جذبات میں خود [illegible]

[illegible] اپنے دل کی حالت بتا رہا تھا۔ "I realy like you Aimal" اس نے کہا تو اس

[illegible] ملی ہے اتنی غیر متوقع طور پر میرے تو گمان میں بھی نہ تھا۔" اس کی آنکھیں

[illegible] بات سے [illegible]

[illegible] صرف خوشی [illegible]۔" اس کی آنکھوں سے گرتے موتی دیکھتے ہوئے وہ اسے لوک

[illegible] انتہا کی اور [illegible]

[illegible] صرف تشکر اور خوشی کے آنسو ہیں۔

[illegible] رونے کے لوازمات ہیں؟ [illegible] خوف [illegible] آپ کی ڈکشنری میں۔" وہ ہنستے

[illegible] ہوئے مسکرایا تو وہ بھی کھلکھلا کر ہنس دی۔

نیلم ریاست

ناولٹ

جنہیں راستے میں خبر ہوئی

"تو میرے پیارے بھائیوں اور دوستو اس بات پر غور ضرور کرنا یہاں پر میری بہت سی کہانیاں بہنیں بھی مجھے سن رہی ہیں۔ میں آپ سے بھی درخواست کروں گا کہ اس نقطے پر غور ضرور کیجیے گا اور



اپنے اعمال کو درست کرلیں اپنے والدین کی عزت کریں ان کی قدر کریں۔"

پورے ہال میں خاموشی طاری تھی۔ جہاں ہر روز افطاری کے بعد خصوصی خطاب اور پھر دعا تراویح پڑھائی جاتی تھیں۔ یہ سب رمضان کریم کی رونقیں تھیں ملک کے بیشتر حصوں کی طرح اس درسگاہ میں بھی سحری اور افطاری میں بہت بڑے پیمانے پر لوگوں کو فری کھانا دیا جاتا تھا۔ لوگ صبح شام جوق در جوق آتے تھے صفیں بچھا کر کھانا لگا دیا جاتا۔ آج چوبیسواں روزہ تھا۔

ادارے کے روح رواں اعتکاف میں بیٹھے بہت سے افراد سے خطاب کررہے تھے۔ سبھی لوگ انہیں انتہائی ادب سے سن رہے تھے مگر باہر گیٹ کے قریب بچی تھوڑی سی جگہ پر گٹھڑی بنا ایک وجود مسلسل جھٹکوں کی زد میں تھا۔ سارا دن نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا مگر دن ڈھلتے ہی یہاں چلا آتا۔ انتظامیہ کے آدمیوں کے ساتھ مل کر کھانا تقسیم کرتا۔ صفائی کروانے میں مدد دیتا۔ نماز پڑھتا، خطاب سنتا اور دعا کے وقت اس کا وجود ایسے ہی جھٹکوں کی زد میں آجاتا۔ نہ جانے کون سے دکھ اس



کو رلاتے تھے۔ نہ جانے کیا روگ دل میں چھپائے پھرتا تھا کہ آنکھوں کا سیلاب رکتا ہی نہ تھا۔ پیمانہ تو تب ہی چھلکتا ہے ناں جب بھر جائے اس میں اور گنجائش نہ رہے۔ رو رو کر وہیں سو جاتا۔ صبح سحری کرتا نماز پڑھتا، کھانا تقسیم کرتا برتن اٹھاتا۔ کبھی دھلوا بھی دیتا اور پھر مدرسے [illegible] نکل جاتا۔ خطاب ابھی بھی جاری تھا آج کا موضوع [illegible] تھا۔

اب ضرورت اس امر کی [illegible] کہ آج یہاں اس وقت جتنے بھی لوگ موجود ہیں ہم [illegible] گریبان میں جھانکیں اپنا تجزیہ خود کریں کہ ہم کہاں کھڑے [illegible]۔ ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں کہ جن کے پاس اپنی ماں کے لیے ٹائم ہو۔ آج کس کس نے پوچھا کہ اماں آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ کتنوں نے آج کوشش کی کہ ماں کا دل نہیں توڑنا۔ یقیناً ایسے لوگ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ میرے نوجوانو! وقت کی قدر کو پہچانو تمہارے ماں باپ وہ خزانہ ہیں جو ایک دفعہ چھن گیا تو قیامت تک واپس نہیں ملتا، بلکہ جس نے دنیا میں اس خزانے کی قدر نہ کی اس کا آخرت میں بھی کوئی حصہ نہیں ہے۔"

خطاب جاری تھا مگر گیٹ کے قریب تنگی جگہ پر چادر کی بُکل میں خود کو گٹھڑی کی طرح لپیٹ کر بیٹھا وجود جھٹکے کھاتا کھاتا یک دم ساکت ہو کر ایک طرف لڑھک گیا۔ کسی کا اس کی طرف دھیان نہ تھا۔

وہ ان گزرے ایک سال اور چودہ دنوں میں اتنا رویا تھا کہ آنکھوں کے سوتے خشک ہو گئے تھے اور شرمندہ اس قدر تھا کہ اس کے قدم شرمندگی کے مارے اپنے گھر کی طرف اٹھتے ہی نہ تھے۔ بس ایک ہی خیال اس کے دماغ میں رہتا کہ کاش کاش وہ اپنی زندگی کے بیتے دنوں کو واپس موڑ سکتا اور اپنی غلطیاں سدھار پاتا مگر گیا وقت اور بہتا پانی کبھی واپس نہیں آتے۔

☆......☆

اس کا سب سے بڑا غرور اس کی ظاہری شخصیت تھی گورا رنگ کھڑے نقوش بلند قامت بھرا بھرا مضبوط جسم بس یہی وہ خوبیاں تھیں جنہوں نے اس کا دماغ ہواؤں میں اڑا رکھا تھا اور دوسری طاقت تھی دوست جگری یار ایک محلے کا ڈرائی کلینر جو چوبیس گھنٹے خدمت میں حاضر جب چاہے جیسا چاہے لباس اٹھایا نہا دھو کر زیب تن کیا۔ دوسرا دوست پہلے سے بھی زیادہ جانثار [illegible] ورکشاپ پر مکینک تھا۔ جب بھی مالک [illegible] وہ [illegible] کی فرمائش پر گاڑی چند گھنٹوں کے لیے [illegible] [illegible]۔ اس طرح پہننے کے لیے اچھا لباس اور [illegible] کے لیے نت نئی گاڑی حاصل کرنا اس کے لیے کوئی مسئلہ [illegible] تھا۔

[illegible] محلے کی چھوڑ سارے خاندان کی لڑکیاں [illegible] میں تھیں۔ نئے نئے ماڈل کا موبائل [illegible] قسطوں پر حاصل کیا جاتا۔ قسطیں دینا اس کی سردردی [illegible] دن رات کتابوں میں گم بہن کس کام کی تھی [illegible] کے ساتھ سر کھپا کر انہیں ٹیوشن پڑھاتی تھی تو [illegible] بھائی کا اتنا تو حق تھا ناں کہ اس کے موبائل کی قسطیں دے دیتی اور کبھی کبھار بیلنس ڈلوا دیتی آخر اکلوتا جوان بھائی تھا۔ بہن اس کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتی۔ ہر موقع پر ملنے والے گفٹ علیحدہ دے غیرتی اس انتہا کی کہ کبھی جو لڑکیوں سے چیزیں مانگتے ہوئے شرم آئی ہو۔ بڑے آرام سے یاد دلوایا جاتا کہ اس دفعہ میری سالگرہ پر کیا دے رہی ہو، وہ تو سال میں صرف بارہ مہینے ہیں اگر چوبیس بھی ہوتے تو ہر ماہ اس کی سالگرہ ہونا لازم تھی۔

نت نئے ڈیزائن کی شرٹس، پتلونیں، جوتے، رومال، جیل، پرفیومز، سن گلاسز، مہنگے ریسٹورنٹ میں کھانے، راوی بس چین ہی چین لکھ رہا تھا کیونکہ یہ ساری چیزیں وہ ڈیڑھ سو کی لسٹ پوری کر رہی تھی

جو اس کے خون میں موجود تھیں۔

اس کا رکھ رکھاؤ۔ اس کے انداز و اطوار اس کی آنیاں اور جانیاں دیکھ کر کوئی بھی انجان آدمی یہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ داؤد اکرام، اکرام ریڑھی والے کا بیٹا ہے۔ آپ اگر قسم کھا کر بھی کہتے کہ یہ خوش شکل اور توانا وجود اکرام ریڑھی والے کے گھر میں ہی پیدا ہوا ہے تو کوئی نہ مانتا۔

ارے کہاں صحت مند تندرست و توانا جوان داؤد اکرام اور کہاں رہ فٹ پاتھ پر صبح سے شام کھڑا رہنے والا شکستہ وجود جس کے چہرے کی جھریوں میں ہر آن اضافہ ہوتا ہو۔ ساری عمر کی مشقت چہرے پر رقم ہو، جھکے ہوئے کندھے میلی سی پگڑی پیروں میں جوڑ لگائی ہوئی نیلون کی چپل اور کوئی تو خدا کا خوف کرو وہ تو دیکھنے میں ہی کسی رئیس کی اولاد لگتا اور یہ بابا تو اس کے نوکروں سے بھی گیا گزرا تھا۔

کہاں اس کا باپ... کوئی یہ نہیں جانتا کہ یہ اس کا باپ ہونے کا ہی احسان ہے کہ اکرام ریڑھی والا وقت سے پہلے ہی بوڑھا ہو گیا۔ ہار مان گیا ہے۔ اس نے یہ خیال بھی چھوڑ دیا کہ اس کا کوئی جوان بیٹا بھی ہے۔

سارا مسئلہ تب ہوا جہاں اسے محبت ہوئی کہ پہلے لڑکیوں کو اس سے محبت ہوتی رہی تھی۔ اس دفعہ اسے کسی لڑکی سے محبت ہوئی تھی۔ فرق تو بڑا ہی تھا۔ پہلے وصول کرتا رہا تھا۔ اب دینے کی باری آئی تھی اور دینے کی بھی تو کیسی دینی ہے کمائی کی بنی چیزیں تو ایک طرف بندے کا بس چلے تو جان بھی مانگے تو جسم بند کر کے سر قدموں میں وار دے، وہ ہیں چھوٹی چھوٹی فرمائشیں تو وہ ماں کے تھلے میں سے پیسے لے کر پوری کرتا رہا مگر اس دفعہ فرمائش بڑی آئی تھی۔ زوبیہ نے آئی فون مانگا تھا اور داؤد اکرام کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیسے فوراً سے اسے آئی فون لا کر دے۔ قسطوں پر چیزیں دینے والے پٹھان نے بھی انکار

کر دیا کہ پہلے پہلا حساب پورا کرو پھر بات کرنا۔ اب آ جا کر رہ گئے گھر والے۔ تو ہمیشہ کی طرح ان کی شامت آ گئی۔

رات کے اندھیرے میں گھر کے بڑے کمرے سے اس کے اونچا اونچا بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''آخر کیوں اللہ نے مجھے آپ جیسے کنگلوں کے گھر پیدا کر دیا۔ نہ کبھی ڈھنگ کا کھانے کو ملا ہے نہ پہننے کو۔ جب بھی کوئی چیز مانگی ہے بس اپنی مسکین شکلیں دکھا دیتے ہیں۔''

اس سے چھوٹی مائرہ کو علم تھا عقل کا اندھا ہے کبھی نہیں سمجھے گا اس لیے خاموشی سے ضبط کیے سنتی رہی۔

''میں کچھ نہیں جانتا بس مجھے ایک لاکھ روپے چاہیے۔ چاہے گھر بیچیں یا جو مرضی مجھے ہر حال میں ایک لاکھ چاہیے۔ چار دن ہیں آپ کے پاس۔''

مائرہ دھک سے رہ گئی۔ ''دماغ ٹھیک ہے تمہارا کہاں سے آئے گا اتنا پیسہ یہاں کھانے کے لالے پڑے ہیں اور صاحب زادے کی اپنی ہی دنیا ہے۔''

''تم میرے منہ نہ لگو ورنہ منہ توڑ دوں گا میں تمہارا۔ کہاں جاتی ہے ساری کمائی؟ تم کماتی ہو ابا کماتے ہیں اماں جو سارا دن لوگوں کے کپڑے سیتی رہتی ہیں کہاں جاتے ہیں اتنے پیسے؟''

مائرہ جانتی تھی کہ اگر آئینہ دکھانے بیٹھی تو وہ اس پر ہاتھ اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ اس لیے خون کے گھونٹ پی گئی۔ ایک نفرت بھری نظر اس پر ڈال کر کمرے سے نکل گئی۔

بوڑھے ماں باپ دونوں مجرموں کی طرح سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔

''میں جا رہا ہوں پرسوں جب آؤں تو مجھے رقم چاہیے نہیں تو آگ لگا دوں گا سارے گھر کو زندگی عذاب ہو گئی ہے اس سے تو بہتر تھا کسی یتیم خانے میں ہی پیدا ہو جاتا۔''

حلیمہ بی بی نے اپنے آنسو پلو سے صاف کیے۔ جب کہ اکرام کسی پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا رہا۔ داؤد چیخ چلا کر واپس چلا گیا۔ ویسے بھی گھر پر وہ تب ہی آتا تھا جب اسے پیسے چاہیے ہوتے تھے۔

☆......☆

تیسرے دن گھر آیا تو ماں نے سلائی مشین کی دراز میں سے نکال کر پچاس ہزار اس کے آگے کر دیے۔ اسے یہ توفیق نہ ہوئی کہ پوچھتا اتنے تنگ حالات میں اتنی رقم کہاں سے لائی ہو۔ گھر کا سامان بیچا ہے یا گروی رکھ آئی ہو۔ الٹا ماں کے سامنے اکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''اس کو میں سر پر ماروں میں نے ایک لاکھ مانگا تھا۔ اس کا کیا کروں۔''

''میرے پاس اتنے ہی ہیں لے جاؤ اور یہاں سے چلے جاؤ۔'' ماں نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ بس ٹھہرے ہوئے لہجے میں اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''کتنی سخت دل عورت ہو تم اماں! بیٹا اتنے دنوں بعد گھر آیا ہے ایک گلاس پانی تک نہیں پوچھا اور کہہ رہی ہو چلا جاؤں۔ جا رہا ہوں مجھے بھی اس ڈربے میں رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے مگر مجھے پچاس ہزار اور چاہیے جیسے یہ ہو گئے ہیں اور بھی نکل آئیں گے پھر جب آؤں تو میرے پیسے تیار رکھنا۔''

آئی فون کی قیمت تو سیدھی ایک لاکھ تھی۔ اس لیے اس نے کچھ سوچ کر پچاس ہزار کا ہی ایک اچھا سا موبائل خرید کر زوبیہ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا۔ اس نے مایوس سی شکل بنائی تھوڑی دیر تک موبائل کو الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی پھر بڑی ادا سے بولی۔

''چلو اب تم لے آئے ہو تو یہی ٹھیک ہے مگر اس دفعہ عید پر مجھے ڈیزائنر ویئر سے جوڑا چاہیے۔ اپنی مرضی کا اور اس کے بعد عید پر کسی اچھے سے ریسٹورنٹ پر کھانا کھائیں گے۔ یاد رکھنا اب۔''

وہ دل میں خوش ہو گیا کہ چلو فون تو پسند آ گیا۔ اب اماں جو پیسے دے گی اس سے دوسری چیزیں دلوا دوں گا۔

☆......☆

اگلی دفعہ مقررہ وقت پر جب وہ اپنے گھر آیا تو دروازے پر تالا پڑا تھا۔ منہ سے بڑبڑاتا واپس آ کر گاڑی میں بیٹھ کر زن سے چلا گیا۔ رات کو پھر واپس آیا تو دروازے پر پھر تالا ہی نظر آیا۔

ہمسائی سے پوچھنے پر پتا چلا کہ اماں کی طبیعت خراب تھی سو بھی اسپتال میں ہوں گے۔

''چلو یہ اب نئی مصیبت۔'' وہ بڑے غصے میں اسپتال آیا تھا۔

جنرل اسپتال کے وارڈ میں حلیمہ بی بی دوائیوں کے زیر اثر سوئی ہوئی تھی۔ چہرے پر زردیاں کھلی ہوئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد حلقے گہرے تھے مگر داؤد اکرام کے پاس دیکھنے والی آنکھ ہوتی تو یہ سب دیکھ پاتا وہ تو ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار رہا۔

رو رو کر مائرہ کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ صبح سے وہ ادھر سے ادھر بھاگ کر دوائیاں لا رہی تھی۔ کبھی کوئی ٹیسٹ کروا رہی تھی۔ وہ بھی اس نے آج جن بچوں کو ٹیوشن پڑھائی تھی ان سے ایڈوانس ایک ماہ کی تنخواہ لی تھی تو خرچہ اٹھا سکی اس وقت وہ تھکی مرجھائی بکھری سی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر لکڑی کے بینچ پر بیٹھی تھی۔ ابا پاس اسی طرح بت بنے بیٹھے تھے۔

''یہ اماں نے اب نئے ڈرامے شروع کر دیے۔'' براؤن پینٹ، سفید شرٹ پیروں میں براؤن جوتے لباس سے اٹھتی مہنگی خوشبو۔ مائرہ نے سر اٹھا کر اپنے بھائی کو دیکھا جسے وارڈ میں موجود سبھی لوگ ستائش بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ نہ جانے کہاں سے اس کے اندر اتنی طاقت آئی تھی وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور بازو سے پکڑ کر داؤد کو کھینچتی ہوئی

اپنے ساتھ باہر لے آئی۔

"بازو چھوڑو میرا کیا جنگلیوں کی طرح کھینچ رہی ہو۔" مائرہ نے ایک جھٹکے سے بازو چھوڑ دیا۔

"تمہیں انسانوں کی زبان کہاں سمجھ آتی ہے داؤد اکرام! تمہارے ساتھ اگر پہلے دن سے جانوروں کی زبان میں بات کی جاتی تو آج میری ماں کو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔" وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو، ایک ہاتھ دوں گا میں تمہیں۔"

"ہاں مارو۔" مائرہ نے اپنے چہرے پر خود ہی تھپڑ مارے۔

"مارو مجھے تمہارے جیسے بھائی ہوں تو تھپڑوں کے علاوہ اور کیا مل سکتا ہے۔"

"جاننا چاہو گے کہ تم ہو کیا؟ میں بتاتی ہوں آج تمہیں آج مجھے تم سے کوئی ڈر نہیں ہے۔ مجھے ایک تھپڑ مارو گے تو میں تمہیں جواب میں دس تھپڑ ماروں گی۔ تم نے میرے ماں باپ کے ساتھ جو ظلم کیا ہے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میری تو ساری دنیا میرے ماں باپ ہیں۔ ان کے سوا میرا ہے کون؟ تمہیں ہم پر رحم نہیں آتا؟ میں نے اپنے دن رات کی محنت کی کمائی تم پر لٹا دی۔ میری ماں نے لوگوں کے کپڑے سی سی کر اپنی ہڈیاں گلا لیں۔ میرا باپ تمہارا بوجھ پالتے پالتے وقت سے پہلے بوڑھا ہو گیا مگر تم ایک ایسی لعنت ہو جس سے جان ہی نہیں چھوٹی جاتی ہوں میں آج تم کس لیے آئے ہو۔ باقی کا پچاس ہزار لینے آئے ہو ناں تا کہ اپنی دو ٹکے کی سہیلی کو عیدی دے سکو۔"

داؤد غصے سے اس کی طرف مارنے کے لیے بڑھا تھا۔

"خبردار! ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا۔" مائرہ کی آنسوؤں سے دھلی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ جس نے اس کے قدم روک دیے۔

"تم سمجھتے ہو کہ میں ناواقف ہوں تمہاری دلچسپیوں سے؟ میں بھی اسی دنیا میں رہتی ہوں۔ میں اگر آج تک خاموش رہی ہوں تو صرف تم سے نفرت کی وجہ سے۔ مگر اب نہیں اب بات میری ماں کی زندگی کی ہے جو اس نے تمہاری وجہ سے داؤ پر لگا دی۔ تم اولاد نہیں ہو داؤد تم جونک ہو جونک۔ خون پینے والے۔ تم نے ساری زندگی میرے ماں باپ کا خون پیا ہے۔ ارے بد بخت جس لڑکی کے لیے تم مرے جا رہے ہو میری ماں نے اپنا گردہ بیچ کر رقم تمہارے حوالے کی تھی۔ جس کو تحفہ دیتے وقت بھی تم نے سوچا کہ آیا اسے تحفے چڑھانے والے اکیلے ہو یا اس کے پجاریوں میں تم جیسے اور کتنے ہیں۔ میری ماں کی زندگی اتنی سستی تو نہیں ہے داؤد تم مر کیوں نہیں جاتے۔ آخر کیا فائدہ ہے تمہاری زندگی کا میرا اتنا بڑا نقصان ہو گیا صرف تمہاری وجہ سے۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں مت بنو میرا امان مت میرے سر پر ہاتھ رکھو پر خدا کا واسطہ ہے مجھ سے میری چھت نہ چھینو، میں نے کبھی ان دونوں کو خوش نہیں دیکھا کبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کبھی انہوں نے عید پر نئے کپڑے نہیں پہنے کبھی اچھے کھانے نہیں کھائے کیوں کہ وہ تمہیں اور تمہاری خواہشات کو پال رہے ہیں۔ داؤد اتنی بڑی سزا؟ انہوں نے تمہیں پیدا کر کے اتنا بڑا جرم کر دیا ہے کہ ان سے زندہ رہنے کا حق ہی چھین لو۔ چلے جاؤ یہاں سے کہیں دور کبھی واپس اپنی شکل مت دکھانا۔ تم نے ان کو اتنا توڑ دیا ہے کہ مجھے ان کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھنا ہے۔ میں رکھ لوں گی ان کا خیال۔ بس تم ہماری زندگیوں سے نکل جاؤ۔ میری ماں ہر روز اپنا کھانا تمہارے لیے بچا کر رکھتی ہے کہ ہو سکتا ہے تم گھر چکر لگاؤ تو وہ تمہیں کھانے کو کیا دے گی۔ ساری رات اس کی ایک آنکھ کھلی رہتی ہے کہ

اگر تمہیں کبھی خیال آئے کہ گھر پر ماں انتظار کر رہی ہو گی اور تم آؤ تو دروازہ بند دیکھ کر واپس نہ چلے جاؤ۔ اب میں انہیں بتا دینا چاہتی ہوں کہ تم مر گئے ہو۔ تاکہ وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا لے کہ پھر کسی کے انتظار میں جاگتی نہ رہیں۔"

ابا اندر سے بھاگتے ہوئے برآمد ہوئے اور حواس باختہ سے سیدھے مائرہ کی طرف آئے۔

"مائرہ بیٹا! چلو دیکھو تو تمہاری ماں کی حالت بگڑ گئی ہے۔" مائرہ کے حلق سے ایک چیخ بلند ہوئی۔

"ہائے میری امی۔" وہ تیزی سے واپسی کو مڑی اور پھر رک گئی۔ پلٹ کر ایک نظر داؤد پر ڈالی جو اس کے پیچھے آ رہا تھا۔

غصے نفرت سے پورا زور لگا کر اس نے داؤد کو دھکا دیا تھا۔ وہ لڑکھڑا گیا۔

"خبردار! تم اندر نہیں آؤ گے۔ اب کیا میری ماں کی لاش دیکھنا چاہتے ہو؟" ابا پہلے ہی اندر جا چکے تھے۔ مائرہ بھی روتی ہوئی چلی گئی اور داؤد کے قدم وہیں زمین نے جکڑ لیے۔ کوریڈور میں پہلے سے ہی کئی مرد و خواتین آ جا رہے تھے۔ ان میں سے کچھ دلچسپی اور کچھ حیرت و حقارت سے اس خوش شکل خوش لباس دراز قد جوان کو دیکھ رہے تھے کہ جس نے زندگی میں کبھی تصور تک نہ کیا تھا کہ دبو سی اس کی چھوٹی سی بہن اسے اتنے لوگوں کے سامنے شرمندہ کر دے گی۔ شرمندگی اس درجہ کی تھی کہ وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر لمبے ڈگ بھرتا اسپتال سے باہر نکل آیا۔ بنا کچھ سوچے بس تیز تیز قدم اٹھاتا فٹ پاتھ پر چلتا چلا جا رہا تھا۔ اس کا کہیں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور نہ ہی وہ یہ جانتا تھا کہ جا کہاں رہا ہے۔ منظور ڈرائی کلینرز کی بیٹھک نما جہاں ساری سردیاں گرمیاں اس کا ڈیرہ ہوتا تھا یا اپنے گھر جہاں وہ اس وقت جاتا تھا جب کوئی ضرورت ہوتی مگر آج اس گھر پر تالا لگ گیا تھا۔

خالی الذہنی سے چلتے ہوئے آدھا گھنٹہ بیت گیا تھا۔ جب وہ ایک رہائشی علاقے میں داخل ہوا جہاں بڑی بڑی کوٹھیاں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ ایک گیٹ کے بالکل سامنے گلی کے دوسری جانب لگے پول کے نیچے قدرے اندھیرے میں وہ آخر بیٹھ گیا۔ نگاہیں سامنے گھر کی پہلی منزل پر موجود ایک کمرے پر ٹکی تھیں۔

اگلا پورا گھنٹہ وہ وہیں بیٹھ کر سامنے والی کوٹھی میں موجود اس ایک کمرے کو دیکھتا رہا پھر اپنی جیب سے موبائل نکال کر پہلے لاک کھولا اور Inbox میں موجود نمبر پر ایک نیا میسج بھیجا۔

"Waht are you doing love?"

"تم کیا کر رہی ہو؟"

دوسرے ہی لمحے جواب آ گیا۔

"As usual getting ready for bed."

"وہی سونے کی تیاری۔" داؤد کی انگلیاں ایک دفعہ پھر تیزی سے حرکت میں آ گئیں۔

"تمہاری یہ عادت بڑی اچھی ہے۔ ٹائم کی بڑی پابند ہو۔ مگر آج میں تم سے دیر تک بات کرنا چاہتا ہوں۔" میسج بھیجنے کے بعد اس کی نگاہوں نے پھر اسی کمرے کو فوکس کیا جس کی لائٹ بجھی ہوئی اور پردے گرے ہوئے تھے۔

جلد ہی جواب بھی آ گیا۔

"کیوں آج کیا خاص بات ہے اور تمہیں بتایا تو ہوا ہے میری بہن میرے ساتھ سوتی ہے اس کے سامنے بات نہیں کر سکتی جا کر امی کو بتا دے گی۔ میرے لیے مسئلہ ہو جائے گا۔" موبائل کی روشن اسکرین پر ابھری عبارت پڑھتے ہی اس کی انگلیاں ایک دفعہ پھر حرکت میں آ گئیں۔

"مسئلہ کیا ہونا ہے اچھی بات ہے ناں اگر تمہاری امی کو علم ہو جائے تاکہ میں رشتہ بھیج سکوں۔ کیوں کہ مجھے لگتا ہے کہ اب ہمیں شادی کر لینی چاہیے۔" میسج

بھیجتے ہوئے داؤد کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ کسی قسم کا کوئی جذبہ رقم نہ تھا۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا؟ دیکھو داؤد میری فیملی بہت سخت ہے اور ویسے بھی میں ابھی پڑھ رہی ہوں اتنی جلدی شادی کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ تم مجھے بتاؤ تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے ناں؟"

"کون سا وعدہ؟"

"تم بھول کیسے گئے ہو؟ یاد رکھنا اب مت بھولنا جانو! تم مجھے ویز اسٹر دیئر دلوار ہے ہو۔ اچھا ابھی میسج مت کرنا میری بہن کمرے میں آ گئی ہے۔ کل بات کرتے ہیں۔"

"I love you daoud" ساتھ میں Icon Kiss تھا۔

داؤد نے اپنی سپاٹ نظروں سے اسکرین کو پڑھا پھر فون کو واپس جیب میں رکھ دیا۔ ایک نظر کلائی پر بندھی گھڑی پر ڈالی۔ پونے بارہ کا ٹائم تھا۔ پورے سوا بارہ وہ اپنی جگہ سے اٹھا تو رخ سامنے کوٹھی کی جانب تھا۔ بڑی آسانی سے ایک ہی جست میں دونوں ہاتھوں کی مدد سے وہ دیوار کے اوپر تھا اور لمحے کی تاخیر کے بغیر دوسری جانب کیاری میں کود گیا۔ اس کا ذہن جیسے ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر سارا پروگرام ترتیب دے چکا تھا۔ اس لیے وہ بغیر سوچے سمجھے عمل کر رہا تھا۔

"داؤد اکرام دوسروں کو نظر انداز کرتا آیا ہے۔ دھوکا دینا کبھی بھی مشکل کام نہیں رہا مگر یہ کیسے ہو گیا کہ کوئی اسے نظر انداز کر کے اتنا بڑا دھوکا دے؟" اگر وہ معصوم ہوئی تو جن رستوں سے آیا ہوں خاموشی سے انہی پہ پلٹ جاؤں گا اور جا کر پہلا قتل اس کا کروں گا جس نے اس پر تہمت لگائی ہے اور اگر مائرہ بچی ہوئی تو......! اس کے آگے اندھیرا تھا۔

پائپ کی مدد سے بغیر کوئی آواز پیدا کیے وہ بالکونی تک آیا۔ اس کے پیروں کی ساری دھمک غائب ہو چکی تھی۔ جیسے ہوا پر چل رہا ہو۔ وہ بے وقوف بھی نہیں تھا۔ پھر بے وقوف بنا کیسے؟

بالکونی میں کھلنے والا دروازہ لاک تھا مگر کھڑکی کھلی تھی جس پر پردہ گرا ہوا تھا۔ کمرے میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی پردوں کے پیچھے سے جھانک رہی تھی۔

کھڑکی کے آگے کان لگا کر اس نے سننے کی کوشش کی تھی۔ کمرے سے دھیمی دھیمی سرگوشیوں کی آواز آ رہی تھی۔ گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اس نے کھڑکی کا پٹ پوری طرح کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

دوسری طرف اپنے بیڈ پر اوندھی لیٹی زوبیہ فون پر کسی کے ساتھ محو گفتگو تھی۔ کھڑکی کے کھٹکے کی آواز پر اس نے سر اٹھایا اور مڑ کر کھڑکی کی طرف دیکھا تھا اور سامنے موجود شخص کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

مارے حیرت کے زبان ساتھ چھوڑ گئی۔ ہاتھ سے فون چھوٹ کر بیڈ پر گر گیا اور وہ تیزی سے بیڈ سے اتر گئی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" بڑی دھیمی سی سرگوشیاں نکلی تھیں۔ شاید وہ سرگوشیوں میں بولنے کی عادی ہو چکی تھی یا پھر ہمت ہی اتنی بچی تھی۔

داؤد نے آگے بڑھ کر مین سوئچ بورڈ کے کئی بٹن ایک ساتھ دبائے سارا کمرہ روشنیوں سے نہا گیا۔

"کیا کر رہے ہو داؤد! تم یہاں کیسے میرے گھر کا میرے کمرے کا تمہیں کیسے علم ہوا؟" وہ آنکھوں کی بڑھتی ہوئی سرخی اپنے اندر اٹھتے غصے کے ابال اور زوبیہ کو اگنور کرتا اسی خاموشی سے اس کے بیڈ کی جانب بڑھا اور زوبیہ کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گرنے والا فون اٹھا لیا۔

کال ابھی بھی جاری تھی۔ داؤد نے فون کان سے لگا لیا۔

"ہیلو زوبی! بول کیوں نہیں رہی ہو؟ کیا تم بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتی ہو جتنی میں تم سے کرتا ہوں؟"

ایک اذیت کی لہر تھی جس نے داؤد کے وجود کو جکڑا تھا۔ پھر وہ بولا۔

"میرے بھائی بڑی غلط جگہ پر کنڈی کھٹکھٹا رہے ہو۔ جیا سونا چاہتے ہو تو آج کے بعد یہ نمبر کبھی مت ملانا۔" ساتھ ہی فون بند کر دیا۔

"یہ کیا بکواس کی تم نے داؤد تمہاری جرأت کیسے ہوئی۔"

"رات کے بارہ بجے اکیلا تمہارے کمرے میں تمہارے ساتھ موجود ہوں ابھی بھی تمہیں میری جرأت پر شک ہے؟" سلیقے سے سجے بال جنہیں جیل لگا کر خاص انداز دیا گیا تھا جو اس کی وجاہت کو مزید نکھار رہا تھا۔

مگر اس خوبرو خوب صورت بوائے فرینڈ سے زوبیہ کو اس وقت بڑا خوف محسوس ہو رہا تھا۔

"داؤد! جس کا فون تم نے ریسیو کیا ہے وہ میرا منگیتر ہے۔" وہ اس کے قریب آ کر خوفزدہ سی آواز میں بولی۔

داؤد نے بڑے تحمل سے ہاتھ میں تھاما فون بیڈ کی طرف اچھالا اور اپنے بھاری ہاتھ سے ایک تھپڑ رکھ کر زوبیہ کے خوب صورت نرم گال پر جڑ دیا۔

"اگر وہ تمہارا منگیتر ہے تو میں کون ہوں؟ بلڈی ٹائم پاس۔"

جواب میں وہ اپنے سرخ ہوتے گال پر ہاتھ رکھے ہونق بنی یک ٹک داؤد کی وحشت ناک نظروں میں دیکھتی رہ گئی۔ پھر مری ہوئی آواز میں بولی۔

"تم کیسے یہ سب میرے ساتھ کر سکتے ہو۔" زوبیہ کی آواز مدہم اور کانپتی ہوئی تھی۔

مگر وہ جب بولا تو آواز مضبوط اور بلند تھی۔

"بالکل اسی طرح جس طرح تم نے میرے ساتھ ڈرامہ کیا۔"

"صرف تمہاری وجہ سے میں نے اپنی ماں کو مار دیا۔" بات کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی شرٹ کے بٹن کھولتا جا رہا تھا۔

"کیا کر رہے ہو داؤد پلیز یہاں سے چلے جاؤ۔"

"یہاں رہنے کے لیے تو میں آیا بھی نہیں ہوں مگر جو کرنے آیا ہوں وہ کیسے بغیر کیے چلا جاؤں؟"

"کیا..... کیا مطلب ہے تمہارا؟" داؤد کے قدم اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ سہم کر دیوار کے ساتھ جا لگی۔ بٹن کھولنے کے بعد اس نے شرٹ کو کھینچ کر ٹراؤزر سے باہر نکالا۔

پہلے ہونے والے حملے سے ہی بے چاری کے حواس ابھی تک نارمل نہ ہوئے تھے کہ نئی پیدا ہونے والی صورت حال سے بچنے کے لیے کیا کرتی سوچ ہی مفلوج ہو گئی تھی۔

داؤد نے اس کے اڑے رنگ والے چہرے پر ایک حقارت بھری نظر ڈالی اور جھک کر جوتوں کے تسمے کھولے اور باری باری دونوں پاؤں جوتوں کے بعد جرابوں سے بھی آزاد کر دیے۔

زوبیہ اب باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

"داؤد پلیز واپس چلے جاؤ پلیز۔"

داؤد نے زوبیہ کے چہرے کے قریب دونوں طرف دیوار پر اپنے ہاتھ ٹکا کر اپنا چہرہ اس کے بالکل قریب کیا۔

"زوبیہ بیگم ایک وہ بے وقوف لڑکیاں ہوتی ہیں جو سارے خطرے بھلا کر جھوٹی محبت کے فریب میں جکڑی جا کر اپنا آپ لٹا کر آتی ہیں اور دوسری تمہارے جیسی مکار جو ایک وقت میں کئی کو انگلیوں پر نچاتی ہیں مگر آج کے بعد تم یاد رکھو گی کہ داؤد اکرام ہر کسی کو ... مجھے ٹھگنے کے لیے اب تمہیں ایک عمر چاہیے ہوگی۔ تمہارے علاوہ آج تک میں نے کسی لڑکی سے یہ نہیں بولا کہ میں اس سے محبت کرتا

ہوں۔"

"داؤد! مجھے معاف کر دو پلیز یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔"

"ہاتھ جوڑنا تو دور پاؤں پڑو گی تب بھی معاف نہ کروں اور بے فکر رہو مجھے تمہارے وجود سے اب اتنی بھی غرض نہیں رہی ہے کہ اپنی نفرت کا ہی نشانہ بنا سکوں۔" جھٹکے سے مڑا اور پلنگ پر رکھا وہ فون اٹھایا جو کم از کم داؤد اکرام کے لیے بہت قیمتی تھا۔

اپنے دونوں جوتے ہاتھ میں پکڑے اور زینب کے مین دروازے کی طرف بڑھا۔

زوبیہ کو جیسے کرنٹ لگا۔

"یہاں سے کدھر جا رہے ہو۔ ادھر سے جاؤ جدھر سے آئے ہو۔"

"چور نہیں ہوں جو چوروں کی طرح جاؤں۔" وہ چیخ کر اچکا تھا۔

"داؤد! میرے بھائی گھر پر ہیں خدا کے لیے یہ مت کرو۔"

"اپنے بھائیوں کی شرم تمہیں نہیں تھی تو میں کیوں سوچوں۔"

"داؤد! میں تمہارے پیر پڑتی ہوں دیکھو میری خالہ آئی ہوئی ہیں وہ میری ہونے والی ساس بھی ہیں۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" وہ زوبیہ کو ایک طرف دھکیلتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس کے بعد جو جو بند دروازہ اس کے سامنے آیا وہ پوری قوت سے دھڑ دھڑاتا گیا۔

افطاری کے بعد سبھی لوگ میٹھی نرم نیند میں تھے مگر اتنی ساری آوازیں ایک ساتھ سن کر سارے حواس باختہ سے کمروں سے باہر نکلتے گئے۔

اور اپنے سامنے ایک اجنبی کو دیکھ کر پہلا خیال یہی آیا کہ چور آگئے ہیں۔ زوبیہ کے تین بھائی ایک بھابی ماں اور اس کی خالہ۔ شدید حیرت اور شاک کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے۔ جس نے اپنا اوور کوٹ لاؤنج میں اکٹھا کیا اور پھر خود سکون سے صوفے پر بیٹھ کر جرابیں اور جوتے پہننے لگا۔ اس سارے عمل کے دوران زوبیہ اپنے کمرے کی دہلیز پر گری بیٹھی تھی۔

سب سے پہلے نیند شاید بڑے بھائی کی بھاگی تھی۔ اس لیے انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان تھام لیا۔

"او ئے کون ہو تم اور میرے گھر میں کیا لینے آئے ہو؟ تم اندر کیسے آئے؟"

"بڑی جلدی ہوش آیا۔" اس نے گھور کر بولتے ہوئے طنز کیا اور ایک جھٹکا مار کر اپنا گریبان چھڑوایا۔

"میں تو نہ جانے کتنی ہی بار آیا اور جا چکا ہوں تم تو ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنی بیوی کے پہلو میں پڑے ہوئے تھے میں نے ہی نہیں اٹھایا۔ تمہارے گھر کی دیواریں بڑی اونچی ہیں۔ ان کے باوجود میں بڑی آسانی سے اندر آ گیا ہوں جا کر دیکھو سارے دروازے اسی طرح بند ہیں اور ہمیشہ کی طرح اپنی مرضی سے نہیں آیا ہوں زوبیہ کے بے حد اصرار پر آیا ہوں۔ اب بس جا رہا تھا سوچا تم لوگوں سے بھی ملاقات ہو جائے۔" وہ تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا خارجی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہاں موجود کوئی شخص اس کا راستہ نہ روک پایا۔

چھوٹے دونوں بھائی تھے ہی ابھی صرف تیرہ سال کے جڑواں، ماں تو صدمے سے صوفے پر ڈھے گئیں۔ خالہ نے اسی وقت اپنے گھر فون کر کے بیٹے کو بلایا اور کہا کہ انہیں لے جائے۔ بیٹے کے آنے سے پہلے ہی وہ گھر سے نکل کر باہر گلی میں آ گئی تھیں۔ ان کو اپنی بہن سے اس وقت رتی بھر ہمدردی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ وہ پر یقین تھیں کہ ماں ضرور بیٹی کے کرتوتوں سے واقف ہوگی آخر

بھی کی شہہ پر تو وہ یہ سب کرتی رہی ہے۔

''اور میسنی ماں بیٹی چلیں تھیں میرے بیٹے کی زندگی برباد کرنے۔'' وہ جتنا بھی غصہ کرتیں کم تھا۔

چھوٹے دونوں تو ماں کو دیکھنے لگے تھے۔ جو بے جان ہوتی جا رہی تھیں اور بھابی بھاگتی ہوئی اپنے شوہر کے پیچھے گئی تھیں جو زربیہ کے بالوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے جکڑے اسے گھسیٹتے ہوئے واپس کمرے میں لے گئے۔ زربیہ کی چیخیں بلند سے بلند ہوتی چلی گئیں۔ جو چیزیں بھی ہاتھ میں آتی گئی وہ اس کے ساتھ بڑی بے دردی سے اسے مارتا گیا۔

''بھائی وہ جھوٹ بول رہا تھا میں نے اسے نہیں بلوایا۔'' مگر اس کی سننے کے لیے ان کے پاس فرصت نہ تھی۔ بھابی اپنی پوری جان لڑا کر زربیہ کے بال اس کے بھائی کی مٹھی سے آزاد کروانے کی کوشش میں خود بھی دو چار تھپڑ کھا گئی تھیں۔ مگر اس کا بھائی کسی صورت میں بھی اسے آج زندہ چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔

جب تک زربیہ کی والدہ گرتی پڑتی سیڑھیاں چڑھ کر اس کے کمرے تک پہنچیں زربیہ شوہر کے آگے ہار گئی۔ اس کا بے جان ہوتا وجود لڑھک گیا۔ وہ کارپٹ پر اوندھی منہ گری تھی۔ چہرے پر نیل ابھر رہے تھے۔ ہونٹوں کے دائیں کنارے سے خون نکل رہا تھا۔ بائیں آنکھ کے قریب بڑا سا گومڑ نظر آ رہا تھا۔ اس کے ریشم بالوں کا ایک بہت بڑا گچھا اس کے بھائی کی انگلیوں سے ٹوٹ کر فرش پر گرا تھا۔

امی نے اس کی یہ حالت دیکھی تو سارا کچھ بھول کر تڑپتی ہوئی آگے بڑھیں مگر بیٹے نے درمیان میں ہی روک دیا۔

''خبردار امی! اگر آپ اس حرافہ کے قریب بھی آئیں۔''

''بہن کے لیے کیسی زبان استعمال کر رہے ہو۔'' اس دفعہ وہ اتنی اونچی آواز میں گرجا کہ در و دیوار لرز اٹھے۔

''مت کہیں اسے میری بہن، ورنہ اس کی لاش کو چیل کوؤں کے آگے پھینک دوں گا۔'' ساتھ ہی اس نے ایک زوردار پیر زربیہ کے پیٹ پر مارا۔

''مت مارو۔'' اس کی ماں روتی ہوئی اپنا سینہ پیٹتی ہوئی رہیں بیٹھتی چلی گئیں۔ بھابھی زبردستی بھائی کو کھینچتی ہوئی باہر لے جانے کی کوشش میں تھیں مگر اس کا غصہ کم ہونے کی طرف ہی نہیں آ رہا تھا۔

''تم دونوں برابر کی قصوروار ہو۔ تم بھی اور یہ میری ماں بھی۔'' اب وہ بھابی سے مخاطب تھا۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ ہوش میں آئیں مسئلے ایسے حل نہیں ہوتے۔''

''میری عزت کا جنازہ نکل گیا ہے اور تم چاہتی ہو میں ہوش میں آؤں۔ میرا تو جی چاہ رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ میں تم کو بھی مار دوں آخر کیسے گھر پر تمہاری موجودگی میں رہتے ہوئے یہ بے غیرت یہ سب کر گئی۔'' اپنے گلے کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے شوہر کے ہاتھ دیکھ کر بھابی کا رنگ فق پڑ گیا۔ کیسی قیامت کی گھڑی نے سب کچھ ختم کر دیا۔

☆......☆

اعتکاف کے اہتمام کو بنائی گئیں ان کپڑے کی چار دیواریوں میں سب سے پیچھے والا کمرہ ان بزرگ کا تھا جن کے لیے اس وقت وہ چائے کا کپ لے کر جا رہا تھا۔ ان کو اس نے پچھلے سال بھی اسی جگہ پر دیکھا تھا۔ آج ستائیسویں کی شب گزری تھی اور ابھی لوگ سحری کر رہے تھے وہ ہی تھوڑی دیر پہلے انہیں کھانا دے کر آیا تھا اور ابھی چائے لے کر جا رہا تھا۔ ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے وہ اپنا کھانا اپنے مخصوص کمرے میں ہی کھاتے تھے۔

پردے کے باہر رک کر اس نے اجازت طلب کی۔ ''بابا جی چائے لایا ہوں۔''

''آجاؤ بچے، باہر کیوں رک کر اتنی دفعہ پوچھتے ہو سیدھے اندر آ جایا کرو۔''

"آپ کو برا نہ لگے اس لیے پوچھ لیتا ہوں۔"

"اچھے بچے ہو، اب بیٹھ جاؤ میں چائے پی لوں تو کپ لے کر ہی جانا۔"

"جی اچھا۔" دروازے والے پردے کے قریب دو زانو کھڑا ہو کر بیٹھ گیا۔

بابا جی چائے پینے لگے ساتھ ساتھ وہ جیسے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ بہ غور وہ پہلے دن سے دیکھ رہے تھے کہ سادہ سے حلیے میں نظر آنے والا جوان بڑی عمر کے بزرگ لوگوں کی خدمت آگے بڑھ بڑھ کر بڑے شوق سے کرتا تھا۔

"تمہارا کیا نام ہے؟" اس لڑکے نے چونک کر ان بزرگ کی طرف دیکھا۔ اسے یہاں ایک سال ہو گیا تھا مگر کسی کو اپنا نام نہیں بتایا۔

"عمر کیا ہے تمہاری؟" پہلے سوال کا جواب نہ پا کر انہوں نے برا مانے بغیر اگلا سوال کر دیا۔

"اٹھائیس سال۔"

"کہاں کے رہنے والے ہو یہاں لاہور کے؟"

"نہیں گوجرانوالہ کا رہنے والا ہوں۔"

"گوجرانوالہ میں کہاں کے رہائشی ہو؟"

"پرانی پیپلز کالونی کا۔"

"کرتے کیا ہو؟"

"یہاں ایک ٹھیکیدار کے پاس مزدوری کرتا ہوں۔"

اب وہ بزرگ حیران ہوئے تھے۔

"پڑھے کتنا ہوئے ہو؟"

"ایف اے پاس ہوں۔"

"تو پھر مزدوری کیوں تم کر رہے ہو ایف اے پاس کو تو گوجرانوالہ میں ہی کوئی مناسب کام مل سکتا تھا یہاں لاہور ڈیرہ ڈالنے کی ضرورت کیوں پڑی۔"

اس دفعہ پھر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ نظریں جھکا کر فرش کا ڈیزائن دیکھتا گیا۔

"تمہارے گھر میں کون کون ہے؟" اس سوال پر اس کے چہرے کے تاثرات میں واضح تبدیلی آگئی تھی۔ بے چینی اور اذیت۔

جب وہ بولا تو آواز کانپتی ہوئی سی تھی۔

"پہلے کوئی ہوتا تھا اب کوئی نہیں ہے۔"

"شادی شدہ ہو؟"

"نہیں۔" نفی میں سر ہلایا۔

"ماں باپ؟"

اب کی بار زبان خاموش رہی پر آنکھوں سے بے اختیار ہو کر پانی بوندوں کی صورت ٹپکنے لگا۔

"بہن بھائی؟" وہ ابھی بھی رو رہا تھا۔

"ایک بہن ہے۔"

"شادی شدہ؟" اس سوال پر پھر اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"تو وہ کس کے پاس رہتی ہے؟"

"ابو کے ساتھ۔"

"تم ان لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں رہتے یہاں لاہور کیوں رہتے ہو؟" وہ جیسے آج اس بھٹکے ہوئے والے کے روگ کی تشخیص کرنے نکلے تھے۔

"کیونکہ ان کا گناہ گار ہوں۔"

بابا جی نے خالی چائے کی پیالی سائیڈ پر رکھی اور ٹشو کے ڈبے میں سے دو تین ٹشو نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا۔

اس دفعہ انہوں نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ پر وہ خود ہی کسی نامعلوم طاقت کے تحت بولتا چلا گیا۔ جب دل کا سارا درد اگل چکا تو خاموش ہو گیا۔ بابا جی اس دوران اسے بہت غور سے دیکھتے اور سنتے رہے تھے۔

"کیا اسی لیے عمر رسیدہ لوگوں کی خدمت کرتے ہو؟"

"ہاں جی۔ جب تک وہ تھیں مجھے ان کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی اب جب نہیں ہیں تو

ہر چہرے میں ان کو ڈھونڈتا ہوں مگر وہ نظر نہیں آتی ہیں اور میری سب سے بڑی تکلیف یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میری وجہ سے ہاری ہے۔"

"چلو جانے والی تو چلی گئی ہیں۔ جو پیچھے رہ گئے ہیں انہیں کیوں گنوا رہے ہو؟"

"ان کا سامنا کرنے کی میرے میں ہمت نہیں ہے۔"

"تو ہمت پیدا کرو ناں وہ کوئی غیر تھوڑی ہیں۔ تمہارا باپ اور تمہاری بہن سب سے زیادہ تمہارے حق دار ہیں۔ یہاں جو اتنے لوگوں کا خیال کرتے ہو یہ [illegible] نہیں ہوگا جب تک کہ اصل حق دار کو اس کا حق نہ دیا جائے گا۔ ابھی تو تمہارے پاس وقت ہے تمہارا باپ زندہ ہے۔ جاؤ اپنی غلطیوں کی معافی مانگ کر اسے منا لو اگر خدانخواستہ وہ بھی [illegible] تو کیا کرو گے؟"

زبان سے کچھ بھی بولے بغیر وہ اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گیا۔

☆......☆

"تمہاری نماز کے بعد دعائیں دن بدن کچھ زیادہ ہی لمبی نہیں ہوتی جا رہی ہیں۔" مائرہ جو جائے نماز سمیٹ رہی تھی چونک کر سوال کرنے والے کو دیکھا۔

"[illegible] ظلم ہو [illegible] باوجود مجھ سے یہ سوال کر [illegible] پر سکون مت [illegible] کھانا کھا لیا؟"

"ہاں میں نے تو کھا لیا تم بھی کھا لو تب تک میں نماز پڑھ لوں۔" اس نے مائرہ کے بازو سے جائے نماز لے کر بچھائی اور نماز کی نیت باندھ لی۔

مائرہ نے ایک نرم مہربان سی نظر اس پر ڈالی اور باہر آ گئی۔

کھانا کھا کر اپنے برتن سمیٹ رہی تھی جب ابا باورچی خانے کے دروازے پر آ رکے۔

"مائرہ! اس دفعہ دو مہینے گزر گئے ہیں۔ تمہارے بھائی کے خط کا انتظار بڑی بے چینی سے کیا جا رہا ہے۔" مائرہ کے ہاتھوں سے پلیٹ چھوٹتے چھوٹتے بچی تھی۔ آخر ابا نے ایسے کیوں کہا۔

"ڈرتے ڈرتے پلٹ کر ان کی جانب دیکھا۔ جو آنکھوں میں نمی لیے دروازے پر ہی کھڑے تھے۔

"تم کیا سمجھتی ہو کہ میں حقیقت سے ناواقف ہوں۔ وہ دبئی وغیرہ کہیں نہیں گیا ہوا اور اس کا تمہارے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے۔ تمہاری اماں کی الماری میں سے خاکی لفافے ملے تھے۔" مائرہ کی آنکھوں سے بے اختیار پانی بہہ نکلا تھا۔

"معاف کر دیں ابا! یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے مگر میں کیا کرتی امی کی حالت نے میری ہمت توڑ دی تھی مگر یقین مانیں میں نے ایسا نہیں چاہا تھا کہ وہ یوں غائب ہو جائے۔"

ابا اندر بڑھ آئے اور اس کا سر تھپک کر اپنے ساتھ لگایا۔

"میں جانتا ہوں بیٹی! میں تمہیں الزام تو نہیں دے رہا ہوں۔" اس طرف آتی جوتوں کی مخصوص چاپ سن کر وہ جلدی سے سنبھلے۔

"چلو جلدی سے آنکھیں صاف کر لو وہ نماز پڑھ کر آ رہی ہے۔"

مائرہ نے میکانکی انداز میں آنکھیں اور چہرہ صاف کیا۔

"چلو آؤ ٹی وی آن کر دو دیکھیں مفتی منیب الرحمٰن صاحب عید کے بارے میں کیا اعلان کرتے ہیں۔ پھر چائے بنانا۔"

"جی اچھا چلیں۔"

ابا کے ساتھ ہی کچن سے نکل کر بڑے کمرے میں آئی۔ ٹی وی آن کر کے نیوز چینل پر لگایا اور خود ایک [illegible] آ گئی۔ جہاں پہلے سے ہی چولہے پر چائے رکھی جا چکی تھی۔

مائرہ دیکھ کر ایک دفعہ پھر شرمندہ ہوئی۔

"رہنے دیتی ناں میں خود بنا لیتی ہر کام فٹافٹ سے کر دیتی ہیں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"میں تم پر کوئی احسان نہیں کرتی ہوں بس جب فارغ بیٹھتی ہوں ناں تو دماغ گھومنے لگتا ہے بس اسی سے بچنے کے لیے خود کو مصروف رکھتی ہوں تم برا نہ منایا کرو۔"

چائے کپوں میں ڈال کر اس نے مائرہ کی طرف بڑھائی۔

مائرہ نے ایک کپ ابا کو دیا اور دوسرا اعتکاف والے پردے کی دوسری طرف بڑھا دیا۔

خود آ کر بڑے کمرے میں بیٹھے دو نفوس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

اب سبھی لوگ بس مفتی صاحب کے منتظر تھے۔

انتظار آخر کار ختم ہوا۔ عید کا اعلان اور باہر دروازے پر گھنٹی ایک ساتھ بجے تھے۔

"لگتا ہے ماموں لوگ آ گئے ہیں۔"

"جاؤ تم دروازہ کھولو میں دوسرے انتظام دیکھتی ہوں۔" اعتکاف سے اٹھنے والوں کے لیے پھولوں کے ہار اور نئے کپڑے پہلے سے تیار تھے۔

مائرہ اثبات میں سر ہلاتی باہر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ پوچھے بغیر دروازہ کھولا مگر سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

"بھائی تم......!" دوسرے لمحے وہ بھاگتی ہوئی اس کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔

"تم نے ہمیشہ میرے ساتھ برا کیا ہے۔ جانتے ہو اس عرصے میں تمہاری وجہ سے مجھے کیا کیا جھوٹ بولنے پڑے ہیں۔"

"ابو جی...... جلدی آئیں بھائی آ گیا ہے۔"

اکرام صاحب کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔ کانپتی ہوئی ٹانگوں سے وہ کمرے سے باہر آئے تھے۔ جب کہ ایک بن ہوتا وجود وہیں بیٹھا رہ گیا تھا۔ جیسا بھی تھا نالائق یا نکما پر آتے جاتے رستوں میں یا دوسرے تیسرے دن گھر آ کر اپنی صورت تو دکھا جاتا تھا ناں مگر پچھلے ایک سال سے تو وہ اس کی صورت دیکھنے کو بھی ترس گئے تھے۔ کمرے سے باہر تو آ گئے مگر آگے بڑھ کر اسے گلے لگانے سے جھجک گئے۔ داؤد اکرام کی شخصیت ہی ایسی رہی تھی مگر یہ کیا؟ اپنے سامنے وہ کسے دیکھ رہے تھے۔ نہ خوشبوئیں لٹاتا نیا لباس نہ چمچماتے جوتے نہ سلیقے بنے بال، نہ فخر سے اٹھی ناک نہ آنکھوں میں بیگانگی کچھ بھی تو نہ تھا۔ خاکی رنگ کا گھسا ہوا ٹراؤزر ہلکی سی نیلی شرٹ جس کے کف فولڈ کیے ہوئے پیروں میں جوگرز کندھے پر بیگ آنکھوں میں شرمندگی چہرے پر حد سے زیادہ نرمی۔ چھوٹے چھوٹے بال فوجی کٹ اسٹائل میں لیے ہوئے تھے۔ یہ انقلاب تمام اس نے گھر آنے کے لیے کیا تھا۔ شیو کروا کر بال کٹوا کے اور جس دل اور ہمت سے کام لے کر اس نے دروازے کی گھنٹی بجائی تھی وہی جانتا تھا۔

ابا نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ لیے تھے۔

"آگے بڑھ آؤ یار کیا وہیں دروازے کے بیچ میں جم گئے ہو۔"

"کبھی لوٹ آئیں تو پوچھنا مت نظر رکھنا انہیں غور سے
جنہیں راستے میں خبر ہوئی کہ یہ راستہ کوئی اور ہے"

ابا نے بھی کچھ نہ کہا کچھ نہ پوچھا بس آگے بڑھ کر اسے تھام لیا کیوں کہ اس کی غیر حاضری اور اس کے بعد اب سامنے نظر آنے والی حالت صاف بتا رہی تھی کہ یہ وہ والا داؤد اکرام نہیں جسے وہ جانتے تھے پھر کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی کہاں بچتی تھی۔

وہ باپ کی بانہوں میں بالکل بچہ بن کر بکھرا تھا اور انہوں نے بھرپور شفقت سے اسے سمیٹ لیا تھا۔ معافی تلافی تک بات جانے ہی نہیں دی بڑے سلیقے سے سب گول کرتے ہوئے مائرہ سے بولے۔

"مائرہ جاؤ جلدی سے بھائی کو کپڑے نکال دو"

کر دو۔ بار میں تم بھی نہا لو تمہاری ماں تو بیٹے کو پاکستان میں رہنے کے دوران اتنی شان سے پہنتے اوڑھتے دیکھتی تھی اب تو اس کا بیٹا دبئی سے آیا ہے۔ سو سوال کرے گی نا۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا کیا امی زندہ ہیں؟"

"لو بھلا اسے کیا ہونا ہے اچھی بھلی ہے۔ اعتکاف میں بیٹھی ہوئی ہے۔ تمہارے ماموں وغیرہ بھی آتے ہوں گے صبح عید ہے تم جلدی سے کپڑے بدل لو۔ پھر تمہاری ماں کو اعتکاف سے اٹھاتے ہیں۔"

داؤد جو محسوس کر رہا تھا لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر تھا مگر اتنا جانتا تھا کہ وہ اپنے رب کا بہت شکر گزار ہے۔ یہ احسان بھی زندگی بھر نہیں چکا سکتا تھا کہ اس کی ماں مل گئی تھی۔ جس کو کھونے کا سوچ کر وہ بہت رویا تھا اور بہت تڑپ تڑپ کر دعائیں مانگی تھیں۔

مائرہ نے دل میں سوچا آج تو صحیح معنوں والی عید ہو گئی ہے۔ خوشی اور جوش سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ جا کر اس نے داؤد کے لیے سفید کلف شدہ شلوار سوٹ نکال دیا۔ جب تک وہ کپڑے بدل کر آیا ماموں وغیرہ بھی آ گئے تھے۔

داؤد کی موجودگی سبھی کے لیے بڑا سرپرائز ثابت ہوئی تھی۔ عید مبارک بادیوں، قہقہوں اور مٹھائی کھاتے کھاتے اماں جی بھی اعتکاف سے اٹھ گئیں۔ آج اس چار دیواری میں حقیقی خوشیاں آئی تھیں۔

داؤد بار بار اماں کا چہرہ چوم رہا تھا کبھی دیر تک بانہوں میں بھر کر خود کو ان کی موجودگی کا یقین دلاتا رہا۔

"حلیمہ! دبئی جا کر تو داؤد بالکل ہی بدل گیا ہے۔" ممانی نے کہا تو داؤد کو اپنے جذباتی پن کا سب کے سامنے اظہار کا احساس ہوا تو مسکراتا ہوا ایک طرف ہو گیا تاکہ اماں باقی سب سے مل لیں۔

سب سے ملتے ہوئے وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی تھیں اور آخر پوچھ ہی لیا۔

"مائرہ بھئی میری بچی کدھر ہے؟"

"آ...... آپ کی بچی صاحبہ اندر اپنے کمرے میں چھپ کر بیٹھی ہیں۔ ہزار دفعہ کہا ہے باہر آئیں مگر ان سنی کر رہی ہیں۔"

"ارے داؤد بھائی کو دیکھ کر ہم اپنی بھابی کو تو بھول ہی گئے۔ سو سوری بھابی۔" ماموں کی بیٹی ملائکہ خود کو ملامت کرتی اندر کی طرف گئی۔

"اب اندر چھپ کر بیٹھنے کا ٹائم نہیں ہے آپ کے میاں صاحب آ گئے ہیں زبردست سی ٹریٹ بنتی ہے آپ کی طرف سے۔" مائرہ نے سب کے مسکراتے چہروں کی طرف دیکھا اور پھر داؤد جس کے چہرے پر واضح الجھن رقم تھی۔ وہ سوالیہ نظروں سے بھی مائرہ اور امی ابا کے چہروں کو دیکھ رہا تھا مگر اصل شاک ملائکہ کے ساتھ بڑے کمرے میں قدم رکھتی لڑکی کو دیکھ کر لگا تھا۔

اس کے سر پر چھت گر تی تو تب بھی وہ اتنا بے یقین نہ ہوتا۔ جتنا بے یقین اپنے سامنے زوبیہ کو دیکھ کر ہوا تھا۔ اماں واری صدقے جانے والے انداز میں اس لڑکی کا منہ سر چوم رہی تھیں اور داؤد اکرام کا دل کسی گہری کھائی میں گرتا جا رہا تھا۔ اس کا ذہن تھوڑی دیر پہلے ملائکہ کے بولے گئے الفاظ کو دہرانے سے انکاری ہو رہا تھا۔

اماں کے پاس صوفے پر ایک طرف وہ بیٹھا ہوا تھا اور دوسری طرف جگہ بنا کر اماں نے زوبیہ کو بٹھایا تھا۔ جس کا رنگ فق ہوتا جا رہا تھا۔

پھر مہمانوں کی موجودگی کا خیال کر کے وہ مائرہ کے ساتھ باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆

عید ہو جانے کے ارکان کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں نے پہلے سے ہی رس ملائی اور دہی بھلے بنا کر

فریج میں رکھوا دیے تھے ابھی وہی نکال کر سب کو دے کر ساتھ میں کولڈ ڈرنکس۔ اس سارے وقت میں زوبیہ نے ملائکہ وغیرہ کو کچھ محسوس نہیں ہونے دیا۔ ان کے مذاق اور چھیڑ چھاڑ کو مسکرا کر اگنور کر لی گئی اور خود کو باورچی خانے میں بلاوجہ مصروف شو کیا۔ دودھ پہلے سے ابلا ہوا تھا۔ اس نے دوبارہ ابال دیا۔

وہ لب بھینچے سنجیدگی سے ماں باپ کے برابر بیٹھا رہا۔ اس نے کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں لی [illegible] کے سوالوں کے جواب میں بھی بس ہوں ہاں کرتا رہا۔ جونہی مہمان گئے اس نے سوالیہ نظروں سے اماں کی طرف دیکھا۔

اس وقت ابا اور سائرہ بھی ابھی موجود تھے اور جس کے متعلق وہ جاننا چاہتا تھا۔ وہ اپنے [illegible] دل کو سنبھالتی ہوئی وہ [illegible] چلی گئی۔

کبھی کبھی ہوتا ہے ناں ایسا کہ ہم اپنی حدود بھول جاتے ہیں اور اپنی مرضی کے اصول و قانون بنا کر جینا چاہتے ہیں اور پھر ٹھوکر لگتی ہے تو دوبارہ کبھی بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہتے۔

اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ پہلے ہی مرحلے پر ایسی چوٹ کھائی تھی کہ اب زندگی سے ہی ڈر لگنے لگا تھا۔

''پلیز امی! آپ مجھے بتائیں گی کہ یہ لڑکی میرے گھر میں کیا کر رہی ہے اور وہ ملائکہ اور اس کے بہن بھائی اسے بھابی کس کے حوالے سے بول رہے تھے؟''

''میری جان جب تمہارے گھر میں ہے تو تمہارے حوالے سے ہی بھابی بولتے ہیں۔''

''اس سے پہلے کہ میں پاگل ہو جاؤں آپ بتا دیں کہ یہ یہاں کیسے آئی کیا لگتی ہے اس کی اس نے آپ لوگوں سے۔''

''وہ بے چاری کیا کہہ سکتی تھی دادو۔ تمہارے

پاس غصہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جو تم نے اس کے ساتھ کیا وہ ظلم تھا۔ تمہیں ویسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''عجیب باتیں کر رہی ہیں آپ امی۔ اپنی عزت مانا تھا میں اسے اور اس نے میری غیرت کے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔ مجھے اگر علم بھی ہوتا کہ اس کا بھائی اسے زندہ چھوڑ دے گا تو اسی رات اس کو اپنے ہاتھوں سے مار کر وہاں سے [illegible]''

''تمہاری غیرت پر طمانچہ تو [illegible] تمہارے نکاح میں ہوتے ہوئے کسی [illegible]''

[illegible] اس کی صفائیاں دینا بند کریں وہ [illegible] سکتا۔ آپ اس کو کہہ دیں یہاں سے فوراً چلی جائے۔''

''ایسا تو کبھی مر کر بھی نہیں ہو سکتا [illegible] وقت سے خاموش بیٹھے ابا ایک دم [illegible] سے پہلے انہوں نے اس کڑک کے ساتھ [illegible] بات نہیں کی تھی۔

''میں زوبیہ کو اپنی بیٹی بنا کر اپنے ساتھ اس چھت تلے لایا تھا۔ جب وہ بے گھر اور بے آسرا کھڑی تھی اور وہ بھی صرف میرے بیٹے کی وجہ سے اس رات اگر اس کے بھائی نے اسے مارا نہیں تھا تو جینے کا حق بھی چھین لیا تھا۔ میرے اللہ کا حکم ہے کہ اگر کسی کا عیب دیکھو تو اس کو اچھالنے کے بجائے اس پر پردہ ڈال دو تا کہ اللہ تمہارے عیبوں پر پردہ ڈال دے۔

اگر زوبیہ کی بھابی اپنے باپ کو ادھر بلا کر زوبیہ کو اس کے ساتھ نہ بھیج دیتی تو زوبیہ مر ہی چکی تھی۔ بروقت ملنے والی میڈیکل امداد نے اس کی تکلیف میں کمی کی تھی۔ دو ہفتے اسپتال میں رہی مگر اس کے

گھر سے کوئی دیکھنے نہیں آیا۔ کیوں کہ بھائی نے ماں کو دھمکی دی تھی کہ اگر وہ زوبیہ کو دیکھنے گئی تو وہ ماں اور دونوں چھوٹے بھائیوں کو بھی گھر سے نکال دے گا اور زوبیہ بھی اگر بچ گئی ہے تو اس دفعہ مار کر ہی دم لے گا۔ ماں بے چاری سارے صدمے برداشت نہیں کر پائی پہلے بیٹی پر اتنی بڑی تہمت لگنا پھر اسے نیم مردہ حالت میں دیکھنا، سارے خاندان کا تھو تھو کرنا اور آخر میں بیٹے کا یوں [illegible] بنا بے چاری کو ہارٹ اٹیک ہوا اور زندگی ہار گئی [illegible] بھائی نے زوبیہ کو آخری دفعہ منہ دیکھنے بھی نہیں دیا۔

وہ تو ہمیں فون آیا تھا۔ تمہارے دوست کے نمبر پر کوئی صاحب تھے جو مجھ سے اور تمہاری ماں سے بات کرنا چاہتے تھے۔ ہم دونوں گئے فون سنتے ہی انہوں نے اسپتال کا پتا بتا کر وہاں بلایا اور ہمیں ساری بات بتا دی۔ فون کرنے والا زوبیہ کی بھابی کا والد تھا۔ اس بچی کی جو حالت میں نے دیکھی تھی میں نے اسی وقت اپنے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں مرتے دم تک اس بچی کی کفالت کروں گا۔

تمہاری ماں نے جذبات میں آ کر ساری برادری رشتے داروں میں زوبیہ کو تمہاری بیوی کی حیثیت سے متعارف کروایا ہوا ہے۔ میں نے اسے سمجھایا بھی تھا مگر خیر۔ اب یا تو تم تھوڑا ظرف دکھاؤ اپنی غلطی مانو اور اپنے بوڑھے ماں باپ کے منہ سے نکلی بات کی عزت رکھ لو نہیں تو میں تم پر تو اس گھر کے دروازے بند کر سکتا ہوں۔ زوبیہ پر نہیں یہ اس کا گھر ہے اور یہاں وہ پوری عزت کے ساتھ رہے گی۔ تم جہاں جی چاہے جا سکتے ہو۔" ابا نے داؤد کے غبارے کی ساری ہوا ایک جھٹکے سے ہی نکالی اور سکون سے ہاتھ جھاڑتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

مائرہ کو یہ سب دیکھ کر بڑا مزہ آ رہا تھا۔ ابا بول رہے تھے اور زندگی میں پہلی مرتبہ وہ صرف سن رہا تھا۔

داؤد نے سر اٹھا کر مائرہ کی طرف دیکھا جو کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی۔ داؤد نے کشن اٹھا کر اس کا نشانہ لیا۔

"بند کرو اپنے دانت۔"

"یہ تو اب کبھی بھی بند نہیں ہوں گے جناب اور آپ بھی جلدی سے انہیں مجھے اور بھابی کو چوڑیاں دلوائیں۔"

"تمہیں نہیں لے کر جاؤں گا تو [illegible] آئی بھابی والی۔" مائرہ کے بلند ہوتے قہقہوں [illegible] معنی خیز مسکراہٹ نے داؤد کو بھی [illegible] کر دیا۔

"[illegible] کہاں؟" اس نے کان کھجاتے ہوئے لاپروائی [illegible] پوچھا۔

"اسے [illegible] کے نیچے۔ میں بتا سکتی ہوں کہ وہ اس وقت [illegible] بہار [illegible] گی اگر آپ وعدہ کرتے ہیں [illegible]۔"

"تمہیں تو ہرگز نہیں ملیں گی چوڑیاں [illegible] اس سارے فساد کی جڑ ہی تم ہو۔ تم نہ بتاؤ [illegible] ڈھونڈ لیتا ہوں۔"

پہلے ابا کے کہنے پر ان کے ساتھ جا کر عشاء کی نماز پڑھ کر آیا۔ پہلی جماعت نکل گئی تھی۔

واپسی پر اس نے خاموشی سے اپنے سارے گھر میں ڈھونڈا مگر وہ کہیں نظر نہ آئی۔ مائرہ کپڑے استری کرتے ہوئے مسلسل اسے چھیڑ رہی تھی۔

"بغیر مدد کے نہیں ڈھونڈ پائیں گے ان کے ٹھکانے کو صرف میں ہی جانتی ہوں مان لیں ہار۔"

وہ آخر میں چھت پر آیا۔ ساری چھت دیکھ لی مگر بے کار وہیں ریلنگ پر جھک کر صحن میں دیکھتا رہا پھر لکڑی کی سیڑھی نظر آئی۔ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر دونوں بازو ٹانگوں کے گرد لپیٹے ان پر سر جھکائے گٹھڑی بنی بیٹھی تھی۔

''دیکھو اماں کہتی ہیں کہ رات کے وقت اس طرح دیواروں کے ساتھ چپک کر نہیں بیٹھتے کیونکہ جانور [illegible] تے ہیں چھپکلیاں وغیرہ۔''
وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی مگر سر نہیں اٹھایا۔
''تمہیں کس نے کہا ہے کہ اونچائی پر اللہ قریب ہوتا ہے۔'' اب وہ اس کے بالکل برابر بیٹھ گیا تھا۔
تھوڑی دیر یونہی خاموشی چھائی رہی۔
''اگر تم مجھ سے جھوٹ بولے بغیر کنارہ کش ہو جاتیں تو مجھے بالکل برا نہ لگتا مگر جو رویہ تم نے رکھا ہوا تھا وہ میری توہین تھی اور مجھے یہ خیال ہی پاگل کر دینے کے لیے کافی تھا کہ میں ایک لڑکی کے ہاتھوں بے وقوف بنا ہوں۔ اس کے باوجود بھی میں انتہائی شرمندہ ہوں کہ تمہیں یہ ساری تکلیف اٹھانی پڑی۔ اس طور پر تمہاری والدہ کی وفات کا سن کر مجھے دلی [illegible] ہوا ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں کسی بھی صورت میں اس نقصان کی تلافی نہیں کرسکتا۔ مگر پھر بھی کہوں گا کہ مجھے معاف [illegible] میں وعدہ تو نہیں کرتا مگر اپنی پوری کوشش کروں گا کہ تمہارے بھائی کو تم سے ملوا دوں۔'' اس نے [illegible] کا لرزتا ہوا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ سے تھام لیا۔
وہ [illegible] بھی رو رہی تھی۔
''[illegible] مجھے معاف کرسکتی ہو؟'' کافی دیر بعد [illegible] نے سر اٹھایا تھا۔
''تمہیں معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ غلطی تمہاری نہیں بلکہ میں غلطی پر تھی۔ میں نے کبھی ان چیزوں کو سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں تھا اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے سوچا تھا کہ داؤد خوب صورت ہے دوستی اس سے رکھنی ہے مگر میری خالہ کا بیٹا تمہارے مقابلے میں مالی طور پر بہت مضبوط تھا۔ اس لیے شادی اس سے کرنا چاہی مگر میں مانتی ہوں داؤد میں غلط فہمی۔ تم مجھے معاف کردو۔'' اس نے داؤد کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔
''تمہارے ماں باپ نے مجھے اس وقت سہارا دیا تھا۔ جب میرے اپنے مجھے چھوڑ کر حقارت سے منہ موڑ کر چلے گئے تھے۔ داؤد میں نے اللہ سے بہت معافی مانگی ہے۔ تمہارے ابا کہتے ہیں جب کوئی انسان شرمندہ ہو کر اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے تو اللہ اسے معاف کردیتے ہیں۔ کیا تم مجھے معاف کرسکتے ہو۔ ساری حقیقت جاننے کے بعد؟''
داؤد کو حقیقت قبول کرنی ہی تھی کیوں کہ یہ اس کے ماں باپ کی خواہش تھی اور یہ لڑکی جیسی بھی تھی اب بدل گئی تھی اور گھر سے بے گھر بھی اسی کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس لیے داؤد نے نرمی [illegible] کی طرف [illegible] معافی کے لیے [illegible] کھول دیئے۔
''چلو اکٹھے قدم اٹھاتے ہیں نئی منزل کی طرف نیک نیتی کے ساتھ اور ایمانداری کے ساتھ۔'' مائرہ نے آکر شور مچایا تھا۔
''ساڑھے بارہ ہوگئے ہیں اور اگر مارکیٹ بند ہوگئی نا تو آپ کی خیر نہیں ہے۔ صبح عید والے دن میری بھابی کے ہاتھ میں چوڑیاں ضرور ہونی چاہیے۔ یہ اماں کے بعد میرا بھی حکم ہے اور اماں کہہ رہی ہیں صبح مسجد میں آپ دونوں کا نکاح ہونا ہے۔ کیوں کہ سب لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ نکاح ہوچکا ہے تو اب اصل میں ہوگا۔''
مائرہ بولتی جا رہی تھی اور خوشیاں دلوں پر دستک دے رہی تھیں اور کون بے وقوف ہوگا جو آگے بڑھ کر دل کے دروازے نہ کھولے۔
☆......☆......☆

افسانہ

درد کا رنگ بہنوں کے سنگ

"ارے ارے یہ صبح صبح دروازہ پہ کون آ گیا؟ ارے بھائی صبر، اتنی زور سے دروازہ بجا رہے ہیں جیسے خدانخواستہ اسرائیلی فوجوں نے فلسطین پر دھاوا بول دیا ہو۔" افشاں نے دروازے کی طرف نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ جاتے ہوئے کہا۔



''ارے کیا اول فول بک رہی ہو، صبح صبح کے وقت بدفال نکال رہی ہے یہ لڑکی بھی ماں بس۔۔۔! کبھی نہیں سدھرے گی۔'' اماں بی نے مرغیوں کو دانہ ڈالتے ہوئے افشاں کی بھی کلاس لی جس پر افشاں کسمسا کر رہ گئی اور جلدی سے دروازہ کھولا سامنے پوسٹ مین کھڑا تھا۔

''باجی! یہ لیں آپ کی رجسٹری۔ جلدی کریں اتنی چلچلاتی دھوپ میں کب سے کھڑا ہوں۔'' پوسٹ مین نے افشاں سے دستخط کرواتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی ذرا صبر کے ساتھ۔ تم تو ہماری شالیمار ایکسپریس سے بھی زیادہ تیزی دکھا رہے ہو۔'' افشاں کو اپنی مثال پر خود ہی ہنسی آ گئی۔ اس نے ڈاکیہ سے رجسٹری وصول کر کے اسے رخصت کیا اور بے چینی سے لفافہ چاک کیا۔ تو اس کے اندر سے جگمگاتا سلور کلر کا دعوت نامہ نکلا۔

''اوہ! زبردست ہے...... یہ میرے لیے آیا ہے۔ اماں بی...... اماں بی۔'' افشاں نے خوشی سے چیختے ہوئے آواز لگائی۔

''ارے صبر، بی بی اتنی اتاولی کیوں ہو رہی ہو؟ کیا ہو گیا ہے؟ کیا اوباما نے شرف ملاقات بخش دی ہے یا پاکستان کا قرضہ معاف کر دیا ہے۔''



اماں بی نے اپنا چشمہ ناک پر دھرتے ہوئے ہاتھوں کی اوک سے افشاں کو دیکھا جو خوشی سے دمکتے سرخ چہرے کے ساتھ ہاتھ میں پکڑے کارڈ کو بار بار بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

''اوف اوہ! بی اماں آپ بھی ناں کبھی میری خوشی میں خوش نہیں ہوتیں۔ بابا کو بھی ابھی حیدر آباد جانا تھا۔ چلیں میں شام میں ان کو فون کر کے خوش خبری سناتی ہوں۔ وہ یقیناً خوش ہوں گے۔ ایک وہی ہیں جو مجھے ہمیشہ سراہتے ہیں آپ کو تو مجھ سے محبت ہی نہیں۔'' یہ کہہ کر افشاں پیر پٹختی ہوئی کمرے میں گھس گئی۔ ابھی باقی دوستوں سے بھی یہ خوش خبری شیئر کرنی تھی جب کہ بی اماں ناشتے کی تیاری کرنے کچن کی طرف چلی گئیں۔

☆......☆

''دانیہ، دانی ارے بیٹا اٹھ جاؤ۔ دیکھو دن چڑھ آیا ہے۔ تم نے کہا تھا آج تمہیں کسی پارٹی میں جانا ہے۔'' دانیہ کی ماما نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ دانیہ جو ان کی آواز سن کر بھی سستی سے آنکھیں بند کیے ہوئی تھی۔ ایکدم بستر سے چھلانگیں مار کر اتری۔

''اوہ مائی سویٹ ماما!Thank you میں تو بالکل بھول ہی گئی تھی۔ میری دوستیں تو میرا گلا دبا دیں گی۔ you Know یہ بہت ہی اہم Event ہے۔ مجھے اس دن کا بہت شدت سے انتظار تھا۔ میرا یہ خواب تھا جس کی آج تعبیر مل رہی ہے۔'' دانی نے آنکھیں بند کرتے ہوئے جذب کے عالم میں کہا۔

''اوہ مجھے بھی تو پتا چلے کہ آخر ایسا کون سا خواب ہے جس نے ہماری بچی کے چہرے کو اتنا روشن اور لبوں میں مسکان بھر دی ہے۔'' دانیہ کی ماما نے پیار سے دل ہی دل میں اس کی معصومیت کی نظر اتارتے ہوئے پوچھا۔

''ارے ماما!It is surprise آ کر بتاؤں گی ابھی تو مجھے تیار ہونا ہے۔ میں آج سب سے منفرد لگنا چاہتی ہوں۔ آخر اتنی نامور شخصیات سے آج شرف ملاقات ہے۔'' یہ کہہ کر دانیہ واش روم میں گھس گئی۔

''یہ لڑکی بھی ناں، گریجویشن کر لیا ہے مگر ابھی تک بچپنا نہیں گیا۔ اللہ میری بچی کی خوشیوں کو ایسے ہی قائم رکھے۔'' مسز امتیاز نے تمام بکھری چیزیں سمیٹتے ہوئے دل میں دعا دی۔

☆......☆

''اوہ! مجھے یقین ہی نہیں آ رہا کہ میں نے اپنے خواب کی تعبیر پا لی ہے۔ اف کتنا خوب صورت ہے ناں۔''Pc lawn میں کتنی روشنی، جگمگاہٹ تھی کہ سارا ہال بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ خوشی سے جگمگاتے چہرے لیے ہر طرف بکھرتے ہوئے ادھر سے ادھر خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ سامنے ہی اسٹیج کو گلاب اور Tulips سے سجایا گیا تھا اور رنگ برنگے غبارے بہت ہی رنگین اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا منظر پیش کر رہے تھے۔ اسٹیج کے ایک طرف مہمانان گرامی کے لیے سلور میرون کمبی نیشن میں کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جن کے سامنے ہر ٹیبل میں میز پر مہمانوں کو پیش کرنے کے لیے خوب صورت پھولوں کے گلدستے اور شیلڈز بمع سرٹیفکیٹ سجے ہوئے تھے۔ افشاں ایک خواب کے عالم میں آگے بڑھی۔

''ایسا لگ رہا ہے میں بھولے سے کسی پرستان میں آ گئی ہوں۔'' یہ سوچتے ہوئے وہ داخلی دروازے سے کچھ اور آگے بڑھی۔

''افشاں، افشی۔'' اس نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔

''ارے دانیہ! تم ادھر۔'' افشاں، دانیہ کو دیکھ کر خوشگوار حیرت سے گلے ملی۔ جو پر پل اور اسکائی

بلیو کلر کی امبرائیڈری جارجٹ کے سوٹ میں ہم
رنگ اسکارف لیے بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔
"ہاں! اور تم یہاں کیسے؟" دانیہ نے بھی
حیرانی سے پوچھا۔
"کیوں کہ ماہ بدولت بھی آج کی پروقار
تقریب میں مدعو ہیں۔" افشاں نے اپنے فرضی
کالر کھڑے کرتے ہوئے کہا بلیک کلر کی لونگ
شرٹ اور چوڑی دار پاجامے میں ہم رنگ
آویزے پہنے وہ بھی بہت خوب صورت لگ رہی
تھی ابھی دونوں دوستیں باتیں کر ہی رہی تھیں کہ
سامنے سے ریمل اور عائشہ بھی آتی نظر آئیں۔
دونوں کا ریڈ کلر کے گولڈن نگوں سے مزین سوٹ
میں مسکراتی بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ وہ سب
آپس میں خوشدلی سے ملیں۔ اسی وقت تقریب
کے آغاز ہونے کا اعلان ہوا اور تمام مہمان گرامی
کے ساتھ ان دوستوں نے بھی نشست سنبھال لی۔
تقریب کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا اس
کے بعد حمد و ثناء پیش کی گئی۔ آخر کار وہ لمحہ آگیا جس
کا ان دوستوں کو بے چینی سے انتظار تھا۔ یہ اس
تقریب کی چیف گیسٹ محترمہ صالحہ ... آپ
(آپی) اسٹیج پر تشریف لا چکی تھیں
ہال بے ساختہ پرزور تالیوں سے گونج اٹھا
تانیہ اپنی سیٹ سے ہی اٹھ گئی جسے دانیہ نے
بٹھایا۔ ریمل کا ڈیجیٹل کیمرہ حرکت
میں آیا ان کی خوب صورت تصاویر
لیں۔ اب انہوں نے اپنے مخصوص دھیمے انداز
میں خطاب شروع کیا تو پورے ہال میں سناٹا
چھا گیا۔ اس پرسکون ماحول میں ان کی
آواز سر بکھیرتی محسوس ہو رہی تھی۔
کلر کے پروقار ڈریس میں ان کی شخصیت
سب سے منفرد و ممتاز تھی۔ ہر کوئی ان کے شفاف
موتی جیسے الفاظ کو اپنے دل میں صحیفے کی طرح اتار

رہا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے تمام مہمان
گرامی کا شکریہ ادا کیا۔ پھر ردا کی سالگرہ کے
پرمسرت موقع پر سب کو اس کی کامیابی وشہرت کی
مبارک باد دی اور سینئرز رائٹرز کے ساتھ جونیئر
رائٹرز کی کاوش ومحنت کی دل سے خوب صورت
الفاظ میں تعریف کی۔ جو ان کے لیے کسی اعزاز
سے کم نہیں تھا۔ اسی وقت دو بہت ہی پروقار
خواتین اسٹیج پر تشریف لائیں تو ایک بار ہال پھر
تالیوں سے گونج اٹھا۔ پتا چلا کہ مایہ ناز سب کے
دلوں کی ملکہ شازیہ مصطفیٰ اور نائلہ طارق ہیں۔ اوہ
مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا کہ آج میں اپنی پسندیدہ
مصنفہ سے مل رہی ہوں۔"
"یہ خواب تو نہیں۔" افشی نے ریمل کو چٹکی
کاٹی۔
"سی......! افشی کی بچی مجھے نہیں خود کو کاٹو۔"
ریمل نے افشی کو گھورتے ہوئے کہا تو افشی اپنی
ہنسی پر قابو پاتے سامنے اسٹیج کی طرف دیکھنے لگی۔
جہاں اب صالحہ آپی، شازیہ جی اور نائلہ جی کو
پھولوں کے گلدستے کے ساتھ Best
Achievement ایوارڈ اور تعریفی اسناد
پیش کر رہی تھیں۔ ریمل نے جلدی سے اپنے
کیمرے میں اس خوب صورت یادگار منظر کو
محفوظ کیا۔
"ردا کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اس کے ساتھ ابتدا
ہی سے مخلص اور ذہین لوگ منسلک رہے۔ جن
میں سے ہماری تین گوہر نایاب نائلہ، شازیہ
مصطفیٰ بھی ہیں۔ سباس گل کسی ذاتی مسئلے کی وجہ
سے شرکت نہیں کرسکیں۔ مگر میں دل سے ان کی
مشکور ہوں اور تعریفی اسناد اور ایوارڈ ان تک پہنچا
دیے جائیں گے۔ ان کے ناول نے ردا کے قارئین
کو کئی برس اپنی گرفت میں رکھا۔ نائلہ کے بے ساختہ
جملوں کی ادائیگی اور شازیہ اور سباس گل کے پر

مزاح اور رومینٹک مزاج نے ردا کو ہمیشہ سچے
موتیوں اور نگینوں کی طرح جگمگائے رکھا۔'' صالحہ
آپی کی بات پر ہال ایک بار پھر پرجوش تالیوں سے
گونج اٹھا۔ اس کے بعد نائلہ طارق اور شازیہ جی
نے بھی اپنے خوب صورت انداز میں صالحہ آپی کا
شکریہ ادا کیا اور نئی مصنفات کی حوصلہ افزائی اور
رہنمائی کے لیے ایک تربیتی اور مشاورتی ادارے کا
قیام کا وعدہ کیا۔ ان کو دیکھ کر ان کے ناولز کی خوب
صورت سلیقہ شعار اور باوقار ہیروئنز کا خیال آرہا
تھا۔ ان کے بارے میں ان چاروں کا جو ذہن میں
جو تصور تھا وہ دونوں اس سے بھی زیادہ بااخلاق اور
خوش گفتار لگیں۔ ابھی وہ لوگ ان کی سحر انگیز باتوں
اور شخصیت میں کھوئی ہوئی تھیں کہ صالحہ آپی نے
ایک اور خصوصی ایوارڈ کا اعلان کیا جو نئی ابھرتی
ہوئی مصنفہ سیدہ فرزین حبیب کے لیے Best
novelist of the year کے
اعزاز میں تھا۔ پرتپاک تالیوں کے شور میں ریمل
کے برابر کی نشست سے بلیک عبایہ اور پنک
اسکارف میں ملبوس ایک باوقار سی لڑکی شان بے
نیازی کے ساتھ دھیمی چال چلتے ہوئے اسٹیج پر پہنچی
اور نائلہ طارق کے دست مبارک سے تعریفی سند
اور ایوارڈ وصول کیا۔ شازیہ جی اور صالحہ آپی نے
بھی گلے مل کر اسے مبارک باد دی۔

''ارے...... یہ فرزین اپنی فرزین ہیں۔
میرے برابر میں بیٹھی تھی اور مجھے معلوم ہی نہیں۔''
وانیہ نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

''ارے ہاں یار! ان کے افسانے اور ناول کو
پڑھ کر ایسا لگتا تھا کہ یہ کوئی خاتون ہیں مگر یہ
تو...... بہت ینگ ہیں۔'' انشی نے بھی سرگوشی کی۔
انہوں نے دیکھا اس سنجیدہ اور پیاری لڑکی کی
آنکھیں نم تھیں۔ شاید یہ خوشی کے آنسو تھے جو
کامیابی کی صورت میں اس کی آنکھوں میں چمک
رہے تھے۔

''سب سے پہلے صالحہ آپی، نائلہ جی، شازیہ جی
اور تمام حاضرین محفل کو میرا خلوص بھرا اسلام اور ردا
کی سالگرہ بہت بہت مبارک۔ اس کے بعد اللہ
پاک اور میرے والدین کا شکریہ کیوں کہ ان کی
رہنمائی اور دعاؤں کے بغیر میری ذات ایک ذرہ
بے نشان ہے اور اس کے بعد سوئیٹ سی صالحہ آپی کا
ڈھیروں شکریہ جنہوں نے اپنی سوئیٹ ٹیچر، رہنمائی
اور حوصلہ افزائی سے ایک عام سی لڑکی کو آج اس
خاص اور منفرد ایوارڈ کے لائق بنا دیا اور
ادب کی دنیا میں ایک شناخت دی۔ ان کی رہنمائی
کے بغیر میرے قلمی سفر کو طے کرنا اور یہاں
تک پہنچنا ناممکن تھا۔ میں ابھی بھی طفل مکتب ہوں۔ مجھے
ادب کے اسرار و رموز کو سمجھنے میں ابھی بھی اپنے سینئرز کی
حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔ مجھے
آج بھی وہ دن یاد ہے تقریباً دو سال پہلے جب
میں نے اپنی والدہ کی حوصلہ افزائی پر پہلا افسانہ
ردا کے لیے ارسال کیا تھا تو مجھے اس کی اشاعت کی
بالکل امید نہیں تھی مگر صالحہ آپی نے مجھ جیسی طفل
مکتب کی پہلی کاوش کو نہ صرف ردا کی زینت بنایا بلکہ
اپنی خوب صورت اور پرخلوص باتوں سے
حوصلہ افزائی اور تعریف بھی کی۔ جو میرے ذہن
کے گوشے میں اب تک محفوظ ہے۔ ان کی محبت اور
چاہت نے میرے دل کو باندھ لیا اور پھر دل کے
پنوں سے نکلے لفظوں کو محبت کے پر سے باندھ کر
صالحہ آپی تک پہنچاتی رہی۔ جنہیں وہ سراہتی رہیں
اور اس طرح آج اگست 2015ء میں میرے قلمی
سفر کو ردا کی سالگرہ کے ساتھ ساتھ پورے تین
سال ہو گئے ہیں۔ فرزانہ سے فرزین تک کا سفر
بہت خوب صورتی سے طے کیا۔ امید کرتی ہوں
آئندہ بھی نازنیت ردا کے سائے میں میرا سفر
جاری رہے گا اور ان میں میرے ساتھ اور ت

لکھاری ہمسفر ساتھیوں کا اضافہ ہوتا جائے گا۔ ردا کی سب سے منفرد بات یہ ہے کہ اس نے میرے ساتھ ساتھ دوسری نئی لکھاری دوستوں جیسے سویٹ سی دانیہ، چلبلی افشاں اور ریمل کو بھی اپنے سائے میں جگہ دی۔ میری ان دوستوں کا بہت بہت شکریہ۔ جو یہاں موجود ہیں اور میں ان کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔ آپ دوستوں نے ہمیشہ میری تحاریر کو سراہا سندیسے کے ذریعے اپنا قیمتی وقت نکال کر مجھ ناچیز کو اپنی رائے سے آگاہ کیا۔ آپ سب کی محبتیں اور خلوص میرے لیے زیست کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ اللہ پاک کی رضا اور مہربانی اور آپ سب کے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔" فرزین نے اشکبار آنکھوں سے اختتامی کلمات ادا کیے۔ صالحہ آپی نے ایک بار پھر گلے لگا کر اسے پیار کیا اور پھر باقی تمام رائٹرز افشاں، دانیہ، ریمل کو بھی پرزور تالیوں میں اسٹیج پر بلایا گیا۔ انہیں نائلہ جی اور صالحہ آپی نے ان کی محنت اور حوصلہ افزائی کے لیے شیلڈز سے نوازا۔ سب نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی اور شکریہ ادا کیا۔ سویٹ سی نورین ملک نے فرزین کی دعائیہ نظم اپنی خوب صورت آواز میں ردا کے لیے پڑھی۔ جسے سب نے بے حد پسند کیا۔

تیرے راستے میں خوشیوں کے کھلے کنول
تیرا آنچل ہو میں جو کامیابیوں کے گل
میری بھی دعاؤں میں سدا رہے شامل
تجھے پروردگار کی رحمت رہے حاصل
روشنی سدا تیرا مقدر ہو
تیرے لیے کامیابیوں کا سمندر ہو
پڑے نہ تجھ پر کسی برے کی نظر
نہ ہو تجھ پر کسی بددعا کا اثر
ہر لب پر ہو تیرے لیے دعا
تو سدا خوش رہے ہے میری یہ دعا
(آمین)

"یہ خوب صورت نظم ردا کی کامیابی کے ساتھ آج سویٹ سی صالحہ آپی کی سالگرہ کا بھی انمول تحفہ ہے۔" افشی نے نظم کے اختتام پر بتایا تو سب نے صالحہ آپی کو بھی مبارک باد اور دعائیں دیں۔

☆......☆

ریمل نے پورے گروپ کا خوب صورت منظر ہمیشہ کے لیے اپنے کیمرے میں محفوظ کر لیا۔ اس کے بعد ان سب نے صالحہ آپی کی معیت میں دعاؤں اور پرجوش شور کے ساتھ پائن ایپل اور فریش کریم سے سجا خوب صورت کیک کاٹا جس میں ردا اور صالحہ آپی کا نام جگمگا رہا تھا۔ کیک کٹتے ہی ہر طرف غباروں اور پٹاخوں کے پھٹنے کی آوازیں تھیں۔ ہر کوئی اپنے انداز میں خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ پھر تمام مہمانوں کو چائے کے ساتھ لذیذ کیک پیش کیا گیا جسے سب نے انجوائے کیا۔ تمام رائٹرز سے آٹوگراف لیے گئے سویٹ سی صالحہ آپی نے اس خوشی کے موقع پر تمام مصنفات کو اپنا خوب صورت ناول، دعا اور پیغام کے ساتھ گفٹ کیا جو ان چاروں کے لیے کسی انمول خزانے سے کم نہیں تھا۔ اتنی پذیرائی پر ان کا دل رب کا شکر گزار تھا۔ اس طرح یہ دن ان کی زندگی کا خوب صورت یادگار دن بن گیا۔ ان سب نے خوشی خوشی ایک دوسرے سے الوداعی مصافحہ کیا۔ انہیں یقین تھا کہ ردا کے سائے میں یہ قلمی سفر وقت کے ساتھ ساتھ مزید مضبوط ہوتا جائے گا۔ آج ان چاروں کا صالحہ آپی جیسی پرشفیق اور پرخلوص ہستی سے ملنے کا خواب پورا ہو گیا تھا۔ افشاں اور دانیہ کو گھر پہنچ کر نہ صرف اپنی سویٹ ماما اور بابا سے یہ خوش خبری شیئر کرنی تھی بلکہ آج کے خوب صورت دن کو اپنی ڈائری میں بھی محفوظ کرنا تھا۔

......☆......

افسانہ



محبت سنجوگ ہے جاناں

محبت روگ ہے جاناں
عجب سنجوگ ہے جاناں
یہ کیسا روگ ہے جاناں
یہ کیسا جوگ ہے جاناں

میں...... فائزہ صدیقی چار بھائیوں کی اکلوتی بہن، من موجی، ضدی اور موڈی۔ اپنی مرضی سے صبح کرنے والی اپنی مرضی سے شام کرنے والی۔ اپنی دنیا میں مست، مگن اپنے آگے کبھی ابو کی بھی نہ چلنے دی، جب جی چاہا روئی جب جی چاہا ہنسی۔ اپنی خواہشات کو ہمیشہ سر آنکھوں پر رکھا اور زمانے کی باتوں کو ہمیشہ جوتے کی نوک پر۔

محبت جیسا فضول کام میرے شایان شان ہی نہ تھا۔ سو کیا ہی نہیں۔

یہ روگ پالا ہی نہیں
یہ جوگ لیا ہی نہیں

مگر بے وقوف تھی میں حد سے زیادہ پاگل، پتا ہی نہ تھا کہ محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔

کسی سے بھی
کہیں بھی
کسی بھی طرح

شاید اسی لیے مجھے بھی ہو گئی۔

بڑے بوڑھے بتاتے تھے
کئی قصے سناتے تھے
مگر ہم مانتے کب تھے
یہ سب کچھ جانتے کب تھے
یہ باتیں ذکر کے قابل
بھلا گردانتے کب تھے

میں، عثمان عاصم عجیب ہی زندگی تھی میری بھی۔ جب پڑھائی کے دن آئے تو شادی ہو گئی۔ پندرہ سال کی عمر میں خود سے نو سال بڑی لڑکی سے۔ جب آوارہ پنچھی کی طرح محبت کرنے کے دن آئے تو بچے ہو گئے۔ بائیس سال کی عمر میں تین بچے۔ تو پھر اسی الٹ پھیر میں جب بے فکری کے دن آئے پڑھائی ختم ہونے کے دن آ گئے۔ بچوں میں جینے کے دن آئے تو وہ آ گئی۔

اور...... محبت ہو گئی۔

میں بتیس سال کا تھا۔ شادی شدہ تین بچوں کا باپ۔ جاب ہولڈر، PHD اسٹوڈنٹ۔

اور وہ......

صرف اٹھارہ سال کی۔ آوارہ بادل جیسی چنچل کلیوں جیسی۔ من موجی۔ آنرز کی اسٹوڈنٹ۔

میرے برابر آ کر کھڑی ہو گئی۔ نیچا دکھانے لگی۔ پیچھے دھکیلنے لگی۔ حاوی ہونے لگی۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے لگی۔ سر پر سوار ہونے لگی اور میں......

میں برداشت نہ کر سکا۔ سب کچھ بھول سا گیا۔

بس وہ یاد رہ گئی۔ میرے آگے بولتی ہوئی مجھ سے لڑتی ہوئی۔

اور پھر میں بھی اس سے لڑ پڑا۔ وہ لڑکی تھی اور میں





لڑکا۔ وہ کمزور تھی اور طاقتور۔ وہ نا سمجھ تھی اور میں شاید عقل کل۔

سو وہ ہار گئی۔

اور میں جیت گیا۔

خود سے 14 سال چھوٹی فائزہ سے دوسری شادی کر لی۔

☆......☆

ہمیں معلوم ہی کب تھا
تیرے قدموں کی آہٹ پر
گلابی مسکراہٹ پر
تیرے ہونٹوں کی جنبش پر
تیرے سر کے اشارے پر
چمن کے پھول سارے
اس طرح دھیان دیتے ہیں
کہ زورا سے وصل کے جھانسے میں
اپنی جان دیتے ہیں

اتنا بے بس، اتنا مجبور، اتنا بے کس میں نے خود کو کبھی نہیں پایا تھا۔ وہ فاتح تھا اور میں مفتوح۔ وہ آنسو...... وہ سسکیاں...... وہ منتیں شاید میں کبھی نہ بھلا پاتی جو اس رات عثمان عاصم کے قدموں میں وار دیں لیکن اسے رحم نہ آیا۔

اسے بس جیتنا تھا ہر قیمت پر اور میں نے اس کی دوسری بیوی بن کر ہارنا بہتر سمجھا۔

کسی کو نہیں بتایا۔ موقع ہی نہیں ملا۔

نہ امی کو۔

نہ ابو کو۔

کسی کو نہیں۔ چپ چاپ اپنا آپ اس کے حوالے کر دیا۔

☆......☆

انا کے تخت پر بیٹھے
ہمیں معلوم ہی کب تھا
انا کے تخت سے اوپر
بہت ساری بلندی پر
کہیں پریوں کے جھرمٹ میں
تیرے پیروں کی پائل میں
تیرے چھوٹے سے گاؤں میں
تیری زلفوں کی چھاؤں میں
ستارے، چاند، سورج والہانہ رقص کرتے ہیں اور

پھر......

پھر مجھے وہ اچھی لگنے لگی۔ اس کی عادت ہونے لگی اس کی باتیں، اس کی یادیں اس کی ہر شکن ہر شے سے زیادہ قیمتی ہو گئیں۔ اس سے چپ رہنے کا انتظار رہنے لگا۔ میں نے دوسری شادی کا کسی کو بھی نہیں بتایا۔ بیوی کو بھی نہیں۔

"فائزہ چپ کیوں رہنے لگی ہو۔" میں پوچھتا تھا۔

"آپ نے لفظ ہی چھین لیے۔ کیسے بولوں۔"

اس کے سکوت میں بھی کھو جاتا۔

میں اس سے اپنا حق وصول کرتا چلا گیا۔ وہ دیتی چلی گئی۔

بہت بولا کرتی تھی۔ بے زبان ہی ہو گئی۔

بہت ہنسا کرتی تھی۔ ہنسنا ہی بھول گئی۔

کھلتی چلی گئی۔ مٹتی چلی گئی۔ ختم ہوتی چلی گئی۔

☆......☆

ہمیں معلوم ہی کب تھا
صدائے دلبرانہ پر
نگاہ قاتلانہ پر
جفائے مجرمانہ پر
ادائے کافرانہ پر
ستارے، چاند، سورج والہانہ رقص کرتے ہیں۔

اور پھر یوں ہوا۔

عثمان عاصم کی دوسری بیوی کو اس سے محبت ہو گئی۔

اس کی باتیں سننے کو دل مچلنے لگا۔ اس کے بازوؤں کا گھیرا محفوظ لگنے لگا۔ وہ جب بلاتا میں چلی جاتی۔ میں رفتہ رفتہ گم ہو گئی اس میں۔

ٹوٹ گئی اس میں۔

بکھر گئی اس میں۔ ایسے جیسے ختم ہی ہو گئی اس میں۔

لیکن......

اسے کہہ نہ سکی۔ بتا نہ سکی کہ کل متاع ہو میری۔ اب چھوڑا تو جی نہیں پاؤں گی۔ دور گئے تو رہ نہیں پاؤں گی۔ مر جاؤں گی۔

"عثمان! اب نہ چھوڑنا۔" کہہ ہی نہ پائی۔

اور......

اس نے چھوڑ دیا۔

☆......☆

تمہیں کب علم تھا جاناں!
تیرے پیکر سے ڈھل کر چاندنی ہر سمت بکھرتی ہے
شب مہتاب کی دوشیزگی کیسے نکھرتی ہے
تیری پائل کی چھن چھن من میں کیا گھنٹی بجاتی ہے
تیری آواز ویرانے میں کیا جادو جگاتی ہے
تیرے نغمے فضا میں کیسے جلترنگ بجاتے ہیں
بہت سے ارادے [illegible] سے ٹوٹ جاتے ہیں
پکا ارادہ تھا کہ اسے اب کبھی نہیں چھوڑوں گا۔
اسے اب زندگی بنا کر جیوں گا۔

حالانکہ......

میں نے اس سے کوئی اقرار نہیں کیا تھا۔
کبھی کوئی اظہار نہیں کیا تھا۔
لیکن جب اس نے پوچھا تھا "اب بھی چھوڑیں گے نہیں؟"
تو انکار بھی نہیں کیا تھا۔
اس نے کہا کہ الگ کر دیں ...... میں نہیں مانا تھا۔
اس نے کہا کہ اپنی بیوی کو بتا دیں ...... نہیں مانا تھا۔

یہاں تک کہ......

جب اسے میرے ساتھ رہنے کا صلہ ملنے لگا۔
ماں جیسا رتبہ ملنے لگا تو میں تب بھی نہیں مانا۔

وہ بہت روئی۔ مجھ پر اثر نہ ہوا اور وہ ایک بار پھر ہار گئی۔ جس رات وہ ماں جیسے رتبے سے محروم ہوئی۔ میں اس کے پاس نہیں تھا۔

وہ اکیلی تھی...... تنہا......

"اب میں مر بھی گئی تو مت آیئے گا۔" آنسوؤں اور سسکیوں سے بھرا اس کا فون میری بیوی نے سنا تھا۔

☆......☆

ہمیں ادراک ہی کب تھا
ہمیں کامل بھروسہ تھا
ہمارے ساتھ کسی صورت
کبھی ایسا کچھ نہیں ہوگا
دل ناداں کبھی قابو سے بے قابو نہیں ہوگا
یہ دنیا دار، دنیا دار سے سادھو نہیں ہوگا۔

مگر ہو گیا۔ میرا دل بے قابو ہو گیا۔ ایک طوفان آیا تھا۔

ابو کے ہاتھوں نے نہ جانے کہاں کہاں نیل ڈالے تھے۔ بھائیوں نے نہ جانے کیا کچھ کہا تھا۔ عثمان کی بیوی رو رو کر بس اس سے ایک ہی سوال کر رہی تھی۔

"اسے طلاق دو...... طلاق دو اسے......" عثمان چپ تھا اور میں...... میں خاموش نظروں سے اس سے اپنا قصور پوچھ رہی تھی۔

کیا قصور تھا میرا۔

سوائے یہ کہ میں اس کی دوسری بیوی تھی۔ دوسری بیوی اس بے نام معاشرے کی ایک گالی۔

میں نے عثمان سے شادی کر لی تھی اور عثمان نے مجھ سے دوسری شادی کر لی تھی۔ دونوں قصور میرے ہی تھے۔

عثمان کی پہلی بیوی، دنیا کی نظروں میں سب سے زیادہ مظلوم تھی۔

عثمان کے بچے...... بے چارے بچے۔

میرے والدین، مجبور و بے کس۔
عثمان عاصم، صرف ایک مرد۔
لیکن میں، فائزہ صدیقی ظالم عورت، بے حیا لڑکی۔ بے غیرت بیٹی۔ غاصب بیوی اور سب سے بڑھ کر دوسری بیوی۔
''طلاق دو اسے۔'' عثمان کی بیوی نے اسے جھنجھوڑا تھا۔
''عثمان پلیز!'' میرے ہونٹوں سے نکلے۔
''میں بیوی ہوں آپ کی۔'' میری ہچکی بندھ گئی۔
''نہ چھوڑیں پلیز۔'' پاؤں پکڑ لیے اس کے۔
''نہیں رہ پاؤں گی۔'' اس کے قدموں کو آنسوؤں سے دھو دیا مگر
میں کون سی پہلی بیوی تھی۔ عزت دار اس کے بچوں کی ماں۔
میں تو دوسری بیوی تھی۔ بے حیا...... آوارہ......
نہیں رک سکا۔ نہیں روک سکی میں چلا گیا۔ روتا چھوڑ کے چلا گیا۔

☆......☆

مگر
مگر پھر یوں ہوا جاناں
نہ جانے کیا ہوا جاناں
بڑا افسوس ہوا جاناں
جگر کا خون ہوا جاناں
''کیوں چھوڑ آئے اسے۔'' دل رو رو کے پوچھ رہا تھا۔ میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔
''عثمان وہ رو رہی تھی۔'' دل بے قابو ہو رہا تھا۔
''کیسے رہے گی تمہارے بغیر۔'' دل پوچھ رہا تھا۔
''بیوی ہے تمہاری۔'' دل رو رہا تھا۔
''کیا ہوا جو دوسری ہے۔ بیوی تو ہے ناں عزت تو ہے ناں اور سب سے بڑھ کر محبت ہے تمہاری۔''
گاڑی کی رفتار یکدم کم ہوئی تھی۔
''تم اپنا بچپن نہیں بچا پائے۔ جوانی نہیں بچا پائے۔ اب محبت تو بچا لو۔'' میں نے یکدم گاڑی روک دی۔
''کیا ہوا ہے؟'' بیوی نے پوچھا۔
''مجھے واپس جانا ہے۔'' میں نے گاڑی کا رخ واپس موڑا تھا۔
''کیوں؟'' وہ بولی تھی۔
''کیونکہ وہ میری بیوی ہے۔ تمہیں نہیں چھوڑ سکتا لیکن اسے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔'' میں بولتا چلا گیا۔
''تم قابل احترام ہو وہ قابل محبت ہے۔ میری ضرورت ہے۔ تم میرے بچوں کی ماں ہو۔ وہ میری روح کا حصہ ہے۔ تمہیں ہمیشہ ساتھ رکھوں گا لیکن اسے بھی نہیں چھوڑوں گا۔''

☆......☆

تمہارے بیوی اک منش
نے کہا کہ بیوی کے ہم بھی
بڑے بے قسمت ہوئے تھے
مائل ہو گئے ہم بھی
سخاوت کرنے نکلے تھے اور
سائل ہو گئے ہم بھی
بڑے بوڑھوں کی باتوں کے
قائل ہو گئے ہم بھی
روتا ہوا آیا تھا وہ واپس تڑپتا ہوا بھاگتا ہوا۔
''اب نہیں چھوڑوں گا۔ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔''
میرے سر پہ چہرہ رکھے رو رہا تھا۔
''دوسری بیوی ہوں آپ کی۔'' میں بولی تھی۔
''بیوی تو ہو۔'' وہ بولا تھا۔ صبح عید تھی۔ خوشیاں دوبالا ہو ہی جاتی ہیں۔
بڑے بوڑھوں کی باتوں کے
قائل ہو گئے ہم بھی
کہ محبت روگ ہے جاناں
عجب سنجوگ ہے جاناں

......☆......

ناولٹ

دروازے سے کان لگائے وہ کچھ دیر تک سن گن لینے کی کوشش کرتی رہی تھی مگر جب [illegible] نہیں گیا تو چپکے سے دروازہ ذرا کھول کر اندر جھانک لیا۔ سفید لباس میں وہ سرو قد رکوع میں جاتا دکھائی دیا تھا۔



''جا ابرار ۔۔۔ کیا بدتہذیبی ہے؟'' عقب سے ابھرتی جھنجھلاتی آواز پر اس نے فوراً دروازہ واپس بند کیا تھا۔

''میں اس بدتہذیبی پر اس لیے مجبور ہوں کیوں کہ بھوک سے میرا حشر بگڑ رہا ہے اور اعلیٰ حضرت کی عبادت طول پکڑتی جا رہی ہے۔'' وہ خشمگین لہجے میں بولی تھی۔

''جہاں اتنا صبر کر لیا ہے تھوڑا اور کر لو، وہ جیسے ہی باہر آتے ہیں، ہم نے کھانا ہی کھانا ہے۔ دستر خوان بالکل ریڈی ہے۔'' جائشہ نے مدھم آواز میں ہی سمجھایا تھا۔

''تم مجھے صبر کی تلقین مت کرو، انسان کا صبر کرنا اللہ کو پسند ہے۔ اس لیے صبر کرنا کٹھن نہیں لگتا مگر اس کی طوالت انسان کو نچوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ کیا اس کا اندازہ تمہیں میرے چہرے سے نہیں ہو رہا؟'' اس کے بے بس انداز پر جائشہ اسے دیکھ کر رو گئی تھی۔

''تم نے بھی منہ بھر کر ان سے کہہ دیا تھا۔ ہم دونوں کھانے پر آپ کا انتظار کریں گے۔ آپ پہلے اطمینان سے نماز پڑھ لیں۔ لگتا ہے تمہاری



آخری بات کو انہوں نے بہت سنجیدگی سے لیا تھا۔'' اس نے جتایا تھا۔
''وہ مہمان بن کر پہلی بار ہمارے گھر آئے ہیں۔ یہ اچھا لگتا کہ کھانے پر ان کا ساتھ دینے والا کوئی نہ ہوتا۔'' جائشہ فوراً بولی تھی۔
''تو ان کو بھی یہ یاد رکھنا چاہیے تھا کہ کسی کے گھر جا کر بے وقت نہیں سونا چاہیے۔''
''آواز تو ہلکی رکھو۔ انہوں نے سن لیا تو....'' جائشہ نے ٹوکا تھا۔
''ذوالکفل بھائی صرف تھکن کی وجہ سے سوئے تھے۔ تم نے کبھی اتنا طویل سفر کیا ہو تو اندازہ ہو۔'' جائشہ کی بات ادھوری رہ گئی تھی جب دروازے پر آہٹ ہوئی۔
''معاف کیجیے گا خواتین۔ مجھے ذرا دیر ہوگئی۔''
''ذرا......'' جواہر کی زبان سے بے اختیار نکلا تھا۔
''کوئی بات نہیں۔ آپ آئیے کہیں کھانا ٹھنڈا نہ ہو جائے۔'' جائشہ کے فوراً بول اٹھنے پر اس نے مسکرا کر جواہر کو دیکھا تھا۔
''تمہیں شدید بھوک میں اونچا بولنے کی عادت ہمیشہ سے ہے؟'' ذوالکفل کے سوال پر جائشہ تو ضرور شرمندہ ہوئی تھی۔
''یہ تو میں نے کبھی غور نہیں کیا۔ البتہ مجھے دوسروں کی پرائیویسی میں دخل دینے کا بہت شوق ہے۔'' وہ مسکراتے لہجے میں بولی تھی۔
''15 منٹ میں چار بار دخل اندازی......'' ذوالکفل نے ایک بار پھر سے شرمندہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔
''وہ تو میرے صبر پر منحصر تھا۔ انتظار بڑھتا تو دخل اندازی کی تعداد بڑھ سکتی تھی۔'' لاؤنج کی سمت قدم بڑھاتی وہ شرارت سے بولی تھی۔
''باقی سب تو سو چکے ہوں گے میری غفلت کی نیند کے دوران؟'' اس بار وہ جائشہ سے مخاطب تھی۔
''جی ہاں! امی ابو تو ویسے بھی جلدی سونے کے عادی ہیں اور جازم آپ کے جاگنے کا انتظار کرتے کرتے سو گیا۔'' جائشہ نے جواب دیا تھا۔
''میں نے جاشی سے کہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے لیے کھانا ٹیبل پر لگاؤ۔ مگر اس نے دستر خوان سجا دیا۔'' جواہر نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا تھا۔
''بہت اچھا کیا جناب ہم زمین پر بیٹھ کھانے والے لوگ ہیں۔'' وہ خوش دلی سے بولا تھا۔ [illegible] کھانے اڑاتے لوازمات سے مہک رہا تھا۔ بھوک [illegible] ہوئی تھی۔
''بھائی ہاسٹل کے کھانے کھا کر تو آپ گھر کے کھانوں کے ذائقے بھی بھول جاتے ہوں گے۔'' جائشہ بولی تھی۔
''ایسا بھی نہیں ہے۔ ہاسٹل سے گھر آنا جانا تو مستقل رہا ہے۔ بس یہ ہے گھر کے کھانوں کی قدر بہت ہے مجھے۔'' وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔
''بہت خشک ہوتی ہے ہاسٹل کی زندگی پتہ نہیں آپ کیسے وہاں رہتے رہے ہیں اور ابھی مزید رہیں گے ہاؤس جاب مکمل ہونے تک۔'' جائشہ تعجب سے بولی تھی۔
''ہاسٹل میں رہنے کی قربانی دے کر ہی تو یہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر بنے ہیں۔ ہمارے خاندان کی تو پچھلی کسی نسل میں حکیم تک نہیں گزرا۔ یہ بس ایک ہی ہیں، خوش قسمتی ہماری۔ ویسے پوری امید ہے کہ مستقبل میں ایک کے بجائے دو ڈاکٹرز ہو جائیں گے۔ جب ان کی زندگی میں ایک لیڈی ڈاکٹر کی آمد ہوگی۔'' جواہر نے ایک مسکراتی نگاہ ذوالکفل پر بھی ڈالی تھی۔
''ذوالکفل بھائی! ایسا ہو تو کمال ہو جائے گا۔

"... بھی ڈاکٹر کو ہی لائف پارٹنر بنائیں گے۔" جائشہ خوش ہو کر بولی تھی۔

"جی ہاں! کیوں کہ ایک ڈاکٹر بیوی ہی ڈاکٹر شوہر کو برداشت کر سکتی ہے۔" جواہر کے مسکراتے لہجے پر ذوالکفل نے اسے دیکھا تھا۔

"میں آپ کے اس اسٹیٹمنٹ سے متفق نہیں ہوں محترمہ، آپ دونوں کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں ایک ہی کافی ہوں اور میری زندگی میں کوئی لیڈی ڈاکٹر نہیں آنے والی۔" ذوالکفل کے قطعی انداز پر جواہر نے بمشکل ہنسی روکی تھی۔

"ہاؤس جاب مکمل کرنے کے بعد آپ کیا کریں گے؟" جائشہ کے مزید سوال پر جواہر کو کوفت ہوئی تھی۔

"[illegible] اسپیشلائزیشن کا ارادہ ہے۔"

"آپ [illegible] تھکے نہیں اب تک میڈیکل کی اتنی مشکل پڑھائی [illegible]؟" جائشہ نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"اب ڈاکٹر بننے کے لیے محنت تو کرنی ہی پڑتی ہے۔ آپ دونوں کی اسٹڈیز کہاں تک پہنچیں؟" جواب دے کر ذوالکفل نے سوال بھی کیا تھا۔

"میں تو ایم ایس سی کر رہی ہوں۔" جائشہ نے فخریہ بتایا تھا۔

"[illegible] یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" ذوالکفل [illegible] ذہین آنکھوں والی لڑکی اس کانچ سی گڑیا کو دیکھا تھا۔ حالانکہ وہ جواہر سے چھوٹی تھی مگر اس سے زیادہ سنجیدہ، نفیس اور باوقار شخصیت کی مالک نظر آ رہی تھی۔ [illegible] نہیں تھا۔ ان دونوں سے ذوالکفل کی یہ پہلی اور باتکلف سی ملاقات تھی۔ سو یہ فرسٹ امپریشن تھا جو ذوالکفل کی طرف آیا تھا۔

"اور تم کیا کر رہی ہو آج کل؟" ذوالکفل کو دوبارہ اس سے پوچھنا پڑا تھا، جو مکمل کھانے کی طرف متوجہ تھی۔

"آج کل کو چھوڑیں، میں تو کبھی بھی کچھ نہیں کرتی۔" اس کے لاپروائی سے کہنے پر ذوالکفل حیران ہوا تھا۔

"ذوالکفل بھائی! آپ اس سے یہ سوال نہ ہی کرتے تو اچھا تھا۔ ابو کی ڈانٹ ڈپٹ پر بہ مشکل گریجویشن ہی کر سکی ہے۔" جائشہ کو بتانا پڑا تھا۔

"وہ کیوں! پڑھنے کا شوق نہیں؟" ذوالکفل نے براہ راست اس سے پوچھا۔

"میں پڑھتی ہوں مگر ڈگریوں کے لیے نہیں نہ ہی مجھے ان کی ضرورت ہے۔" وہ اسی لاپروائی سے بولی تھی۔

"مگر دنیا تو سند مانگتی ہے؟" ذوالکفل اس کے جواب پر مزید الجھا تھا۔

"دنیا سند ان سے مانگتی ہے جو اس کے لیے کتابیں پڑھتے ہیں۔ دنیا تو انسان کی پہلی سانس کی بھی سند مانگتی ہے اور آخر سانس کی بھی۔ بے چارا انسان دنیا کو سند دیتے دیتے دنیا سے ہی گزر جاتا ہے۔ ساری سندیں دنیا میں ہی دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔" اس کی منطق ذوالکفل کو پسند نہیں آئی اسی لیے خاموش رہا۔ اس کے بعد کھانے کے دوران تمام وقت وہ جائشہ سے ہی محو گفتگو رہا۔ ایک دوبار جواہر نے گفتگو میں شامل ہونے کی کوشش کی مگر ذوالکفل نے کوئی توجہ نہ دی۔ جسے محسوس کر کے وہ بھی بس خاموشی سے کھانا کھاتی ان کی باتیں سنتی رہی تھی۔

کھانے کے بعد وہ ٹی وی پر نیوز دیکھ رہا تھا۔ جب دستر خوان سے پلیٹیں سمیٹتی جواہر نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"آپ کے لیے گرین ٹی بناؤں، میں بہت اچھی بناتی ہوں، آپ کو پسند آئے گی۔"

"نہیں [illegible]۔" مختصر جواب میں انکار کرتا

وہ ٹی وی کی سمت متوجہ ہو گیا تھا۔ تب ہی جائشہ آئی تھی۔

"ذوالکفل بھائی! آپ کے لیے چائے بناؤں۔ کوئی تکلف مت کیجیے گا۔"

"چائے تم بناؤ گی تو بالکل انکار نہیں کروں گا۔" ذوالکفل کے جواب پر جائشہ مسکراتی ہوئی واپس گئی تھی جب کہ جواہر حیرت چھپاتے پلیٹیں سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی مگر اس کے قدم رک گئے۔ اسی سمے جب ذوالکفل کے فون پر کال آئی تھی۔

"ذوالکفل! کہاں ہو تم، اتنی کالز کی ہیں میں نے۔" دوسری جانب سے بہت ناراض لہجے میں کہا گیا تھا۔

"ایم سوری! میں بہت بے خبر سو گیا تھا۔ ابھی کھانے سے فارغ ہو کر کال کرنے کا ہی ارادہ کر رہا تھا۔"

"خالہ جان کی کال ہے کیا؟" جواہر کی اچانک مداخلت پر وہ رکا تھا۔

"نہیں، ماہم ہے۔" ذوالکفل نے اپنی اور اس کی مشترکہ ماموں زاد کا نام لیا تھا جس کے بعد جواہر خاموشی سے لاؤنج سے نکل گئی تھی۔

"اس لڑکی پر تو جہالت ختم ہے۔ کراس ٹاک کرنے پر اس نے یقیناً کوئی معذرت بھی نہیں کی ہو گی؟" ماہم نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

"شاید بھول گئی ہو۔" وہ بولا تھا۔

"بھول نہیں گئی، مینرز سے نابلد ہے اور سمجھتی ہے خود کو بہت اعلیٰ۔" ماہم جلے انداز میں بولی تھی۔

"اور تم نے تو کہا تھا کہ رات میں تم ہماری طرف آؤ گے۔ یہاں ہم سب تمہاری کال کا انتظار کر رہے تھے۔"

"اب اور شرمندہ نہ کرو، میری غفلت پر۔ ابھی تو یہاں بھی کسی سے نہیں مل سکا ہوں۔"

"ملتے رہنا ان سب سے بھی لیکن ابھی میں بھائی کو پاپا کو بھیجتی ہوں تمہیں پک کرنے۔"

"ابھی میری وجہ سے کسی کو پریشان نہ کرو، میں کل ہاسٹل کا ایک چکر لگا کر تمہاری طرف پہنچتا ہوں۔" وہ بولا تھا۔

"تنہا مت نکلنا، کہیں سے کہیں پہنچ جاؤ گے۔ ایک طویل عرصے بعد اس شہر میں آئے ہو۔ میں خود آ رہی ہوں کل شام تک پھوپھو کی طرف۔"

"جو حکم آپ کا۔" وہ بولا تھا۔

"اور ہاں، میرے آنے تک سنبھل کے رہنا۔"

"کن چیزوں سے......؟" وہ الجھا تھا۔

"جواہر معصوم بن کر سب کی توجہ سمیٹنے کا بہت شوق ہے۔ اسے ... کرنے کو پاس کچھ نہیں بس باتیں بنا کر خود کو نمایاں رکھنے کی بیماری میں مبتلا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں اس ہدایت پر عمل کروں گا۔ کل ملتے ہیں پھر۔" وہ بات ختم کرنے والے انداز میں بولا تھا۔

"آپ آج ہی آئے ہیں اور کل چلے جائیں گے۔ کم از کم ایک دن تو اور رکتے۔" اچانک تھامے صوفے پر بیٹھتی جائشہ نے کہا تھا۔

"میں ضرور رکتا مگر میرے پاس اب صرف کل کا ہی دن ہے۔ جس کا وعدہ میں نے ماہم سے کیا ہے۔" وہ بولا تھا جب کہ چائے کے گھونٹ بھرتی جواہر نے اسے دیکھا تھا۔

"آپ کے نزدیک وعدے کی اہمیت ہے؟" اس کے سوال نے ذوالکفل کو حیران کیا تھا۔

"ظاہر ہے، اہمیت ہے اسی لیے تو کوشش کرتا ہوں وعدہ خلافی نہ کروں۔"

"پھر تو آپ کو یہ بھی پتا ہونا چاہیے کہ وعدے ہر کسی سے نہیں کیے جاتے ورنہ ان کی قدر و اہمیت کم ہو جاتی ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

"ہو سکتا ہے لیکن ماہم ہر کسی میں شامل نہیں ہے۔" ذوالکفل سمجھ گیا تھا کہ وہ ماہم سے اس کے رویے کی بات پر ایسا کہہ رہی ہے سو کچھ رکھائی سے بول گیا تھا۔

"اچھی بات ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔" وہ سرد لہجے میں بول کر ٹی وی کی سمت متوجہ ہو گئی تھی مگر چند لمحوں بعد خاموشی سے اٹھ کر لاؤنج سے نکل گئی تھی۔

"ماہم اور جواہر کے آپس کے تعلقات اچھے کیوں نہیں ہیں؟" اس کے جانے کے بعد وہ جائشہ سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

"پتا نہیں، ان دونوں کو ایک دوسرے سے سدا کا بیر ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو ناپسند کرتی ہیں۔ آپ ہاسٹل میں رہتے رہے ہیں۔ اس لیے زیادہ نہیں جانتے ہوں گے۔"

"نہیں تھوڑا بہت تو جانتا ہی ہوں۔" وہ بولا تھا۔

"آپ ہم سب کزنز میں سب سے زیادہ ماہم ہی سے اٹیچڈ ہیں۔ وہ بہت تعریف کرتی ہیں آپ کی۔" جائشہ نے کہا تھا۔

"دراصل میں جب بھی ہاسٹل سے گھر آتا تو ماہم گھر پہ بیٹھی ہوئی ہوتی تھی۔ اس لیے اس سے زیادہ فرینک ہوں۔"

"جی ہاں، ماہم باجی کے لیے کیا مشکل ہے صبح کی فلائٹ سے آپ کے گھر پہنچنا اور رات کی فلائٹ سے واپس آنا۔" وہ سادہ سے لہجے میں مسکرا کر بولی جب کہ ذوالکفل خاموش رہا تھا۔

☆......☆

آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر اس نے جائشہ کو دیکھا تھا جو خفت سے اسے دیکھتی بیڈ پر آ بیٹھی تھی۔

"کیوں منہ پھولا ہوا ہے؟"

"ابھی سے سب سو چکے ہیں پھر بھی تم مجھے وہاں تنہا چھوڑ کر یہاں آ گئیں۔" جواباً جائشہ بگڑی تھی۔

"کیا ہوا، ذوالکفل نے کچھ کہہ دیا تمہیں؟"

"کیا مطلب...... شرم کرلو کچھ۔" جائشہ کے چونکنے اور پھر گھرکنے پر وہ کھلکھلائی تھی۔

"اور بات سنو، ان سے تم ذرا آسان فہم لفظوں میں بات نہیں کرسکتی تھیں؟"

"سنو! جو الفاظ سیدھے دل سے نکل کر زبان تک پہنچیں ان سے زیادہ خالص اور آسان فہم لفظ اور کوئی نہیں ہو سکتے۔"

"چاہے سامنے والے کے ٹکڑوں سے لگی سر تک جا کر بھی نہ سمجھے۔" جائشہ کے خشمگیں لہجے میں بات کاٹنے پر وہ مسکرائی تھی۔

"ویسے میں تو ذوالکفل بھائی سے بہت زیادہ متاثر ہو گئی ہوں۔ ایک تو ان کی شخصیت اتنی اچھی ہے۔ اوپر سے ان کی قابلیت کا رعب مگر ذرا بھی غرور نہیں۔ ان کے سامنے تو لگ رہا تھا جیسے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔" جائشہ بہت زیادہ مرعوب دکھائی دے رہی تھی۔

"ایسا اس لیے ہے کہ ان کے سامنے تم اپنی قابلیت کو نظرانداز کر رہی ہو۔ بری بات یہ نہیں ہے کہ آپ کسی انسان کی قابلیت پر رشک کر رہے ہیں۔ بری بات یہ ہے کہ اس کے سامنے آپ اپنی قابلیت اور قدر و اہمیت کو نظر انداز کر کے خود کو کمتر سمجھ رہے ہیں۔" جواہر نے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔

"فطری سی بات ہے جب انسان خود اپنی ہی ذات کو اہمیت نہ دے تو کسی اور سے بھی یہ توقع مت رکھے کہ وہ اسے اہمیت دے گا۔ سمجھیں کہ نہیں؟" جواہر کے خفگی سے پوچھنے پر جائشہ نے کچھ شرمندہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا تھا۔

☆......☆

کافی کوشش کے باوجود نیند دوبارہ مہربان نہیں ہو رہی تھی۔ اکتاہٹ میں مبتلا ہو کر اس نے کچھ مصروفیت تلاش کرنی چاہی تھی کہ اسے لاؤنج میں موجود بک شیلف کا خیال آ گیا۔

لاؤنج کی لائٹس آن کرتے ہوئے بک شیلف کے سامنے رکتے ہوئے یکدم ٹھٹکا تھا اس کی نگاہ شیلف کے سامنے ہی کھلی کھڑکی پر پڑی تھی۔ ہلکی روشنی میں وہ جواہر ہی تھی جو کھڑکی کے قریب ہی ٹیبل کے گرد بیٹھی کچھ پڑھنے میں مصروف تھی۔ اس کا رخ بھی اسی جانب تھا سو وہ ذوالکفل کی موجودگی سے بے خبر نہیں رہی تھی۔

''میں کوئی کتاب لینے آیا تھا۔'' اس کی حیران سوالیہ نظروں پر وہ گڑبڑا کر بولا تھا۔ دوسری جانب جواہر خاموشی سے اسے رکنے کا اشارہ کرتی کرسی سے اٹھ گئی تھی۔

''اور آخر کار نیند آپ پر مہربان نہ ہوئی۔'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولتی وہ اس کے سامنے آ رکی تھی۔

''ہاں، بس اسی لیے سوچا کوئی اچھی سی کتاب پڑھ لی جائے۔'' بولتے ہوئے ذوالکفل نے ایک بار پھر اس کے ہاتھوں میں موجود قرآن مجید کو دیکھا تھا۔

''ہمارے گھر میں اور اس دنیا میں بھی اس کتاب سے زیادہ اچھی کتاب اور کوئی نہیں وہ مقدس کتاب جسے قرآن مجید کہتے ہیں۔'' بولتے ہوئے اس نے قرآن مجید ذوالکفل کے سامنے کیا تھا۔

''تم اس وقت قرآن پڑھ رہی تھیں؟'' وہ کچھ حیران ہوا تھا۔

''اتنی حیرت کیوں؟ قرآن پڑھنے کے لیے بھی اللہ نے کوئی خاص وقت مقرر کیا ہے؟'' اس کے جواباً سوال پر وہ خجل سا ہوا تھا۔

''اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ اسی لیے تو اس کے کلام پاک کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ بندے کا جب دل چاہتا ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے تو وہ قرآن مجید کھولتا ہے۔'' اس کی مدھم آواز اور عقیدت سے بھرپور لہجے کو سنتا وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔ بس دیکھ رہا تھا۔

سرخ دوپٹے کے ہالے میں دمکتے چہرے پر ایک عجیب سی چمک نمایاں تھی۔

''دراصل آپ کی نیند پوری ہو چکی ہے۔ اس لیے آپ کا دوبارہ سونا مشکل ہے۔'' ذوالکفل کی خاموشی پر وہ بولی تھی۔

''مجھے لگا کہ... غلط ہوا کہ میری وجہ سے تم ڈسٹرب ہوئیں۔''

''بالکل نہیں، میں جو سورۃ یاد کر رہی تھی، الحمدللہ اب یاد ہو چکی ہے۔ میں قرآن کو حفظ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

''مگر یاد کیوں کر رہی ہیں؟'' وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''جس سے محبت ہوتی ہے تو اسے خوش کرنے والی ہر چیز کو یاد رکھا جاتا ہے۔ میں اللہ کی محبت میں اللہ کے کلام پاک کو دل میں محفوظ کرتی ہوں۔ اس کی تلاوت کرتی ہوں۔ دل کو تسکین ملتی ہے کہ میرا کوئی ایک عمل خالص اللہ کے لیے اسے راضی کرنے کے لیے ہے۔'' اس کے کہنے پر ذوالکفل کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''میں آپ کے لیے کوئی کتاب نکال دوں؟'' اس کی خاموشی پر وہ پوچھ رہی تھی۔

''نہیں، تم ذرا رکو، میں پہلے وضو کر آؤں۔'' اسے مخاطب کرتا وہ کمرے کی سمت گیا تھا کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو جواہر وہیں منتظر تھی۔

''اس میں ترجمہ، تفسیر سب ہے۔'' قرآن مجید

دیتے ہوئے وہ بتا رہی تھی۔

"یہ تو اور زیادہ اچھی بات ہے۔" وہ بولا تھا۔

"اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو آپ مجھ سے وہ سورۃ سن لیں جو میں نے یاد کی ہے۔ دراصل مجھے عادت ہے یاد کر کے کسی کو سنانے کی۔ اچھی طرح پھر ذہن نشین ہو جاتا ہے۔" وہ کچھ ہچکچاہٹ بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"کیوں نہیں، ضرور، اس میں زحمت کیسی تمہاری وجہ سے مجھے بھی تو ایک اچھا عمل کرنے کا موقع مل رہا ہے۔" صوفے پر بیٹھنے کے بعد ذوالکفل نے اک نگاہ اسے دیکھا تھا جو کارپٹ پر بیٹھی گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ رہی تھی۔

"شروع کروں؟" جواہر کے سوال پر اثبات میں سر ہلاتا اپنے ہاتھوں میں موجود قرآن کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ کسی ہلکے جواہر کی آواز اس کی سماعتوں تک پہنچی [illegible] تھا وہ اس کی طرف دیکھنے سے خود کو روک نہیں سکا تھا۔ تلاوت کی ایسی خوب آواز ایسا روح پرور پرسوز لہجہ رات کی گہری خاموشی اور سکوت میں ایک سحر طاری ہونے لگا تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ جواہر نے اسے کیا ذمہ داری سونپی ہے۔ وہ بس دیکھ رہا تھا، سن رہا تھا۔ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ تلاوت کے آداب، ادائیگی کے تقدس، [illegible] اتار چڑھاؤ کو بخوبی قائم رکھتے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہو کر تمتمانے لگا تھا۔ پیشانی کے وسط میں باریک سی رگ پھول کر ابھر گئی تھی۔ ذوالکفل جانتا تھا کہ قرآن کی جس سورۃ کی تلاوت کر رہی ہے وہ بے شک بہت خوب صورت ہے مگر اس سورۃ کی تلاوت کو سننا اس قدر خوب صورت ہے یہ اندازہ اسے اب ہو رہا تھا۔ مقدس الفاظ سیدھے دل میں اترتے عجیب روحانیت بخش رہے تھے۔

ذوالکفل کو یاد نہیں رہا تھا کہ آخری بار اس نے کب تلاوت کا یہ حسن دیکھا اور سنا تھا۔ شاید اسے زندگی میں پہلی بار روح کی گہرائیوں سے تلاوت سننے کا موقع ملا تھا۔ وہ کیا محسوس کر رہا تھا۔ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ بے شک کلام پاک کی خوشبو اپنے سننے والوں کی بھی روح کو مہکا دیتی ہے۔ ایمان کو تازہ کرتی ہے۔ یہ بندے پر اللہ کا فضل ہے کہ اللہ کے کلام کو خاموشی سے سننے میں مشغول رہنے پر بندے کے اعمال نامے میں نیکیوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک وجد کی سی کیفیت اگر تھی تو تلاوت مکمل ہوتے ہی وہ خود ہی نہیں اردگرد موجود ہر شے کلام الٰہی کے رعب کے زیر اثر بالکل سناٹے میں گھری تھی۔ خاموش ہوتے ہی اس نے مسکرا کر ذوالکفل کی طرف دیکھا تھا۔

"شکر ہے اللہ کا، کہیں غلطی نہیں ہوئی۔ ورنہ آپ اگر درمیان میں ٹوکتے تو مجھے اپنی کند ذہنی پر بڑی شرمندگی ہوتی۔" جواہر کی اس بات پر وہ جیسے ہوش میں آتا کچھ پریشان سا ہوا تھا۔

"جواہر! ایک کام کرنا کسی اور کو بھی یہ سورۃ ضرور سنا دینا تا کہ مجھے تسلی ہو جائے کہ میں نے سننے میں کوئی غلطی یا غفلت نہیں کی۔" وہ بتا نہیں سکا کہ تلاوت کو بغور سننے کے علاوہ وہ کچھ اور نہیں کر سکا تھا۔

"جی ضرور، آپ مطمئن رہیں۔ صبح ابو کو سنا دوں گی۔ وہ تو اکثر فجر کے بعد مجھ سے تلاوت سنتے ہیں۔" اس کے کہنے پر وہ خاموش رہا تھا۔

"آپ کے لیے چائے یا کافی لے آؤں؟ مجھے بالکل کوئی زحمت نہیں ہو گی۔" وہ اس کے متوقع انکار سے پہلے بولی تھی۔

"اس وقت بالکل خواہش نہیں ورنہ خود تم سے کہتا۔" وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولتا صوفے سے اٹھا تھا اور اسے شب بخیر کہتا کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

تنہائی اور خاموشی اسے جانے کیوں آج اپنے اندر بھی پھیلی محسوس ہو رہی تھی۔ قرآن مجید کی سبز مخملی جلد پر دھیرے دھیرے ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے اپنا آپ ہوا میں معلق محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کہ جسے ہمیشہ عزت اور اہمیت دی گئی۔ خاندان کا واحد ڈاکٹر، جس کی زندگی، جس کا تعلیمی ریکارڈ شاندار رہا تھا۔ جسے مستقبل میں بھی اپنی شاندار کامیابیوں کا یقین تھا۔ جو ہمیشہ خود کو منفرد اور خاص سمجھتا رہا تھا۔

آج چند لمحوں میں اونچے پیڈسٹل سے نیچے آچکا تھا۔ آج پہلی بار یہ سچ اس کے سامنے آیا تھا کہ زندگی کے کئی سال دنیا کمانے میں گزار دینے کے باوجود وہ سب اس کے پاس نہیں تھا جو آج اسے جواہر کے پاس نظر آیا تھا۔ وہ عام سی لڑکی جس کے بارے میں کہا گیا کہ فخر کرنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں، جسے وہ خود کچھ دیر پہلے تک کسی توجہ کے قابل نہیں سمجھ رہا تھا۔ اب اسی لڑکی کے سامنے اسے اپنا آپ بہت بودا، بہت معمولی دکھائی دے رہا تھا۔ اسے ایک لمحے میں اندازہ ہو گیا تھا کہ جواہر نے باقاعدہ قرأت کو سیکھا ہے اور اس کے لیے کافی مراحل سے وہ گزری ہوگی۔ جب کہ اپنے بارے میں وہ جانتا تھا کہ وہ خود صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھ بھی نہیں سکتا۔ اسے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ آخری بار اس نے کب ترجمے کے ساتھ قرآن کو پڑھا تھا۔

آج شدت سے اس پر یہ حقیقت آشکار ہوئی تھی کہ وہ بالکل کسی بنجر زمین کی طرح خشک ہے۔ بالکل خشک۔ جواہر تر کی ہی تری ہے۔ سرسبز و شاداب لہلہاتی زمین کی طرح...... نم...... تر...... زرخیز۔

اپنے خشک ہونے پر اسے صدمہ تھا۔ دل کے نیم مردہ ہونے کا صدمہ۔ اپنے پروردگار سے دوریوں کا صدمہ۔ اپنے رب کی محبت سے انجان رہنے کا صدمہ۔

☆......☆

''باپ کے سامنے یہ زبان نہیں چلتی۔ شرم نہیں آتی ماں کو فر فر جواب دیتے ہوئے۔ بول بول کر منہ سوکھ جاتا ہے مگر مجال ہے جو ایک آواز میں کوئی کام کر لو تم۔'' لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے ذوالکفل نے حیرت سے مہرالنساء کو دیکھا تھا جو وہیں تخت پر بیزار بیٹھی جواہر پر برس رہی تھیں مگر ذوالکفل کو دیکھ کر مہر سارا غصہ بھول گئی تھیں۔

''دیکھ آئے ہاسٹل؟ میں تو کہہ کہہ کر تھک گئی تمہاری ماں سے مگر وہ مان کر دیتے ہیں اور نہ تم۔ جب اپنا گھر ہے یہاں تو کیا ضرورت ہے ہاسٹل میں رہنے کی۔'' وہ ناراضی سے بولی تھیں۔

''خالہ جان! یہ میرا اپنا ہی گھر ہے مگر میرے لیے ہاؤس جاب تک ہاسٹل میں ہی قیام کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ہاسپٹل میں کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں مجھے حاضر ہونا ہوگا اور ہاسٹل زیادہ قریب ہے ہاسپٹل سے۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا تھا۔

''بس میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تمہیں یہاں کوئی پریشانی نہ ہو۔'' مہر بولی تھیں اور پھر بیزار نظروں سے جواہر کو دیکھا تھا۔

''کچھ سبق سیکھو ذوالکفل سے، کتنا فرمانبردار ہے۔ ماں کی خواہش پر ڈاکٹر بھی بن گیا ہے خیر سے۔ کیسا دل خوش ہوتا ہوگا میری بہن کا، کتنا فخر ہوگا اسے اپنی اولاد پر اور ایک تم ہو۔''

''اچھا اب اور میری تعریفیں بیان نہ کریں۔'' وہ درمیان میں جل کر بولی تھی۔

''اور ذوالکفل کی مثال مت دیں۔ سامنے بیٹھے ہیں منہ پر بولوں گی۔ یہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ ماں کی خواہش پر مجبور ہو کر یہ اپنی خواہش بھول گئے۔ ماں باپ کو بھی اپنی خواہشوں کا بوجھ اولاد کے کندھے پر ڈالنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے کہ ان کی اولاد انسان بھی ہے۔ اس کی اپنی بھی خواہشیں

جب... اس بھول میں کوئی نہ رہے کہ اللہ کی بارگاہ میں [illegible] کے معاملے پر ماں باپ سے کوئی باز پرس یا جواب طلبی نہیں ہوگی۔" جتانے والے انداز میں [illegible] تخت سے اتری تھی اور تیر کی طرح [illegible] سے نکلی تھی کہ بہرحال ماں کے ہاتھوں اپنی مزید عزت افزائی نہیں کروا سکتی تھی ذوالکفل کے سامنے۔

[illegible] داخل چکی تھی۔ موسم معتدل تھا۔ مدھم ہوا کے جھونکوں کے ساتھ نم مٹی کی مہک بھی فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ صحن کی اونچی دیوار پر پھیلی سبز گھنی بیلوں پر سفید اور گلابی پھولوں کے انبار تھے۔ گملوں میں پودے بہت شاداب نظر آرہے تھے۔ ان پر [illegible] بوچھاڑیں ڈالتی وہ صحن میں آتے ذوالکفل کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

[illegible] کہ میں صرف اسی کی [illegible] پر ڈال [illegible] اس کے سوال پر جواہر نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"میں نے تو ایسے ہی [illegible] تیر چلا دیا تھا۔ کیا واقعی آپ خود ڈاکٹر نہیں بننا چاہتے تھے؟" جواہر کی حیرت پر وہ بے ساختہ [illegible] کچھ بولا نہیں تھا۔

"آپ تو بہت مصروف رہا کریں گے۔ [illegible] بھی وقت بھی نہیں ملے گا آپ کو۔"

"لیکن [illegible] پھر بھی یہاں آتا رہوں گا۔" وہ [illegible] تھا۔

"آج دن کا آغاز بہت اچھا [illegible] ہے۔ میں [illegible] تم تلاوت کرتی رہو اور میں [illegible] رہوں [illegible] خوش الحانی سے تلاوت کرنا کیسے سیکھا ہے؟"

"[illegible] اس بارے میں کیا کہوں۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے سیکھنے کی جستجو دل میں جگائی۔ اللہ کا کلام خوب صورت ہے۔ اسے خوب صورتی سے پڑھنے کی کوشش کرنا بھی اللہ سے محبت اور عقیدت کی دلیل ہے۔" وہ بولی تھی۔

"آپ میری بار بار تعریف مت کیجیے گا۔ اپنے لیے سب کی تعریف اور رشک انسان کا دماغ خراب کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لیے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی۔" وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی کہ تب ہی ہارن کی تیز آواز نے دونوں کو چونکا یا تھا۔

"ماموں جان آگئے ہیں۔" اسے اطلاع دیتی وہ گیٹ کی سمت بڑھ گئی تھی۔ ذوالکفل نے نمایاں طور پر یہ محسوس کیا تھا کہ ماہم اور جواہر کے درمیان رسمی مسکراہٹ کا بھی تبادلہ تک نہ ہوا تھا۔ جواہر اپنے ماموں کی طرف ہی متوجہ تھی جب کہ ماہم گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی سیدھی اس کی جانب بڑھ آئی تھی۔ اپنے ماموں اور ماہم کے ہمراہ رخصت ہونے تک اس نے ماہم اور جواہر کی ایک دوسرے سے لاتعلقی کو اچھی طرح جانچ لیا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد ماہم کے ہمراہ لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے وہ جواہر کا ذکر سرسری انداز میں کر گیا تھا لیکن اگر اسے اندازہ ہوتا کہ ماہم کو اس کا ذکر ہی بہت ناگوار گزرے گا تو وہ کبھی جواہر کا نام بھی اس کے سامنے نہ لیتا۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ اس میں اتنی انوکھی بات کیا ہے جو تم اتنا متاثر ہو گئے ہو۔ اچھی تلاوت کرنے والوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔ اس کی یہ ایک اچھائی اس کی ہزاروں برائیوں پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔ ویسے بھی اسے بہت شوق ہے چرب زبانی استعمال کرکے سب کو اپنے بس میں کرنا۔"

"تم سے کس نے کہا کہ میں کسی کے بس میں ہوں؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"مجھے پتا ہے کہ اگر میں اس کی کوئی اچھی بات تم سے [illegible] کروں گا تو تمہارا دل اس کی جانب سے صاف [illegible]

"میرا دل صاف ہے اور اس میں آپ کی اچھی رہنا کے لیے کوئی گنجائش نہیں اور آج تم نے خود دیکھا ہوگا اسے اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اپنے گیٹ پر ذرا مسکرا کر ہی استقبال کر لیتی میرا۔ خیر مجھے بھی ایسے غیر ضروری لوگوں کی توجہ کی ضرورت ہے نہ ان میں دلچسپی، دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی بیماری تو اسے ہے ویسے یہ اس کی مجبوری بھی ہے۔ ورنہ ساری زندگی اپنے ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھی ہی رہ جائے گی کسی احمق بندے کے انتظار میں۔" ماہم کا استہزائیہ لہجہ ذوالکفل کو اچھا نہیں لگا تھا لیکن پھر بھی کچھ کہنے کی اس نے غلطی نہیں کی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں یہ تہیہ کرلیا تھا کہ جواہر کے بارے میں کوئی بات نہ وہ کرے گا نہ ماہم سے سنے گا۔

☆......☆

جمائیاں روکتے ہوئے اس نے اسٹڈی ٹیبل کے گرد کتابوں میں گم بیٹھی جائشہ کو دیکھا تھا۔

"جاشی! پڑھتے پڑھتے ذوالکفل سے باتیں بھی کرلو۔ مجھے سخت نیند آرہی ہے۔ ہاسپٹل میں نائٹ شفٹ ان کی چل رہی ہے۔ جاگ میں رہی ہوں۔ ویسے تو اپنی مرضی سے خوب گپیں لگائی ہوں ان کے ساتھ۔" وہ جائشہ پر جھلائی تھی۔

"تمہاری التجا میں برطرف کرچکی ہوں۔ کیوں کہ مجھے پڑھنا ہے ابھی اور۔ ویسے بھی ذوالکفل بھائی کی تاکید ہے کہ میں اسٹڈیز کو پہلی ترجیح دیا کروں اور ویسے بھی ان کی پہلی ترجیح تم ہی ہوتی ہو۔ ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ ان کی کال میرے بجائے تم ریسیو کرو ورنہ وہ ہر بار صرف تمہارے نمبر پر ہی کال نہ کریں۔ یہ تو تم ہو جو جھوٹے بہانے بنا کر اپنا فون مجھے پکڑا دیتی ہو۔"

"ختم ہوگئی تمہاری بک بک......؟" جواہر کے خشمگیں لہجے پر وہ ہنسی تھی۔

"ایک اور پیشنٹ کو دیکھنا تھا۔ انتظار کی زحمت کے لیے ناراض نہ ہونا معذرت۔"

"اب اس میں ناراض ہونے والی کیا بات تھی جو آپ معذرت کررہے ہیں؟"

"احتیاطاً ایسا کیا کیوں کہ میں کسی کی بھی ناراضی برداشت نہیں کرسکتا اور تمہاری تو بالکل بھی نہیں۔"

"یہی تو مسئلہ ہے۔ ہم لوگوں کی ناراضی کے خدشات میں مبتلا رہتے ہیں جب کہ لوگ اس بات پر بھی ناراض ہوجاتے ہیں جس پر ناراض ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہیں ذرا بھی ہمارے خدشات، جذبات اور معذرت کی پروا نہیں۔ پھر کیا ضرورت ہے خود کو پریشان کرنے کی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" ذوالکفل بولا تھا۔ "مجھے تمہاری یہی بات اچھی لگتی ہے کہ تم ذرا ذرا سی بات کو دل سے نہیں لگا لیتی ہو۔"

"اور مجھے آپ کی یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ آپ ہر روز لوگوں کی مسیحائی کرکے اللہ کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں۔"

"میں بس کوشش کرتا ہوں ورنہ میں بہت بڑا اور اچھا انسان نہیں۔"

"ایسا مت کہیں، کوشش اللہ کی راہ میں وہ کرتے ہیں جن کے دل میں ایمان کی روشنی ہو۔"

"اچھائی کا نور تو ہر انسان کی ذات میں چھپا ہوتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں گم شدہ موتی، بس کوئی اسے پالیتا ہے، کوئی غافل رہ جاتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان ایک دوسرے کو چیر پھاڑ کر درندوں کو مات نہ دے رہے ہوتے۔"

"ایک منٹ یہ چیر پھاڑ والی بات خاص طور پر تم نے میرے لیے تو نہیں کی؟" ذوالکفل کے چونک کر پوچھنے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"ارے! آپ کو حق ہے طنز کرنے کا محترم۔ ویسے مجھے پتا ہے تمہارے طنز میں بھی اپنائیت ہوتی ہے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ میں نے آپ کے پروفیشن پر بالکل طنز نہیں کیا۔ دوسری بات یہ کہ میں آپ کی بات سے متفق نہیں۔ طنز رشتوں میں موجود اپنائیت ختم کر کے ہر رشتے کے رنگ کو پہلے پھیکا اور پھر بے رنگ کر دیتا ہے۔"

"یہ شاید تمہارا تجربہ بول رہا ہے۔ یقیناً اس وقت تمہارے ذہن میں ماہم ہے۔" ذوالکفل مسکراتے لہجے میں بولا تھا۔

"کچھ دیر پہلے آپ نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ تجربات ہی تو ہوتے ہیں جو چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی گہرائی سے جانچنے کا ہنر دیتے ہیں۔ رہ گیا ماہم کا معاملہ تو میرے اور اس کے درمیان صرف اس نے دونا پ کا خلل ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

☆......☆

تقریب کی رونق پہل پہل بڑھتی جا رہی تھی۔ سب کے درمیان رہ کر بھی وہ بڑی یکسوئی سے اس کا منتظر تھا۔ جسے تقریب میں شرکت کے لیے اس نے بہت اصرار کے بعد راضی کیا تھا ورنہ جواہر تو ماہم کے بھائی کی انگیجمنٹ میں نہ جانے کا بہت اچھا بہانہ بنا کر بیٹھی تھی۔ ذوالکفل کا اصرار صرف اس لیے تھا کہ کافی دن گزر جانے کے بعد وہ آمنے سامنے بیٹھ کر گفتگو کرنے کا یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

ماہم بہت اچھی میزبان ثابت ہو رہی تھی۔ سب سے مل کر وہ ماہم کی نظر سے بچتا ایک طرف ہو گیا تھا مگر وہ ماہم ہی کیا جو ذرا غافل ہو جاتی۔

"ذوالکفل! تم سب سے الگ تھلگ یہاں کہاں آ گئے۔ میں ڈھونڈ رہی تھی تمہیں۔" [illegible] بولی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں اور کوئی مہمان تو ہوں نہیں۔ [illegible] لہجے سے ڈسٹرب نہ کرو خود کو۔" وہ بولا تھا۔

"ڈسٹرب تو مجھے تم نظر آ رہے ہو۔ جانتی ہوں کس کا انتظار ہے تمہیں۔" ماہم کے سرد لہجے نے اسے چونکایا تھا۔

"وہ ایک ہی تو ہے تمہارے دن رات کی فکر رکھنے والی، ہر رات تمہارا نمبر بزی ہوتا ہے۔ مجھے ایک فون کرنے تک کی فرصت نہیں ملتی تمہیں۔" وہ تلخی سے بولی تھی۔

"ماہم! اگر تمہیں لگتا ہے کہ دنیا میں ایک وہی رہ گئی ہے جس سے میں بات کر سکتا ہوں تو یہ تمہاری سوچ ہے۔ سچ تو صرف یہ ہے کہ میری سب سے اچھی کزن اور دوست تم ہو یہ جانتے ہوئے بھی بار بار مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔"

"مان بھی تو خود جاتی ہوں، تم کون سا منانے کے لیے آ جاتے ہو۔" وہ شکایتی لہجے میں بولی تھی۔

"اسی لیے تو کہتا ہوں تم میری سب سے اچھی دوست ہو۔ اب دیکھو میرے کچھ کہے بغیر ہی تم سمجھ گئیں کہ مجھے کس کا انتظار ہے۔" ذوالکفل نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے بے وقوف مت سمجھو۔ سب سے اچھی دوست تمہاری وہی ہے جس کا بے چینی سے انتظار ہے تمہیں۔"

"ہرگز نہیں۔ وہ سب کچھ ہو سکتی ہے مگر میری دوست نہیں۔" ذوالکفل کے سنجیدہ لہجے پر اس کے تاثرات بدلے تھے۔

"یعنی میں دوست ہوں تمہاری بس اور کچھ نہیں۔"

"ماہم! تم اپنا مقابلہ اس سے کیوں کرنے لگتی ہو؟" وہ زچ ہوا تھا۔

"کیونکہ تم مجبور کرتے ہو۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ میرے مقابلے پر آئے مگر......" بات ادھوری چھوڑ کر اس نے یکدم چمک اٹھنے والی ذوالکفل کی آنکھوں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ سجائے جواہر قریب آتی جا رہی

تھی۔ رائل بلیو شیفون کے سادہ نفیس لباس میں وہ ملبوس تھی۔ بالوں کو اونچی سی پونی ٹیل میں اس نے جکڑ رکھا تھا۔ جیولری کے نام پر بس سلور ٹاپس اس کے کانوں میں جگمگا رہے تھے۔ اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھتی ماہم سلگ رہی تھی۔

''آؤ! تمہارا ہی انتظار ہو رہا تھا۔ ویسے ہمارا مت ماننا، یہ خوشی کی تقریب ہے مگر یہاں تو آج بھی لباس کے معاملے میں تم! کلاس اور رنگا رنگ بھی رنگ ڈھنگ تم نے قائم رکھا ہے۔ سادگی کا شاید تم یقین غربت کا نمونہ دکھائی دے رہی ہو۔'' ماہم کے تضحیک آمیز لہجے پر جہاں زرالکفل دنگ تھا وہیں جواہر کے تاثرات بھی ایک پل کو بدلے تھے۔

''مجھے تو آج پتا چلا کہ لوگ میرے لباس سے لے کر جوتے کے رنگ تک پر بھی نگاہ رکھتے ہیں۔'' جواہر کے فخریہ انداز پر ماہم نے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا تھا۔

''ماہم! میں تو جو ہوں سو ہوں مگر تمہارے نفسیاتی مسائل پہلے سے زیادہ بگڑ چکے ہیں۔''

''اپنی بکواس اپنے پاس رکھو۔'' ماہم تنک ہی تو گئی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ آپ دونوں کسی بحث کو شروع کر کے اس خوشی کے موقع کو خراب نہ کریں۔'' ذوالکفل کے درمیان میں بول اٹھنے پر وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں جو کچھ کوفت زدہ نگاہ ان دونوں پر ڈالتا درمیان سے نکل گیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب سمجھدار ہیں ورنہ شاید میرے ہاتھوں تمہارے اڑتے پرخچے برداشت نہ کر پاتے۔'' جواہر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''رک جاتا تو تمہاری اوقات اس کے سامنے آ جاتی۔ اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ تم جیسی ناکارہ لڑکی اس جیسے کوالیفائیڈ بندے کو پھانس کر اس کے گلے کا طوق بن جائے گی۔ دیکھ لینا کچھ اچھا وقت گزار کر ایسا جائے گا کہ پلٹ کر دیکھے گا بھی نہیں تمہیں۔ کنویں کی مینڈکی کنویں میں ہی رہ جائے گی۔'' ماہم کے لہجے میں حقارت ہی حقارت تھی۔

''پھانسنے کے تو سارے گر تمہارے پاس ہیں۔ میں تو کچھ بھی نہیں تمہارے ان اچھے ہتھکنڈوں کے سامنے۔ میرے نزدیک نہ تمہارے کوالیفائیڈ ڈاکٹر کی کوئی اہمیت ہے نہ اس کی خوبیوں کی کوئی وقعت۔ نہ وہ مجھے جنت میں لے جائے گا نہ میری قبر میں آئے گا۔

اپنے حسد میں تم کتنی ہی الزام تراشی کر لو میرے کردار میں کھوٹ تمہارے فرشتے بھی نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔ نہ تمہارے دماغ کا خلل دور ہو سکتا ہے۔ نہ گری ہوئی سوچ بدل سکتی ہے مگر میری طرف سے اطمینان رکھو۔ میں نے اپنا جھوٹا تمہیں بخش دیا۔ ویسے بھی بڑا ڈاکٹر کی اشد ضرورت تو تمہیں ہے۔ لگا لو ایڑی چوٹی کا زور۔ کبھی نہ کبھی بخت چڑھ ہی جائے گا۔''

''تم تو میری سوچ سے بھی زیادہ شاطر ہو جواہر! جو بکواس تم نے زرالکفل کے بارے میں کی ہے اس کے بعد تمہیں لگتا ہے کہ وہ تمہاری شکل بھی دیکھے گا؟'' ماہم بھڑک کر غرائی تھی۔

''حیرت ہے۔ میں نے کھڑے کھڑے تمہاری مٹی پلید کر دی اور تم زوالکفل کا رونا رو رہی ہو۔ ترس آتا ہے اب تم پر۔ حسد انسان اس سے رکھتا ہے جسے وہ اپنے آپ سے بہتر سمجھتا ہے جس کا اچھا ہونا اس کی برداشت سے باہر ہوتا ہے جس کی اچھائیوں کو نقصان پہنچانے کا وہ کوئی موقع نہیں گنواتا۔ تمہیں بھی جس قدر موقعے مل رہے ہیں ان سے فائدہ اٹھاؤ میری اجازت ہے تمہیں۔''

''تمہاری اجازت میری جوتی کی نوک پر۔ زرالکفل کو بھی پتا چلنا چاہیے کہ تم اسے دو ٹکے کا بھی نہیں سمجھتیں۔ میں اسے ہرگز بھی تمہارے پھانسوں

میں نہیں آنے دوں گی۔" ماہم شدید مشتعل ہو کر وہاں سے چلی گئی۔

اسے ہی ذوالکفل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ تکرار ٹھیک ٹھاک چل رہی ہے۔ اسے حیرت نہیں ہوئی تھی مگر جواہر کے رویے نے اسے ضرور پریشان کر دیا تھا۔ وہ مسلسل اسے نظر انداز کرتی دور دور ہی رہی تھی۔ ذوالکفل کو موقع ہی نہیں مل رہا تھا اس سے بات کرنے کا، زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ذوالکفل نے اسے جازم کے ہمراہ وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔

"اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ اس لیے وہ گھر چلی گئی ہے۔" جائشہ نے اسے وجہ بتائی تھی مگر وہ تو صاف بے بس ہی تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کی غلطی کیا ہے جو جواہر نے اتنی اجنبیت اور لاتعلقی اس کے ساتھ روا رکھی، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ذوالکفل خاص طور پر اس کے لیے ہی اپنے ٹف شیڈول سے وقت نکال کر اس تقریب میں آیا تھا۔

☆……☆

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ تم کیوں ذوالکفل بھائی کی کالز مسلسل نظر انداز کر رہی ہو۔ میں اتنے عرصے تک تمہارے لیے جھوٹے بہانے بنا کر ان کو ٹال نہیں سکتی۔ وہ بچے نہیں ہیں سب سمجھتے ہیں۔ ماہم سے کوئی بات تمہاری برداشت نہیں ہوئی تو پھر ان پر ماہم کا غصہ کیوں نکال رہی ہو۔ اب تم اپنا فون آف کر کے رکھ دو۔ کیونکہ میں اب ذوالکفل بھائی کی کوئی کال ریسیو نہیں کروں گی۔" غصے میں بات ختم کرتی جائشہ کمرے سے نکل گئی تھی۔ دوسری جانب اس نے اپنا فون آف کیا تھا اور پھر ڈریسنگ کی دراز میں ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

لاؤنج میں مہرالنساء جائشہ سے کوئی بات کر رہی تھیں۔ کوئی دھیان دیے بغیر وہ تخت پر بیٹھی اخبار دیکھنے لگی تھی۔

"مجھے حیرت ہے زیب نے ابھی تک مجھے فون کر کے نہ اس معاملے کا ذکر کیا نہ کوئی مشورہ، ورنہ وہ تو پہلی فرصت میں ہر بات مجھے بتاتی ہے۔"

"کس معاملے کی بات کر رہی ہیں؟" چونک کر اس نے اخبار سے نگاہ ہٹائی تھی۔

"تم دنیا میں رہو تو کچھ خبر بھی ہو۔" مہر نے کافی ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

"تو اب بتا دیں۔" اس نے حیرت سے جائشہ کو بھی دیکھا تھا۔

"تمہارے ماموں نے خود رشتہ دیا ہے، ذوالکفل کے لیے ماہم کا۔" ماں کی اطلاع پر اس کی نظر جائشہ پر ٹھہر گئی تھیں۔

"ہاں، دو دن پہلے ہی ماموں نے فون پر امی کو بتایا یہ سب، انہوں نے خالہ جان سے بات کر لی ہے۔ انہوں نے یہ آفر بھی دی ہے کہ شادی کے بعد ذوالکفل بھائی اور ماہم اسی شہر میں رہیں یا کہیں اور، گھر، گاڑی وہ ان کو دیں گے۔ یہی نہیں ماموں اسپیشلائزیشن کے لیے ذوالکفل بھائی کے ملک سے باہر جانے کا بھی انتظام کریں گے اگر وہ ملک سے باہر سیٹ ہونا چاہیں تو ان کے لیے ایک پرائیویٹ کلینک سیٹ کیا جائے گا۔" جائشہ نے روانی سے یہ سب بتاتے ہوئے اس کے سپاٹ چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔ خیر سے باپ بھائیوں کے پاس روپے پیسے کی فراوانی بھی ہے۔ اللہ کے فضل سے اور پھر ماہم میں بھی کیا کمی ہے۔ ماشاء اللہ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ ابھی بھی جانے کون سا امتحان دینے کی تیاری کر رہی ہے۔" مہر تفاخر بھرے لہجے میں بولی تھیں۔

"ایسی دلہن کے لیے میں تمہیں کہتی تھی کہ اچھا پڑھ لکھ جاؤ۔ ماہم کی طرح تمہارا باپ کوئی لینڈ لارڈ نہیں ملازمت پیشہ انسان ہے۔ کم از کم اعلیٰ

تعلیم حاصل کر کے ہی خود کو کسی قابل کر لیتیں تو آج خالہ، ماموں، اپنے بیٹوں کے لیے سب سے پہلے تمہاری طرف دیکھتے مگر تمہارے تو کن ہی دنیا سے نرالے ہیں۔" ماں کے ناگوار لہجے پر اس کے تاثرات بدلے تھے۔

"بات کسی کی بھی ہو رہی ہو مگر میرے نام پر ضرور رو دیا جاتا ہے۔" وہ جھنجھلاہٹ کے ساتھ وہ اخبار پٹختی اٹھی تھی اور جارحانہ قدموں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

"آپ تو دل کی بھڑاس نکال دیتی ہیں مگر وہ جواب گھنٹوں تک روتی رہے گی اس کا جواب ابو کو آپ ہی دیجیے گا۔" جائشہ ناراضی سے ماں کو دیکھتی اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔

☆......☆

ایک ہفتے میں بخار نے اسے بالکل نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کی غیر معمولی خاموشی گھر میں کسی سے بھی چھپی نہیں تھی۔ جائشہ بھی خاموش تھی اس کی کیفیت کو کسی حد تک سمجھنے کے باوجود وہ کیفیت جس کے اسباب سے جواہر خود بھی انجان رہنا چاہتی تھی۔

ڈھلتی دوپہر کی دھوپ دیواروں پر دم توڑ رہی تھی۔ صحن کے سرخ اینٹوں والے فرش پر کچھ سوکھے پتے بکھر رہے تھے۔ کرسی پر براجمان وہ جانے کہاں گم تھی مگر بظاہر نگاہیں ادھر ادھر پھدکتی چڑیوں کی جانب تھیں۔ ڈور بیل کی آواز اسے بری طرح چونکا گئی تھی۔ چند لمحوں تک وہ گیٹ کی نچلی جالیوں سے نظر آتے لیدر کے جوتوں کو دیکھتی رہی تھی اور پھر گہری سانس کھینچتی گیٹ کی سمت بڑھی تھی۔ بغور اس کے تاثرات دیکھتا وہ اندر آیا تھا۔ جب کہ وہ نظر ملائے بغیر سلام کا جواب دیتی ایک طرف ہٹ گئی تھی۔

"اتنی خاموشی کیوں ہے۔ سب کہاں ہیں؟" اس کی تقلید میں کرسیوں کی سمت بڑھتا وہ پوچھ رہا تھا۔

"امی، ابو اور جائشہ، ماموں جان کی طرف گئے ہیں۔ ان کی طبیعت کچھ دنوں سے ناساز تھی۔ جازم ہے گھر میں سو رہا ہے۔ آپ بیٹھیں میں اسے جگاتی ہوں۔"

"نہیں اسے ڈسٹرب مت کرو، بیٹھ جاؤ۔" ذوالکفل کے روکنے پر جواہر نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور پھر کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"جواہر! اتنی طویل ناراضی کی ایک بار میرا قصور تو بتا دیا ہوتا۔" بغور اس کے اترے چہرے پر ذوالکفل نے دیکھا تھا۔ انگوری کلر کے کاٹن کے ملبوس لباس میں وہ بہت مضمحل سی دکھائی دے رہی تھی۔

"اب طبیعت کیسی ہے تمہاری؟" وہ پوچھ رہا تھا مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔ ہوا سے چہرے پر بکھرتیں تراشیدہ لٹیں سمیٹتی وہ ان کی طرف شاید دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

"کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یہاں آکر بھی کسی کے لیے اتنا بے بس ہو جاؤں گا۔ اس کے لیے جو بھی ہوں جو محسوس کرتا ہوں نہ اس سے شیئر کر سکتا ہوں نہ کسی اور سے۔ کچھ نہ کہہ کر بھی۔ اذیت میں ہوں کہہ دیا تو جانے کیا قیامت آجائے۔" وہ بجھے لہجے میں بولا تھا۔

"آپ کا کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے۔ آپ کو جو کہنا ہے جا کر اس سے کہیں جو سانپ کی طرح میرے پیچھے پڑی ہے۔ آپ کی وجہ سے میں اپنی عزت کی مزید دھجیاں نہیں اڑوا سکتی۔ مگر آپ کو اس سے کیا غرض۔ مجھے نہیں ہے پرواہ کہ آپ کیا سوچتے ہوں محسوس کرتے ہیں۔ میری ذات سے بڑھ کر نہیں بس آپ اپنی دولت، امارت کے غرور میں وہ آپ کے سامنے جان بوجھ کر مجھے نیچ ثابت کر رہی تھی اور آپ خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے مگر یہ میں

نہیں، وہ ہے۔ آپ ہیں۔'' وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

''آپ کی خاموشی کا ہی یہ انعام ہے کہ اس نے بہت اچھی قیمت لگائی ہے آپ کی۔ کوئی کیوں اس کی جگہ مجھے بہتر سمجھے گا؟ اتنی بڑی آسامی ہاتھ آنے کے باوجود بھی اگر آپ میرے سامنے وہی بین بجا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ماہم نے درست کہا تھا۔ آپ صرف اپنے وقت کو یہاں اچھا گزارنے کے لیے مجھے استعمال کر رہے تھے۔''

غصے میں بھڑکتی وہ یکدم ساکت ہوئی تھی۔ ایک ہی جھٹکے میں درمیان میں رکھی ٹیبل کو پلٹتا وہ کرسی سے اٹھا تھا۔ اوندھی گرتی ٹیبل اور مگ، گلاس کی فرش پر بکھری کرچیوں سے نظر ہٹا کر جواہر نے اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھا تھا۔ جو شدید مشتعل تھا۔ اس کا چہرہ تو کیا آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ جو دم بخود بیٹھی تھی، اس کی سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے ہی رہ گئی، جب اس کا بازو سختی سے جکڑ کر ذوالکفل نے اسے ایک ہی جھٹکے میں کرسی سے اٹھا کر مقابل کیا تھا۔

''درست کہا تم نے بہت اچھی قیمت لگائی گئی ہے میری جو زوردار طمانچہ بن کر میرے منہ پر پڑی ہے۔ میری انا، میری خودداری پر، آج تمہاری وجہ سے اس طمانچے کی اذیت اور بڑھ گئی ہے۔''

اس روشنی وہ اس کے سرخ چہرے اور آنکھوں سے چھلکتے جلال کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

''ساری دنیا جو چاہے مجھے کہے مگر تم یوں بے عزت نہ کرتیں۔'' اس کے بازو سے ہاتھ ہٹا کر وہ پیچھے ہوا تھا۔

''قصور تمہارا نہیں ہے۔ شاید کھوٹ کہیں میرے ہی خلوص میں رہ گیا ہوگا۔ کیوں کہ اس شہر کے لوگ تو کچھ غلط کر ہی نہیں سکتے۔ یہ میری غلطی ہے کہ تمہارے لیے اپنے جذبات میں ماہم سے نہیں چھپا سکا۔ میرے بھروسے کا یہ صلہ ملا کہ میرے ہی سامنے تمہیں بے عزت کیا گیا۔ میں صرف اس لیے خاموش رہا کہ کہیں بات اور نہ بڑھ جائے۔ بھری محفل میں کوئی تم پر انگلی نہ اٹھا دے۔ اگر یہ سوچ بیچ ہونے کا ثبوت ہے تو تم مجھے ایسا ہی سمجھو۔'' کتنی کڑواہٹ ہے اس شہر کے پانی میں۔ یہاں کسی کے دل میں جگہ بنانا کتنا محال ہے۔ سر اٹھا کر آیا تھا یہاں، کچھ مہربان اپنوں کی بدولت اب سر جھکا کر جاؤں گا۔ کسی کو اپنی ذات سے بڑھ کر چاہنے کی سزا ہے یہ۔ وہی اگر ساتھ ہوتی تو شاید میں اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتا۔'' بجھے بجھے لہجے میں بولتا وہ اس کے چہرے سے نظر ہٹا گیا تھا جو ساکت کی ساکت ہی تھا۔

''بس تمہیں ہی بتا کر جا رہا ہوں صرف اس لیے کہ میرے لیے سب سے زیادہ اہم یہاں صرف تم ہی ہو اور یہاں سے جانے کی اہم وجہ بھی تم ہو۔'' اس کے زخم خوردہ لہجے اور زخمی نگاہوں نے جواہر کے دل کو جھنجھوڑ دیا تھا۔

''جا رہا ہوں، اب واپس نہیں آؤں گا۔'' ایک آخری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالتا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ جواہر کو جیسے ہوش آیا تھا۔ وہ اسے پکارنا چاہتی تھی مگر جانے اس اچانک ملنے والے دھچکے کی شدت تھی یا صدمہ کہ آواز حلق میں ہی گھٹ گئی۔ قدم زمین میں جکڑ گئے تھے۔ بس اس کی پشت کو دیکھتی وہ عجیب کیفیت میں تھی اور جانے والے نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ اپنے پیچھے دروازہ بھی بند کر گیا۔ گہرے مہیب سناٹے میں گھری وہ ماؤف دماغ کے ساتھ کرسی پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ کوئی گرم گرم سی چیز اسے اپنی آنکھوں سے بہہ کر چہرے پر پھیلتی محسوس ہو رہی تھی۔

برتری کی دوڑ (فوقیت) کے کھیل میں وہ ایک ایسے شخص کو کھو بیٹھی جو درمیان میں ہی ہار گئی تھی جو اسے

اپنی ذات پر بھی فوقیت دے چکا تھا۔ اپنی قابلیت پہ
اسے برتری پر رکھتا رہا تھا۔ لاحاصل کی کشمکش میں جو
حاصل ہے اسے ہی گنوا دینا ایک خسارہ ہی تو ہے۔
اسے احساس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے یہ
خسارہ کر چکی ہے۔ وہ دھندلائی آنکھوں سے بند
دروازے کو یک ٹک دیکھتے ہوئے دل میں کوئی چیز
کٹتی اسے محسوس ہو رہی تھی۔ بے چینی بڑھتی جا رہی
تھی۔ بھاگتی ہوئی وہ گھر کے اندر گئی تھی اسے جلد
سے جلد جائشہ سے رابطہ کرنا تھا۔ ایک جائشہ ہی تھی
جو اسے روکنے کے لیے کوئی لائحہ عمل فوری طور پر
اختیار کر سکتی تھی۔

☆......☆

لیکن یہ سب جائشہ کو اس سے متنفر کر گیا تھا۔
جواہر کو اس نے بے نقط سنائی تھیں۔ اس کی نظر میں
قصوروار سراسر جواہر ہی تھی۔ پچھتاوا تھا یا کچھ اور
بہر حال اس نے اپنی صفائی میں نہ ایک لفظ کہا نہ اس
کے پاس کہنے کو کچھ تھا مگر اس کا دل ہر طرف سے
خراب ہو گیا تھا۔ جائشہ سے بات چیت اس نے
ترک کر دی تھی تو جائشہ نے بھی ذرا پروا نہیں کی۔ وہ
جانتی تھی کہ جائشہ نے ذوالکفل کو صرف زبان سے
ہی نہیں۔ عمل سے بھی بڑے بھائی کا درجہ دیا ہے۔
اس شہر میں ایک جائشہ ہی تھی جس نے سب سے
زیادہ ذوالکفل کا خیال اور خیر خبر رکھی تھی۔ کپڑے،
جوتے، ضرورت کی چیزیں اور طرح طرح کے
کھانے بنا کر وہ ملازم کے ذریعے ہاسٹل بھیجتی رہتی
تھی۔ جواہر کو اندازہ تھا کہ وہ ذوالکفل سے کانٹیکٹ
میں ہے۔ لاشعوری طور پر اس کی سماعتیں منتظر رہتی
تھیں مگر جانے کیوں گھر میں کوئی ذوالکفل کے
بارے میں بات ہی نہیں کرتا تھا۔

رمضان کریم کے پرنور مہینے کے مقدس دن،
رات کا آغاز ہوا تو اس کی ساری توجہ عبادات کی
جانب مبذول ہو گئیں۔ خاموشی پہلے سے زیادہ
بڑھ گئی تھی۔ جو پہلے جوش و خروش ہوا کرتا تھا۔ اب
بار سرد تھا۔

کبھی جب وہ سوچنے بیٹھتی تو اسے بہت عجیب
لگتا کہ ایک شخص کے چلے جانے سے یوں بھی
زندگی بے رونق اور سنسان ہو سکتی ہے۔

یہ کہنا اور سمجھنا بہت آسان ہوتا ہے کہ کسی کے
چلے جانے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پتا نہیں ہم
کیوں یہ بھول جاتے ہیں کہ جانے والا انسان اس
زمین پر ایک ہی ہے۔ وہ جیسا بھی ہے اس جیسا کوئی
دوسرا نہیں۔ اس کی جگہ پر کوئی دوسرا آ ہی نہیں سکتا۔ وہ جگہ خالی ہی رہتی ہے فرق ہے بے شک
ہو مگر خلا باقی رہ جاتا ہے۔ زندگی میں بھی اور
دل کی بھی۔

چھت پر چہل قدمی کر کے وہ آنکھیں موندے
لیٹی تھی۔ جب کہ جائشہ فون پر کسی دوست سے
باتیں کرتی آسمان پر چاند کو ڈھونڈنے کی کوششوں
میں تھی۔ آج ساری تراویح کی ادائیگی کے بعد جائشہ اسے
زبردستی چھت پر کھینچ لائی تھی۔

''اب ذرا تم بھی کوشش کر لو۔ میں پاپا کو کال
آن کرتی ہوں۔ شاید خوش خبری مل جائے۔'' جائشہ
اس کا کاندھا ہلا کر ہدایت دیتی گئی تھی۔ چند لمحوں
تک وہ نیم وا آنکھوں سے جائشہ کو جاتے دیکھتی رہی
تھی اور پھر دوبارہ آنکھیں بند کر لی تھیں۔ آخری
عشرے میں اس کی طبیعت کافی ناساز رہی تھی۔ سو
وہ اب بھی نڈھال سی تھی۔ مدھم ہوا کے جھونکے وہ
خود سے ٹکراتے محسوس کر رہی تھی۔ جب ایک مانوس
سی مدھم مہک اسے اپنا واہمہ لگی تھی مگر یہ کیسا واہمہ تھا جو
اردگرد فضا میں بڑھتا، پھیلتا جا رہا تھا۔

''سنگدل لڑکی۔'' گھمبیر مدھم آواز پر اس نے
یکدم آنکھیں کھولی تھیں۔ دل کی دھڑکن یک بیک
تھم گئی تھی۔ خواب کی سی کیفیت میں اسے دیکھتی وہ
اٹھ بیٹھی تھی۔

بلیک جینز اور ہنی کلر شرٹ میں ملبوس سلیوس کہنیوں تک فولڈ کیے اپنے دراز قامت کے ساتھ ذوالکفل وہاں موجود تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر بےخوابی کی گہری چھاپ تھی اور شہد رنگ گہری آنکھوں میں شکوے نمایاں تھے۔ اسے تخت کے کنارے براجمان ہوتا دیکھ کر وہ دھڑکتے دل کو سنبھالتی سر جھکا گئی تھی۔

"تم نے سنا نہیں، میں نے سنگدل کہا تمہیں۔" ذوالکفل نے بغور اس کے ملیح چہرے پر بکھری زردی اور نقاہت کو دیکھا تھا۔

"طعنہ دے رہے ہیں؟" نگاہ اٹھائے بغیر وہ بولی تھی۔

"نہیں حقیقت بتا رہا ہوں۔" وہ بولا تھا۔

"کب واپس آئے؟"

"کیا کب گیا تھا یہاں سے۔" اس کے جواب پر جواہر نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔

"میں تو واقعی چلا جاتا، تم سب تمہاری طرح سنگدل نہیں تھے کہ روکنے کی کوشش بھی نہ کرتے۔ بہت بری بھی ہو تم۔"

"ہاں! میں جانتی ہوں کہ میں بری ہی ہوں۔" اس کی رسٹ واچ کے چمکتے ڈائل پر نگاہ جمائے وہ دلگرفتگی سے بولی تھی۔

"اپنا خیال کیوں نہیں رکھا۔ میری ناراضی کا اتنا بھی سوگ منایا تم نے؟" اس کے سوال پر وہ نہ کچھ بولی نہ نگاہ اٹھائی۔

"جالنشہ نے بتایا کہ تم ذوالکفل سے اتنا ناراض ہو کہ پھر اسٹڈیز شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بے فکر رہو میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ ذوالکفل ان کی بیٹی کو ایک بار اکٹھا گھر لے کے بھی ان کی بیٹی کو ایک بار ذوالکفل لے گیا۔" مسکراتی نظروں سے ذوالکفل نے اس کی نم آنکھوں کو دیکھا تھا۔

"تمہیں میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں تو پھر میں چلتا ہوں۔" ذوالکفل یکدم خفا ہو کر اس نے اٹھتے اٹھتے رکا تھا۔ جب بے اختیار ہی وہ اس کا ہاتھ تھام کر روک گئی تھی۔ ذوالکفل دنگ ہوا تھا جب کہ وہ بری طرح جھینپ کر ہاتھ پیچھے ہٹا گئی تھی۔

"بہت بہت شکریہ اگر یہ خوب صورت عنایت تم پہلے کر لیتیں تو میں تڑپ نہ رہا ہوتا۔" گہری نظروں سے ذوالکفل نے اسے دیکھا تھا۔

"یہ تو میرا دل ہی جانتا ہے کہ اتنے دن کس طرح میں نے تمہیں دیکھے بغیر، تمہاری آواز سنے بغیر گزارے ہیں۔"

"آپ کو اتنے غصے، اتنا ناراض پہلی بار دیکھا تھا۔ غلطی میری تھی۔ اس لیے آپ سے سامنا کرنے کی بھی جرأت نہیں تھی۔ ورنہ میں پہلے ہی آپ سے معافی مانگ لیتی۔ آپ کو یہاں سے جانے کی بات بھی نہ کرنی پڑتی۔ میں اپنا چہرہ بھی آپ کو نہ دکھاتی۔"

"تم زندگی مانگو، دل مانگو، جان مانگ لو مگر معافی تو تم سے مجھے ہی مانگنی پڑے گی۔ میں بھی کیا کرتا تمہاری بہن تم سے زیادہ ظالم ہے۔ تمہارے دماغ ٹھکانے آ جانے تک اس نے تم سے بالکل لاتعلق رہنے کی ہدایت کی تھی۔ مجبور تھا ورنہ اس کے ذریعے تمہاری جو خیر خبر ملتی رہی اس سے بھی جاتا۔ پاگل ہو جاتا میں۔" اس کے بے بسی سے کہنے پر جواہر نے بس ایک پرشکوہ نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔

"چاند دیکھو گی؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"نہیں دیکھنا۔"

"تو پھر کل عید مجھے دیکھ کر منانی ہے؟"

"نہیں منانی عید بھی۔"

"کتنے دکھ دیتی ہو تم، اب کیا اپنے فرشتوں کو بلاؤں تمہیں راضی کرنے کے لیے۔" وہ زچ ہوا تھا۔

"کہاں ہے چاند؟" فقی نے ذوالکفل کو دیکھنے کے بعد اس نے آسمان کو دیکھا تھا۔

"وہ رہا اُدھر۔" ذوالکفل نے اشارہ کیا تھا۔

"کہاں...... نہیں نظر آ رہا۔"

"غور سے تو دیکھو اس طرف......!"

"نہیں ہے کوئی چاند، وائد جھوٹ۔" جواہر کی بات ادھوری رہ گئی جب ذوالکفل نے ایک چپت اس کے سر پر لگائی تھی۔ بے ساختہ المنی کی زور لگا کر جواہر نے بہت مدھم سے باریک ہلال کو پھر دیکھا تھا۔

"آپ کو چاند مبارک۔" وہ فقی سے بولی۔

"تمہیں بھی زمین اور آسمان کے دونوں چاند مبارک۔ اب چلو میرے گھر میں تم نے عید کی کوئی تیاری نہیں کی۔ مجھے ہی ازالہ کرنا ہوگا۔ خالہ امی سے اجازت لے چکا ہوں۔ ویسے دو دن بعد تمہارے لیے مجھے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اب پوچھو وہ کیسے؟" اس کے مسکراتے لہجے پر جواہر نے بس حیران سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"کیونکہ پرسوں میرے گھر سے سب یہاں آ رہے ہیں۔ تمہیں میرے گلے کا ہار بنانے، مطلب مجھ سے منسوب کرنے۔" اس کی اطلاع نے جواہر کو دم بخود کیا تھا۔

"مگر...... وہ مائم......" وہ جانے کیا کہنا چاہتی تھی وہ خود نہیں جانتی تھی۔

"ہاں، اس کو ایسا شخص ملنا چاہیے جو اس کی طرح مکمل اور اس کے قابل ہو۔ ہم ٹھہرے درویش صفت انسان، آپ جیسی درویش خاتون کے ساتھ ہی خوش رہ سکتے ہیں۔ ویسے بھی جس رشتے میں محبت اور دل کی رضا شامل ہونے کا امکان ہی نہ ہو، اسے قائم نہ کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔" وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

"جانتی ہو۔ تمہیں جاننے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ واقعی کچھ لوگ بند کتاب کی طرح ہوتے ہیں جس کے سرورق سے ہی کوئی رائے قائم کرنا بے وقوفی ہوتی ہے۔ امی کی خواہش پر ڈاکٹر بننے کی حامی بھرتے ہوئے میں نے صاف طور پر یہ کہہ دیا تھا میں شادی صرف اس سے کروں گا جو میری پسند ہو گی۔ میں نے ان کی خواہش کا احترام کیا اور وہ میری خواہش پر خوش ہیں مگر تم سے ملنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ میں شادی اس سے کروں گا جو مجھے اللہ سے قریب کردے۔ مجھے شدت سے انتظار ہے اس وقت کا جب میں رات کو سونے سے پہلے تمہاری آواز میں اللہ کے خوب صورت کلام کی تلاوت سنوں گا اور دن کا آغاز بھی تمہاری تلاوت سن کر کروں گا۔ کسی سستی کی گنجائش نہیں ہو اجازت ہے..." آخر میں اس کی تنبیہہ پر جواہر نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"ویسے پوری امید ہے کہ یہ انتظار زیادہ طویل نہیں ہوگا۔" کچھ عجیب سے لہجے میں کہ جواہر کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا تھا۔

"مگر میری اسٹڈیز......" وہ جھجک کر بولی تھی۔

"اب کوئی حماقت نہ کرنا۔ مجھے بار بار وہ چاہیے ساری زندگی پڑھتی رہنا۔" ذوالکفل نے طرح چونک کر اسے گھورا تھا وہ بے ساختہ ہنستی اس کی تقلید میں تخت سے اٹھ گئی تھی۔

اب کسی حماقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پہلے وہ بے یقین تھی مگر اب مکمل یقین تھا کہ اسے نوازا جا رہا ہے شاید اس کے کسی اچھے عمل کی بدولت اور پھر نوازنے والی ذات تو بے نیاز ہے۔ انسان کی حماقتوں کے باوجود بھی اس کی عطا میں کمی نہیں آتی۔ وہ خوش تھی۔ آسمان پر آج نمودار ہونے والا چاند ضرور نامکمل تھا مگر اپنے ساتھ نہ صرف عید کی بلکہ زندگی کی بھی مکمل خوشیوں کی نوید لایا تھا۔ یہ چاند اس کے لیے اب ہمیشہ بہت محترم رہنے والا تھا۔

......☆......

ایمان علی

افسانہ

التجا

خواب تھا دیدہ بیدار میں آیا تھا
وحشت بڑھتا ہوا دیوار تلک آیا تھا

عائشہ نیازی کے بس دو ہی عشق تھے۔ دو عشق جن پر اسے بہت مان تھا۔ ایک عشق اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اور دوسرا عشق اس کا شوہر عمر نیازی تھا۔ دونوں سے اسے سچا عشق تھا۔ ذرا سے شک سے پاک، صدق دل سے کھرا عشق، اللہ کی ذات سے عشق اس کی گھٹی میں تھا۔ جس عمر میں بچے بمشکل اٹک اٹک کر الف ب پڑھتے ہیں ابو نے اسے سارے کلمے یاد کروا دیے تھے۔ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے۔ چھوٹی سی عائشہ کو ساتھ کھڑا کر لیتے۔ بنیاد مضبوط ہو تو عمارت کیوں مضبوط نہ ہو؟ گیارہ سال کی تھی جب سے تہجد باقاعدگی سے پڑھ رہی تھی۔ خاندان میں کوئی عائشہ جیسا پارسا نہیں تھا اور اللہ نے اس کے لفظوں میں تاثیر رکھی تھی۔ اس کی دعائیں اثر رکھتی تھیں۔ اس کی التجا کو یونہی واپس نہیں لوٹا دیا جاتا تھا۔ ایک زمانہ گواہ تھا عائشہ نیازی کے کردار کی پارسائی کا۔

اور دوسرا عشق عمر نیازی، جسے وہ اپنی ذات سے بڑھ کر چاہتی تھی۔ اس کا وجود اس سے زیادہ عمر نیازی کے نام تھا۔ عمر نیازی، جو کہ خواب تھا اس کا بغیر کسی التجا کیے اسے عطا کر دیا گیا تھا۔ عمر نیازی جس کے بارے میں وہ کبھی نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ اس کے لیے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ وہ الفاظ ہی نہیں اترے تھے ابھی تک جو عمر نیازی کے لیے اس کے جذبات کی ترجمانی کر سکیں۔

اور عمر نیازی؟

شادی کے چار سال بعد اس کے سامنے تھا۔ وہ کسی اور سے محبت کرنے لگا تھا۔ ویسی ہی محبت جیسی کہ وہ اس سے کرتی تھی۔ پچھلے سال لندن میں ملی تھی اسے وہ اور اب وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

"کرسٹین جوزفین۔" ... کے پاپا اور ماما دنگ رہ گئے۔ عیسائی لڑکی؟ عیسائی سے شادی کرنے کا ان کا جنا۔

"میں محبت کرتا ہوں اس سے اور محبت ... اور معاشرے کی حدود کو نہیں مانتی۔"

وہ کسے شمشیر کی طرح گرتی چلی گئی۔ وہ کون سی محبت کی بات کر رہا تھا۔ جس کی حدیں نہیں تھیں؟ کیا وہ اتنی وہ محبت تھی جو حدیں پھلانگنے کا درس دے رہی تھی؟ محبت اور جنون..... وہ جنون کو محبت کہہ رہا تھا تبھی تو جنون حرام ہے۔ جنون حدیں پار کر جاتا ہے۔

"میں اپنا فیصلہ سنا چکا میں کرسٹین سے شادی کر رہا ہوں۔" فیصلہ کر لیا۔ سنا دیا اور چلا گیا اور وہ محبت کے دشت میں اکیلی بھٹکتی رہ گئی۔

☆......☆



اب اگر میں خاموش رہتا تو-عزت جاتی
میرا دشمن میرے کردار تک آیا تھا!
وہ سب طے کر چکا تھا۔ فیصلے ہو چکے تھے۔

"عمر! خدا کا خوف کرو، وہ غیر مسلم ہے۔"

"اہل کتاب ہے وہ پاپا۔"

"اپنی پارسا بیوی پر اس غیر مسلم کو ترجیح دو گے؟"

"وہ محبت ہے میری۔"

"اور عائشہ بیوی ہے تمہاری۔"

"وہ تعلق میں توڑ دوں گا۔ میری طرف سے آزاد ہو گی۔ وہ بھی اپنی مرضی سے کرلے۔"

اور عائشہ نیازی کو لگا آج ہی وہ قیامت ہے جس کا وعدہ ہے۔ پاپا زور سے دھاڑے تھے۔

"میں عاق کر دوں گا تمہیں۔ سمجھتے کیا ہو تم۔"

"کر دیں۔ میں شادی کر کے رہوں گا۔" وہ ضدی بن کے عروج پر تھا۔

"میں عائشہ نیازی کو طلاق......" پاپا کا تھپڑ اس کا گال رنگ گیا تھا۔

"دفع ہو جاؤ میرے گھر سے، دفع ہو جاؤ۔"

اور عائشہ کے لیے قیامت واقعی برپا ہو گئی تھی۔

"جا رہا ہوں۔ میں اجازت لینے نہیں آیا تھا۔ بتانے آیا تھا۔ آج ابھی شادی کروں گا۔"

وہ کارپٹ پر گری تھی۔ پاپا اور ماما اس کی طرف بڑھے۔

"عائشہ بیٹے! عائشہ سنبھالو خود کو۔" اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں اور سانسیں ایسے پھولی ہوئی تھیں جیسے وہ میلوں کی مسافت طے کر کے آئی ہو۔

"وہ بدقسمت ہے بیٹا! وہ تمہارے جیسی لڑکی ڈیزرو ہی نہیں کرتا۔" پاپا تاسف سے کہہ کر چلے گئے۔

"عائشہ......!" آنی ہولے ہولے اس کے بال سہلا رہی تھیں۔

"تم اسے خدا سے کیوں نہیں مانگتیں؟" وہ ان کو دیکھتی رہ گئی۔

"مجھے خوف آتا ہے۔ اس کے حضور اس کے سجدوں میں۔ ایک بندے کو ایک بشر کو مانگتے ہوئے بہت شرم آتی ہے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور اس کا پورا بدن لرز رہا تھا۔

"اسے خدا سے مانگو تو عائشہ" اور اسی شام جب دو وقت مل رہے تھے۔ عائشہ نیازی کے ہاتھ اٹھ گئے تھے۔ اس قادر المطلق کے سامنے جو ہاتھ اٹھانے سے پہلے ہی عطا کرتا آیا تھا۔

"یا اللہ! تیری مخلوق کہتی ہے کہ مجھے مانگنا آتا ہے۔ میری دعاؤں میں اثر ہے۔ میں جو مانگ لوں وہ مجھے مل جاتا ہے۔ میں تجھ سے عمر نیازی مانگتی ہوں۔" شاید وہ واقعی نہیں جانتی تھی کہ اسے مانگنا آتا ہے۔ اگر معلوم ہوتا تو وہ بہت پہلے مانگ لیتی یا پھر...... شاید کبھی نہ مانگتی۔

☆......☆

آج وہ بہت خوش تھا جو اس نے چاہا تھا وہ ہونے والا تھا۔ لبرٹی سے شاپنگ بیگ لیے وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر نکلے تھے۔ وہ وہیں کھڑی رہی تھی اور عمر پارکنگ سے کار نکالنے لگا تھا۔ وہ کچھ دور تھا جب اس نے دور سے کرسٹین کو دیکھا اور اس تیز رفتار کار کو وہ وہیں سے چلایا تھا لیکن بہری تو نہیں تھی۔ تیز رفتار کار کرسٹین کو کچلتی ہوئی دور جا چکی تھی۔ وہ دوبارہ زور سے چلایا اور اس کی طرف بھاگا۔ آن کی آن میں مجمع اکٹھا ہو چکا تھا۔ وہاں سے کرسٹین کو لے کر وہ اسپتال کیسے پہنچا اسے معلوم نہیں تھا۔ اسے صرف خون میں لت پت کرسٹین کا وجود یاد رہا۔ آئی سی یو میں شیشے کی

باہر ایک دیوار کے اس پار بہت سی نالیوں اور تاروں میں جکڑی کرسٹین۔

''عمر!'' نہ جانے کس نے پاپا کو اطلاع دی تھی۔ وہ عائشہ اور ماما کے ساتھ جلدی سے وہاں پہنچے تھے۔ پاپا کے گلے لگ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

''پاپا! اسے بچالیں وہ مر جائے گی اسے بچا لیں۔''

وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ کبھی شیشے کی دیوار سے سر ٹکراتا۔ کبھی چلانے لگتا۔ کبھی رونے لگتا۔ عائشہ کا دل آرے سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا تھا۔

6 گھنٹے بعد ڈاکٹرز باہر آئے تھے۔ وہ مر چکی تھی۔ عمر نیازی کے چہرے سے جیسے سارا خون نچوڑ لیا گیا تھا اور وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گیا تھا۔

''نروس بریک ڈاؤن۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

سولہ گھنٹے بعد وہ ہوش میں آیا اور بمشکل تین منٹ کے بعد دوبارہ غنودگی میں چلا گیا۔ شیشے کی دیوار سے لگی کھڑی عائشہ مسلسل اس کی زندگی کی دعا کر رہی تھی۔

دوبارہ وہ نو گھنٹے بعد آیا تھا۔

''عمر..... میری بات سن رہے ہو؟''

دس منٹ بعد وہ پھر سے بے ہوش ہو گیا۔

چار دن بعد اسے ہوش آیا تھا۔

''اب وہ ٹھیک ہے لیکن..... عائشہ کا دل زور سے دھڑکا۔

''میموری لوسس (یادداشت چلی گئی ہے)۔''

عقل ماتم کناں تھا۔

☆......☆

عشق کچھ سوچ کر خاموش رہا ورنہ

حسن بکتا ہوا بازار تلک آیا تھا

وہ کرسٹین کی کوئی رشتے دار تھیں جو کہ نادر کے ساتھ اس سے ملنے آئی تھیں۔

''ڈیئر! اسے معاف کر دو۔ نادر بھی اس کے گناہ معاف کر چکے ہیں۔'' عائشہ نے اچنبھے سے ان کو دیکھا۔

''کیا آپ وہاں تھے نادر جب وہ مجھ سے میرا شوہر چھین رہی تھی؟ جب وہ اس کی وجہ سے مجھے طلاق دینے والے تھے۔ آپ تھے وہاں؟''

''دیکھو۔ بائی چائلڈ نادر ازی.....'' عائشہ نے ان کی بات کاٹی۔

''جب آپ وہاں تھے ہی نہیں تو کیسے معاف کر سکتے ہیں وہ سب؟ اس کے وہ سب گناہ کوئی بھی کیسے معاف کر سکتا ہے وہ گناہ جن کو خدا بھی معاف نہیں کرتا جب تک بندہ نہ کرے؟''

وہ خاموش رہ گئے تھے۔ وہ اٹھی اور دروازے تک آئی۔

''جب سارے جہان کا مالک۔ ہر قسم کے اختیار ہونے کے بعد بھی معاف کر سکتا ہے تو میری کیا مجال کہ میں معاف نہ کروں۔ معاف کر دیا میں نے کرسٹین کو۔'' کہتے ہیں ناں زندگی میں کیسے لمحات بھی آتے ہیں جب زمین و آسمان دونوں تنگ ہو جاتے ہیں۔ زمین و آسمان دونوں اس کا امتحان لینے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ پہلے بھی اس کا نہیں تھا۔ وہ آج بھی اس کا نہیں تھا۔ وہ اگر عائشہ نیازی اور اس کی ذات سے وابستہ ہر رشتہ بھول گیا تھا تو کیا ہوا۔ وہ اسے یاد ہی کب تھی۔

وہ دن بھر سب اچھا ہے کا خول خود پر چڑھائے مصروف رہتی۔ عمر کا خیال رکھتی۔ واک پر لے جاتی۔ ڈاکٹرز روز نئی ہدایات دیتے اور وہ روز ایک نئے عزم سے شروع کرتی۔

اور ایک اور کڑا امتحان، جب ڈاکٹر کے کہنے پر وہ عمر کو کرسٹین کی تصاویر دکھاتی رہی تھی کہ شاید اسے دیکھ کر اسے کچھ یاد آجائے۔ ہنستی مسکراتی تصاویر اس کے دل پر چھریوں کے جیسے لگ رہی تھیں۔ اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔ کچھ بھی یاد نہیں آیا تھا۔ کرسٹین کی تصاویر دیکھ کر بھی نہیں۔ دو سال کب گزر رہے۔ پتا ہی نہیں چلا۔

☆......☆

عین اس وقت مقدر نے بغاوت کر دی تھی
جب میں اس شخص کے معیار تک آیا تھا

عید نزدیک تھی۔ چھبیسواں روزہ تھا جب وہ عمر اور اپنے لیے شاپنگ کرنے آئی تھی۔ وہ اب ایک لمحے کے لیے بھی اس کو نظروں سے جدا ہونے نہیں دیتی تھی۔ شاپنگ مکمل کر کے وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے تھے جب عائشہ کو اچانک کچھ یاد آیا تھا۔ عمر کو وہیں گاڑی میں رکنے اور جلدی واپس آنے کا کہہ کر وہ مال میں گھس گئی تھی۔ بمشکل پانچ منٹ گزرے تھے جب ایک کان پھاڑنے والی آواز آئی تھی۔ زمین زور سے ہلی تھی۔ وہ بوکھلا کر باہر نکلا۔

اندر شاپنگ مال میں بلاسٹ ہوا تھا۔ ہر طرف چیخ و پکار تھی۔

''عمر......''

کہیں دور سے آتی آواز اس کے دماغ کے پردوں کو تہس نہس کر رہی تھی۔ اسے لگا اس کا سر کسی تیز دھار خنجر سے کاٹا جا رہا ہے۔ چند مٹی مٹی سی یادیں......خون......چیخیں......صدائیں......عمر، کرسٹین اور اب......عائشہ......

وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے مال کی طرف بڑھا لیکن چکرا کر وہیں پتھریلی سڑک پر گر گیا تھا۔ غنودگی میں جانے سے قبل اس نے اپنے نام کی صدا ایک دفعہ پھر سنی تھی۔

منظر وہی تھا۔ کردار بدل گئے تھے لیکن ان کو کردار آج بھی وہی تھا۔ شیشے کی باریک دیوار، اس کے اس پار نالیوں اور تاروں میں جکڑا عائشہ نیازی کا وجود۔ دو سال قبل وہ محبوبہ کے لیے گڑگڑا رہا تھا اور اب دو سال بعد آنسو بیوی کے نام تھے۔ باپ کے گلے لگ کر بھی وہ بالکل ویسے ہی رو رہا تھا۔ قطرہ قطرہ بہتا لہو۔ قطرہ قطرہ بہتے آنسو۔ لمحہ لمحہ یاد آتا ماضی۔ لمحہ لمحہ یاد آتیں لغزشیں۔

''اللہ اسے بچا لینا۔ اسے بچا لینا۔'' [illegible] لیے فرش پر دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے اس نے دعائیں کی تھیں لیکن آج شاید قبولیت کا وقت نہیں تھا۔

وہ مر چکی تھی۔

تقدیر بدلی تو نہیں تھی [illegible] وہی تھی وہ گول گول چکر۔

''اٹھو عائشہ مجھ سے بات کرو۔ میں اب دوبارہ کبھی تم سے بے وفائی نہیں کروں گا۔ مجھ سے [illegible] مت ہو، عائشہ اٹھو پلیز۔''

کرسٹین جوزفین جو اس کی محبت تھی اس کی یادداشت اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ عائشہ نیازی جس کی وہ محبت تھا۔ اس کی یادداشت واپس لوٹا گئی تھی خالی ہاتھ تو ہمیشہ محبت کرنے والے رہتے ہیں۔ جیسے وہ خالی ہاتھ رہا تھا اور جیسے وہ خالی ہاتھ تھی۔ سعید ابدی کی چادر اوڑھتے ہوئے۔

محبت......چھ......انجام......ہمیشہ ایک ہی......جدائی......لوگ آخر محبت کرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟

☆......☆

سحر متین

افسانہ

جینا تو ہے

یہ شہر کے مضافاتی علاقے کی ایک گندی اور ٹوٹی پھوٹی گلی تھی۔ گلی میں معمول کی چہل قدمی تھی۔ رشید قصائی کی دکان پر گوشت خریدنے والوں، کالو چچا کی پلاسٹک کے برتنوں کی ریڑھی کے گرد ہجوم اور کاشی کی دکان سے تیز میوزک کا شور سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔

آج پھر ادھار کی واپسی کا مطالبہ کرنے کوئی آیا تھا اور ابا معمول کے مطابق اس صورت حال میں منظر سے غائب تھے۔ بے چاری نوشی ...... (نام تو نوشین ہے مگر کہتے سبھی نوشی ہی ہیں) آج پھر جھوٹے سچے بہانے بنانے دکان میں کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی تھی۔

''چچا! یقین مانیے ابا واقعی گھر پر نہیں ہیں۔ وہ اپنی دوا لینے گئے ہیں جیسے ہی گھر آئے تو میں آپ کا پیغام دے دوں گی۔'' نوشی یقین دلانے کی پوری کوششوں میں تھی۔

''اوں ہوں...... گیا ہے ابا دوا لینے۔'' پہلوان صاحب منہ بگاڑ کر بولے۔ پھر خاصی بدمزگی سے مزید گویا ہوئے۔

''نشی کہیں کا، پتہ نہیں کہاں پھنسا دیا رب نے مجھے۔''

مقابل کون سا کم تھی۔ اس سے بھی زیادہ بیزارگی سے کھڑی تھی۔ پہلوان جی نے اس کے تاثرات خاصے چڑے انداز میں ملاحظہ فرمائے۔

''آ گیا تیرا ابا تو کہہ دینا اسے اگر کل تک قرضہ نہ لوٹایا تو گھر سے کوئی چیز اٹھا کر لے جاؤں گا۔'' پہلوان جی خاصے اکتا کے قرضے وارننگ دے کر یہ جا وہ جا۔

نوشی نے گہرا سانس خارج کیا۔

''پتہ نہیں ابا بھی کیا کرتے پھرتے ہیں۔ نام کے دوکان دار ہیں مگر جیسے ہی کوئی قرضے کے مطالبے والا آتا ہے، گھر میں لمبی تان کر سو جاتے ہیں۔ حد ہے لوگوں کے باپ تو ایسے نہیں ہوتے۔ ابے نے تو شروع سے بس ہیرا پھیری اور جھوٹ بولنا ہی سکھایا ہے۔ بچپن سے جب بھی کوئی پیسوں کے مطالبے والا آتا، بس بھیج دیتے مجھے کہنے ابا گھر پر نہیں اور اب ایسی عادت پڑ گئی ایسے جھوٹوں کی کہ اگر ابا نہ بھی کہے خود ہی جواب دے دینا ہوتا کہ ابا فلاں فوتگی پر گیا۔ دوائی لینے گیا۔''

نوشی خاصی کوفت سے بڑ بڑانے میں معروف تھی۔ حد سے زیادہ بے زاریت، چڑ اور کوفت لیے تاثرات نے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔

''تیرے ابا کے ساتھ ساتھ تجھے بھی دوائی کی ضرورت ہے۔ اکیلے ہی بولی جا رہی ہو۔'' آواز پر نظروں کا رخ موڑا تو سامنے احد کا مسکراتا ہوا چہرہ تھا۔ بڑا ترو تازہ سادہ بھی اندر تک پرسکون ہو گئی۔ لمحہ لگا تھا بے زاریت اڑن چھو ہونے میں۔

''چلو جیسا تم کہو۔'' وہ مسکرائی۔ احد نے ہلکا سا



قہقہہ لگایا۔ وہ ابھی تک کاؤنٹر کے اس پار ہی تھا۔

''میں دوپہر کا کھانا کھانے آیا تھا گھر۔ امی لگتا ہے گھر پر نہیں اور تمہارے گھر تو یقیناً کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے تو ایسے ہی دیکھ رہی ہو جیسے کبھی کھانا ہی نہیں کھایا۔ چل نکڑ والے ڈھابے سے نان چھولے کھاتے ہیں۔ آج مجھے تنخواہ بھی ملی ہے۔'' نوشی نے اثبات میں سر ہلایا اور دکان بند کرتے ہی باہر نکل گئی۔

''ماں بتا کر نہیں گئیں۔ پتہ نہیں کہاں گئی ہیں۔'' وہ ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

''ہوں..... مجھے خود نہیں پتا تم سناؤ پھوپھا اتنا غصہ کیوں آیا ہوا تھا آج؟'' وہ بات بدلنے بات بولا۔

''ان پر غصہ آنے کی کوئی ایک وجہ ہو تو پھر ہے۔ جیسے ہی کوئی پیسوں والا پیسے مانگنے آتا ہے خود کہیں چھپ جاتے ہیں اور مجھے بھیج دیتے ہیں جاؤ کہہ دو ابا گھر پر نہیں۔ اب ہر دفعہ ہی ابا گھر پر نہیں ہوتے۔ میں کون کون سے بہانے بنایا کروں۔ دکان کی ساری آمدنی اپنی دوائیں اور جوئے پر لگا دیتے ہیں۔ کبھی کبھار دکان پر برائے نام ہی بیٹھتے ہیں۔ سارا ٹائم میں ہی بیٹھی ہوں۔ چلو یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ میں ہی دیکھ لیتی مگر سارا نظام میرے ہاتھ میں دیں تو پھر میں بھی کسی اصول سے کام کروں۔ اب بس..... تنگ آچکی میں۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھی۔ احد کو بے تحاشہ غصہ آیا پھوپھا پر۔

''اے نوشی۔'' اس کی آنکھوں میں پانی دیکھ کر سب بھلی ہوئی تو بے اختیار پکارا۔

''ہوں۔''

''تیری ناک کی لونگ جب چمکتی ہے تو یقین مانو بڑی جچتی ہے تجھ پر۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی۔ جانتی تھی کہ دھیان بٹانے کو کہہ رہا ہے۔

''ہاں مجھے پتہ ہے۔''

''اچھا اور کیا کیا پتہ ہے؟'' احد نے لہجے میں اشتیاق سمویا۔

''تیرے اور میرے بارے میں سب کچھ۔'' اس نے پانی کا گلاس منہ سے لگایا۔

''ارے واہ...... چلو تھوڑی وضاحت کریں۔'' دونوں کھانا کھانے میں بڑے اچھے موڈ میں مصروف تھے۔

''احد!'' وہ چڑ گئی۔

''وضاحت تو دینی پڑے گی۔'' احد مزید چڑانے لگا۔

''مثلاً میں جانتی ہوں کہ تم بہت اچھے ہو۔'' وہ جان چھڑانے کو بولی۔

''مثلاً میں اگر یہ تم بہت پہلے سے جانتی ہو کچھ نیا کہو۔'' نوشی نے بے چارگی سے اسے دیکھا۔

''یہ شرٹ تمہیں بہت سوٹ کر رہی ہے۔ کب لی تھی؟''

''ہاہا، یہ ہوئی نا بات۔'' احد نے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔ نوشی نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

''آخر کوانتی بڑی مارکیٹ میں سینکڑوں شرٹس میں نے تو نہیں پہنی تو کس نے پہنی ہیں ویسے رات مال آیا تھا تو اس شرٹ میں تھوڑا فالٹ تھا۔ نا معلوم سا کٹ لگا ہے پیچھے مجھے مالکوں کی طرف سے فری میں مل گئی۔'' وہ کافی خوشگوار انداز میں بول رہا تھا۔

''نوشی!''

''ہوں۔'' وہ اسے سننے میں بہت حد تک مگن تھی۔ چونکی۔

''کھانا کھالو۔'' دونوں پھر کھلکھلا اٹھے۔

☆......☆

احد، نوشین کے ماموں کا بیٹا تھا۔ قریب ہی اس کا گھر بھی آتا تھا۔ ممانی بہت اچھی خاتون

غلیں۔ نوشین کی ماں اور ماموں بہت پہلے سے ہی
اس دنیا سے ناطہ توڑ چکے تھے۔ ابا بہت بے حس قسم
کا انسان تھا۔ اپنی ذات سے آگے کچھ نظر ہی نہ
آتا۔ نوشی نے رو دھو کر میٹرک کیا تھا اور پھر دکان
سنبھال لی۔ احمد میٹرک کے بعد ہی سیلز مین کی
نوکری کر رہا تھا۔ چونکہ اس کے گھر میں پیسے کو
برتنے کا سلیقہ تھا تبھی خوش حالی تھی مگر نوشی ہمیشہ اس
سلیقے کو اپنانے کا سوچ ہی سکی۔ ابا تھوڑی بھی مدد
کرنے کو تیار نہیں تھے۔ کوئی سمجھوتا نہیں، بس
جوئے کے چکر... میں اپنی خوراک ہی ذہن میں
بس۔ ان کے لیے یہی بہت تھا کہ دکان نوشی کے
حوالے ہے۔ عیش کرتی ہوگی وہ مگر ہمیشہ یہی ہوتا
کہ رات کو جب بھی وہ دن بھر کی کمائی گننے والی
ہوتی ابا ٹپکتے اور رقم کے ساتھ ہی اڑن چھو ہو
جاتے۔ وہ بے بسی سے دیکھتی رہ جاتی ان کے
باپ ہونے کا لحاظ تھا تبھی خاموش رہتی۔

☆......☆......☆

احمد امی کے سر ہو رہا تھا اور وہ کبھی مسکرا
دیتیں اس کی باتوں پر اور کبھی تھوڑی پریشان ہو
جاتیں۔
"امی! اب پھوپھا کو تو پوری سرگرمی نکل آئی۔
آپ بس جلدی سے نوشی کو اپنے گھر میں لائیے۔
... کا اچھا بھلا گزارہ ہو جائے گا۔ وہ بے
چاری کیسی ہر وقت جان لٹکائے بیٹھے سولی پر۔"
"تیرا پھوپھا کوئی ... بیٹا۔ وہ تو اتنی گندی
زبان استعمال کرتا ہے گھر میں نہیں داخل ہونے
دے گا مجھے، پلے نہیں ... نہیں کس بات پر
اکڑے بیٹھا ہے شروع سے۔ میری بھابھی کی
زندگی بھی عذاب بنا رکھی تھی اور اب اس کی بیٹی کو بے
سکون کیا ہے۔" وہ خاصی تشویش سے بول رہی
تھیں۔ احمد نے پریشان ہو کر انہیں دیکھا تو وہ تسلی
دینے کو بولیں۔

"اچھا خدا بہتر کرے گا تم فکر نہ کرو۔"
ابا کو اچانک تیز بخار نے آلیا تھا۔ کئی دن
ہوئے بخار کا زور ہی ٹوٹنے میں نہیں آرہا تھا اور تو
اور نوشی خود خاصی پریشان ہو کر رہ گئی تھی۔
"رشید چچا! میں پیسے بھجواتی ہوں۔ آدھا کلو
گوشت تو بھیج دو ابا کو یخنی بنا کر دینی ہے۔" نوشی
نے دروازے میں کھڑے ہو کر اونچی آواز میں کہا
تو اس کے اثبات میں سر ہلانے پر دروازہ بند کر
کے ابا کے پاس آگئی۔
دروازہ پھر سے بجا تھا۔
"لگتا ہے چچا نے گوشت بھیج دیا۔" وہ خود
سے کہتی ہوئی اٹھی۔ دروازہ کھولا تو باہر کھڑے چار
پانچ آدمیوں پر اس کی نظر پڑی۔
"تیرا باپ کدھر ہے؟" خاصے جارحانہ لہجے
میں پوچھا گیا۔
"آپ کون؟" وہ ناگواری سے بولی۔
"تیرے ابا سے پیسے لینے ہیں ہم نے۔ بہت
دنوں سے اڈے پر آ نہیں رہا۔ رقم نہ دینے کے
بہانے بناتا رہا پہلے اور اب غائب ہی ہو گیا۔" وہ
اسے دھکا مار کر گھر کے اندر گھس آئے تھے۔
ابا نے خاصے خوفزدہ انداز میں سب کو دیکھا
تھا۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنے چارپائی پر لیٹے
تھے۔
"چلو، جتنا مرضی چھپ لیا مگر ہماری پہنچ سے
دور تو نہیں نہ جا سکا۔" تمسخر آواز فضا میں گونجی
تھی۔
"کیا کہہ رہے ہیں آپ لوگ؟" نوشی
خاصے تیکھے انداز سے پوچھ رہی تھی۔
ایک قہقہہ بلند ہوا۔
"تیرا باپ لاکھوں ہار بیٹھا ہے جوئے میں
اور ایک دن کا وعدہ کیا تھا پھر واپس ہی نہیں آیا۔
تو ہم خود آگئے ہیں۔" نوشی کو ابا کے بخار کی وجہ

سمجھ میں آئی تو بے تحاشہ غصے کے ساتھ ساتھ بے پناہ ترس بھی آیا۔

''دیکھیے! ابھی ابا بیمار ہیں۔ آپ پھر کبھی آیئے گا۔'' نوشی نے ٹالنا چاہا۔

''لو گڈی! ہمیں کاکا سمجھ رکھا ہے جو تیری باتوں میں آجائیں گے۔ بات آج ہی ختم ہوگی۔'' وہ چار پائی کی طرف بڑھے۔

''او بڈھے نکال ہمارے پیسے، حرام خور کہیں کے۔'' اس کے بعد گالیوں کا ایک طوفان منہ سے برآمد ہوا تھا۔

''تمیز سے بات کرو۔'' وہ چلائی۔

''اگر نہیں ہیں پیسے تو ہم تیری بیٹی لے جاتے ہیں۔'' ایک آدمی نوشی کی طرف بڑھا۔ وہ خوف زدہ ہو کر رونے لگ گئی۔ شام ہو رہی تھی اور چھت پر احد آیا ہی تھا۔ لمحوں میں ماجرا سمجھا اور نیچے سے بھاگتا ہوا گھر آیا۔ تب تک وہ آدمی نوشی کو بازو سے دبوچ چکا تھا۔

''چھوڑ دو اسے۔'' غیرت ساری آنکھوں میں لہو بن کر دوڑنے لگ گئی۔ ان میں سے دو آدمیوں نے احد کو پیٹنا شروع کر دیا۔ اپنی ہمت کے مطابق وہ بھی جوابا وار کرتا رہا۔ امی اور محلے کے دیگر افراد بھی بھاگتے ہوئے آگئے۔ نوشی مسلسل رو رہی تھی۔ کسی نے پولیس کو فون کیا۔ پچھلے محلے میں ہی تو تھانہ تھا۔ لمحوں میں پولیس موبائل آئی اور احد سمیت باقی افراد کو گرفتار کر کے لے گئی۔ شام سے صبح ہو گئی۔ آنکھیں رو رو کر سوجھ گئیں۔

صبح ہمت کر کے روشی پولیس اسٹیشن پہنچی۔ وہاں رپورٹ درج کروائی اور احد کو چند ہزار کے عوض وہاں سے چھڑا لائی۔ بات ختم نہیں ہوئی تھی۔ مگر کافی حد تک ختم ہونے میں تھی۔ دیگر افراد کے کہنے پر پولیس ابا کو بھی گرفتار کرنے آئی مگر ان کی حالت دیکھ کر ہی چھوڑ گئی۔ سانسیں بس ختم ہونے پر تھیں۔ آنکھوں میں بے پناہ شرمندگی سب کچھ ان کی وجہ سے ہوا تھا۔

''امی! انہیں اپنے گھر چلیں۔ یہاں نہیں رہنا ہم نے۔ نوشی بھی ہمارے ساتھ جائے گی۔ وہ اس کے ماموں کا گھر ہے۔ کم از کم اس بے حس انسان سے تو زیادہ نیکوکار ہی ہوں گے ہم اسے۔'' وہ مسلسل غصے میں بول رہا تھا۔ امی نے اسے ٹھنڈا کرنے کی بہت کوشش کی مگر سب بے سود۔

سب کو چار پائی پر پڑے اس بڈھے وجود سے کراہیت ہو رہی تھی۔ نوشی کو بے تحاشہ شرمندگی ہو رہی تھی ان کی بیٹی ہونے پر۔

''احد! میں اپنے گھر رہوں گی۔ تم بے فکر رہو، میں ٹھیک ہوں۔'' وہ ہمت کر کے بولی۔ احد کا غصہ بڑھ گیا اور غصے میں ہی گھر چلا گیا۔

☆☆

رمضان شروع ہو گیا تھا۔ ابا دن بدن لاغر ہوتے جا رہے تھے۔ نوشی نے مکمل طور پر دکان سنبھال لی تھی۔ دل سے تو وہ ابا کی خدمت بھی کرتی، ابا کی دیکھ بھال کرتی۔ احد نے اس سے بول چال بند کر رکھی تھی۔ زندگی عجیب سی ہو گئی تھی۔ دکان مکمل طور پر اس کے ہاتھ آئی تھی تو قرضے بھی اترنے شروع ہو گئے تھے۔ ابا خاموشی سے لیٹے رہتے۔

افطاری کے بعد نوشی کپڑے جھاڑ کر چھت پر پھیلانے آئی تو احد چار پائی پر لیٹا تھا۔ بہت دنوں بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر دیکھتی ہی رہ گئی۔ احد نے اس کی محویت نوٹ کی تو اٹھ کر جانے لگا۔ نوشی چونکی۔

''احد!'' دونوں چھتوں کے درمیان چھوٹی سی دیوار تھی اور وہ دیوار سے لگ کر کھڑی تھی۔ وہ رک گیا۔ جواب پھر بھی نہ دیا۔ منہ دوسری طرف تھا۔ نوشی رونے لگ گئی۔

''پلیز احد بات تو سنو۔'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ وہ زیادہ دیر تک اسے نظر انداز نہ کر سکا۔

''کیا تکلیف ہے جناب؟'' بار بار رونا شروع کر دیا۔ آواز بے زار کرنے کی بھرپور کوشش کی وہ رو رہی تھی۔ وہ بے جان سا ہونے لگا۔ غصہ مدھم پڑتا گیا اور بے چینی بڑھنے لگی۔

''نوشی پلیز! اب اور تکلیف تو نہ دو۔'' وہ بھی دیوار کے اس پار کھڑا ہو گیا۔ ہاتھوں سے اس کے بھیگے گال صاف کیے۔ نم آنکھیں خشک ہونے لگیں۔

معافی، وضاحت...... کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ اس کے آنسو کافی تھے اسے موم کرنے کو۔

''اب نہیں رونا، بے فکر رہو۔ میری فکر نہ کیا کرو۔ بس غصہ آ گیا تھا بس، اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی تمہارا ہو جاؤں گا۔''

''احد! جو کچھ ہے وہ میرا باپ ہے؟'' وہ مدھم سا بولی۔

''سوری یار! بس غصہ آ گیا تھا۔ خیر کچھ نہیں سب ٹھیک ہے سب، بس تم فکر نہ کرو۔ چلو میں تمہیں کل مس کال دوں گا۔ اب مجھے کام ہے تھوڑا۔ اپنا خیال رکھنا۔'' وہ اسے تسلی دے کر بہلانے لگا اور کچھ دیر تک یونہی الوداعی کلمات کہتا نیچے چلا گیا۔ وہ دیر تک کھڑکی میں کھڑی سوچتی رہی۔

اگلے دن افطاری کے بعد کمانی اور احد گھر آ گئے۔ نوشی کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ وہ ابا کو دلیہ کھلا رہی تھی۔ ابھی دکان بند کر کے آئی تھی۔

''باجی! میں اس سلسلے میں پہلے بھی کئی بار بات کر چکی ہوں۔ آپ سمجھتے ہوں گے اچھی طرح میرے آنے کا مقصد۔ نوشی کو میں شروع سے اپنی بہو کہتی آئی ہوں۔'' وہ مسلسل بول رہی تھیں کہ ابا کی ہچکیوں کی آواز ابھری۔ وہ دونوں ہاتھ معافی کے لیے باندھے رو دیے جا رہے تھے۔ وہ صاف دل کے لوگ تھے۔ ان کی اس حرکت پر دل پسیج گئے۔

''میرے علاوہ آپ لوگ ہی اس کے عزیز ترین ہیں مگر یہ بھی سچ ہے آپ مجھ سے زیادہ اس کا خیال رکھیں گے۔ مجھ پر آپ کا احسان ہو گا اگر آپ اسے اپنے گھر میں عزت دیں تو۔'' ابا اٹک اٹک کر بول رہے تھے۔ ماحول میں کافی حد تک سوگواریت تھی۔ بدگمانیاں چھٹتی جا رہی تھیں۔

''احد۔'' لکڑ والے ڈھابے میں وہ دونوں بیٹھے تھے۔

''ہوں۔'' روشی کے پکارنے پر وہ بولا۔

''عید کل ہو گی یا پرسوں؟''

''پتہ نہیں۔ میرے لیے تو ٹھیک آٹھ دن بعد عید ہے جب تم پکی پکی میرے گھر آ جاؤ گی۔'' وہ کافی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''بے شک۔ بے شک۔'' وہ مسکرائی۔

''احد! تم نے ابا کو معاف کر دیا ناں؟ میں نے تو کب کا کر دیا۔'' وہ اچانک بولی۔

''ہاں کر دیا۔ ہم کون ہوتے ہیں کسی کو معاف نہ کرنے والے۔ خدا جانے اور اس کے بندے۔ دیکھو یہ تو ہے کہ ہم نے جینا ہی ہے تو پھر کیوں نہ ہم دل بڑا اور صاف کر کے جئیں۔ زندگی میں تبھی سکون، برکتیں، خوشیاں اور آسانیاں ہوتی ہیں جب ہم دوسروں کو معاف کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ دل بڑا کرتے ہیں۔'' وہ بول رہا تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح محویت سے اس میں کھوئی تھی مگر آج زندگی دنیا و دل پرسکون تھی۔

......☆......

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 21

تیرے پیار کی خوشبو

"آئی ایم سوری، سوری۔" نہایت [illegible] معصوم سی شکل بنائی گئی۔
ثمرن کی ہنسی نکل گئی۔ وہ شہری حوا کی [illegible] کی مٹی میں صبر و محبت کی پاشنی شوہر سے [illegible]

تھے۔ ایسے بھی اب وہ بھی تھکنے لگی تھی۔ ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں بیٹھنا چاہتی تھی۔ ارشد کی پناہوں میں اپنی تھکن اتارنا چاہتی تھی۔

"یہ بہت برے لگ رہے ہیں۔" ثمرن نے اس کے دونوں ہاتھ کانوں سے ہٹائے۔

"تم پہلے کہو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا۔ دیکھو ماما بھی مجھ سے سخت ناراض ہیں۔ بات تک نہیں کر رہی ہیں ان کی لاڈلی بہو کا دل جو دکھایا ہے۔ تم معاف کر دو گی تو ماما بھی مجھے معاف کر دیں گی۔"

"میں سب جانتی ہوں۔"

"واٹ...... تمہیں سب معلوم ہے۔"

"جی ہاں ماما سے میری روز بات ہوتی ہے اور وہ یہاں مجھ سے ملنے بھی آتی رہتی ہیں۔" ارشد نے ثمرن کو گھورا تھا مگر اس گھوری میں بھی پیار و چاہت کوٹ کوٹ کے بھری تھی۔

"تم ساس، بہو کس قدر تیز ہو نا؟"

"اور جناب کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"نہایت نیک خیال ہے اور ایک بات تو بتاؤ ذرا تم نے صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں اس پر بھی تمہارے اندر اتنی انرجی ہے کہ تم مجھ سے مستقل لڑ رہی ہو۔" ارشد اس کے گھٹنوں کے پاس سے اٹھ کر دوبارہ اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا اور نظر سامنے ٹیبل پر رکھی ٹرے پر پڑی جس میں کھانا رکھے رکھے ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

"جی ہاں آپ سے لڑنے کے لیے میری انرجی مزید بڑھ گئی ہے مگر آپ ایک بات سن لیں کہ میں آپ سے بات بالکل نہیں کروں گی۔"

"اچھا تو کیا آپ ایک گھنٹے سے میرے بھوت سے باتیں کر رہی تھیں بلکہ لڑ رہی تھیں۔"

"آپ ویسے کسی بھوت سے کم نہیں ہیں۔" وہ چڑانے انداز میں مسکرا کے بولی تھی۔

"وہ تو تم گھر چلو رات کو بتاؤں گا کہ بھوت کیا کیا کر سکتا ہے۔" ارشد نے پرشوخ لب ولہجہ میں کہتے ہوئے ہولے سے اس کے کان میں سرگوشی کی تو ثمرن اس کی پیار بھری ذومعنی سرگوشی سے کان کی لو تک سرخ پڑ گئی تھی۔ اس نے پلکوں کی باڑ نیچے گرا لی تھی تب ارشد نے نہایت چاہت سے یہ لوٹ لیے منظر دیکھا تھا۔

☆......☆

ارشد کے ساتھ ثمرن گھر کے اندر داخل ہوئی تو سب نے ارشد کو ستائشی نظروں سے دیکھا اور بہت خوش بھی ہوئے اس کے فیصلے پر سب سے پہلے آسیہ نے ثمرن کو گلے سے لگایا تھا۔

"بہت خوشی ہوئی، ارشد تم نے زیادہ دیر نہیں کی ورنہ ثمرن کو ہمیشہ دکھ رہتا۔" ان کا اشارہ ثمرن کی پریگنینسی کی طرف تھا جیسے وہ سمجھ گیا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں تائی جی آپ مگر بعض اوقات ہم سے انجانے میں بہت بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں لیکن میں اپنی اس غلطی کا ازالہ کر دوں گا۔" ارشد نے ثمرن کو مشکور نظروں سے دیکھا۔ "ثمرن تم نے معاف کر دیا میں بہت مشکور ہوں۔"

"میں نے تو آپ کو اسی وقت معاف کر دیا تھا جب آپ مجھے لینے کے ارادے سے گھر آئے تھے۔"

"دیکھا یہ ہوتی ہے مشرقی بیوی جس کے ضمیر میں صبر و استقامت گوندھی ہوتی ہے۔" آسیہ نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔ ارشد خاموش رہا صرف فخریہ نظروں سے ثمرن کو دیکھ کر رہ گیا۔

ثمرن کا سن کر اندر سے ژالے بھی آ گئی تھی اور ثمرن کے گلے لگ کر خوب روئی تھی۔ بڑا مشکل ہو گیا تھا اس کو چپ کرانا، زرمیل ہی آگے بڑھا تھا اور اسے ثمرن سے الگ کیا۔

"بری بات ہے خوشی کے موقع پر خود بھی رو رہی ہو اور ثمرن کو بھی رلا رہی ہو۔"

"سوری ثمرن بھابھی!" ژالے نے شرمندگی سے اپنی بھیگی آنکھیں صاف کی تھیں۔

"پگلی......" ثمرن کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی یہ سچ تھا کہ وہ ژالے کو بہت چاہتی تھی۔

"رضا نظر نہیں آ رہا۔" ثمرن نے بے تاب نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

"آج رابعہ پھپھو نے سب کو ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے۔ وہ وہیں پر ہے۔" ژالے نے کہا۔ نجمہ نے سنا کہ ثمرن آئی ہے وہ تیزی سے اپنے بیڈروم میں سے نکلیں۔

''خوش آمدید مائی چائلڈ!''

''السلام علیکم ماما۔'' وہ خوش ہو کر ان کے گلے سے لگی تھی۔

''جیتی رہو خوش رہو۔'' انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ لیا تھا۔

''ماما آئی ایم سوری۔'' ارشد نے نجمہ کے کندھے پر اپنا بازو پھیلایا تھا۔

''میری بہو میرے گھر اپنے گھر میری نظروں کے سامنے آگئی۔ میرے دل سے سارے شکوے گلے ساری ناراضگیاں دور ہو گئی ہیں۔'' انہوں نے مسکرا کے ارشد کو پھر ثمرین کو دیکھا۔

بس یہی کہنا تھا ان کا اور ارشد کا دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔ سیروں خون بڑھ گیا تھا۔

''تھینکس ماما!'' اس نے نجمہ کے سر پر پیار کیا تھا۔

''خوش رہیں میرے سب بچے میرے لیے یہی بہت ہے۔''

''اب تو کوئی فکر نہیں ہے نجمہ؟'' آسیہ نے سوال کیا۔

''نہیں آسیہ بھابھی! اب میں بہت خوش ہوں۔'' نجمہ اور آسیہ اسے اوپر اس کے بیڈ روم میں لے آئی تھیں تاکہ وہ کچھ دیر آرام کر لے۔ پھر سب اکٹھے رابعہ کے پورشن میں جمع ہوں گے۔

رات سب رابعہ کے پورشن میں جمع ہو گئے تھے۔ ڈائننگ ٹیبل پر بے شمار ڈشز رابعہ، مقسوم، ثرالے اور ... نے مل کر بنائی تھیں۔ ان کی ہیلپ کرنے آسیہ بھی اوپر آگئی تھیں۔ ہر شخص کی کوئی نہ کوئی پسندیدہ ڈش رکھی گئی تھی۔ سب شوق سے کھا رہے تھے۔ سوائے لاروش اغولان کو وہ تو ویسے اوپر آ بھی نہیں رہی تھی مگر ثمرین زبردستی اسے لے آئی وہ سب لوگوں میں بیٹھ کے جھجک رہی تھی مگر وہ سب اتنے اچھے تھے کہ لگ ہی نہیں رہا تھا جیسے وہ اسے متعارف کروا رہے ہیں یا کوئی نیا چہرہ سب بہت اپنائیت اور پیار سے اس سے بات کر رہے تھے۔

''لاروش، کھاؤ نا، یہ کھاؤ بہت مزے کا بنا ہے۔'' ثرالے نے اچار گوشت کی ڈش اس کے آگے رکھ دی تھی جسے لاروش اغولان نے چھوا تک نہیں تھا۔

''بیٹا! مت شرماؤ سب کو اپنا ہی سمجھو۔'' نجمہ نے نا صرف کہا بلکہ خود اس کی ڈش میں پلیٹ میں سے اچار گوشت کا سالن نکال دیا تھا۔

''جی میں ... کھا لیا بس۔'' نجمہ نے بہت سارا ہی نکال دیا تھا وہ گھبرا کے رہ گئی۔

''ماما اس کو کھانا جیسی خوراک ہے مجھے بھی کہہ کہہ کر اسے کھلانا پڑتا تھا۔'' ثمرین نے مسکرا کے لاروش اغولان کو دیکھا تھا۔ تحریر تو ان کی اپنی باتیں تھیں۔ دوسری سائیڈ پر ارشد نے حسن کو دیکھا۔

''حسن آفس میں جو ڈیلی گیشن آیا ہے اسے ڈنر پر کب بلا رہے ہو۔''

''ارشد کیا یہ اچھا نہیں ہو گا ہم کھانا کھانے کے بعد ڈسکس کریں۔'' حسن جو بریانی کا ایک چمچہ منہ کی طرف لے کر جا رہا تھا یکدم رک کر سنجیدگی سے ارشد کو دیکھنے لگا تھا۔

''اوہ سوری یار! میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تمہیں کھانا کھاتے وقت بات کرنا سخت ناپسند ہے۔'' ارشد کو تھوڑی سبکی بھی ہوئی۔

''اٹس او کے۔'' ارشد ہولے سے مسکرا رہا تھا مگر وہاں بیٹھی ... ضرور چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی جو اب سب سے یکسر لاتعلق ہو کر کھانا کھا رہا تھا۔ اس کی ہر عادت کو ... کس قدر ملتی جلتی ہے ویسے ہی

لیفٹ ہینڈ سے کھانا کھانا۔"

"ویری گڈ بیٹا! بہت اچھی عادت ہے آپ کی یہ۔ ہمیں بھی سیکھنا چاہیے کہ کھانا چپ چاپ ہو کر کھانا چاہیے ورنہ ہمارے گھر تو یہ رولز ہے کہ ایسا لگتا ہے دنیا بھر کی ساری باتیں کھانے کی ٹیبل پر ہی کریں گے۔" نعیم احمد نے حسن کو سراہنے کے ساتھ ساتھ زرنگل اور عارفین پر بھی گہرا طنز کیا جو اس وقت جانے کون کون سے قصے لے کر اس پر بحث و مباحثہ کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے نجمہ، آسیہ اور رابعہ کو بھی تیز نظروں سے دیکھا تھا جو اپنی ہی باتوں میں لگی ہوئی تھیں۔ پھر تینوں شرمندگی سے اپنی اپنی پلیٹوں پر جھک گئیں۔ انہیں ہمیشہ سے ہی سب لوگوں سے شکایت رہی کہ کھانا کھانے وقت ساری گفتگو ایک طرف رکھ دو اور بالآخر یہی ہوا وانیہ کا نوالہ ختم ہونے والا تھا کہ اسے کھانسی کا پھندا جو لگا تھا جو ثرالے کی کسی بات پر تھا۔ کہ سب نے اپنے اپنے ہاتھ روک لیے تھے۔

حسن نے جلدی سے اپنے آگے رکھا پانی کا گلاس جس میں سے اس نے آدھا پانی پی بھی لیا تھا وانیہ کے آگے بڑھایا تھا، وانیہ نے گلاس تھام لیا اور ایک دو گھونٹ پانی پی کر واپس رکھ دیا تھا۔

"دیکھ لیا نتیجہ مگر کوئی مانے تب نا۔" نعیم احمد کی سنجیدہ مگر تیز آواز ٹیبل پر بیٹھے ہر شخص کو شرمندہ کر گئی تھی۔ وانیہ کی کھانسی تو رک گئی تھی مگر آنکھوں سے بہتا پانی نہیں رکا تھا۔ اس نے کھانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے دوپٹے سے اپنی آنکھوں کا پانی صاف کرنے لگی تھی۔

"وانیہ بیٹا! آر یو آل رائٹ؟" رابعہ کو اس کی خاموشی اور کھانا چھوڑنے کی فکر لگ گئی تھی۔ بلکہ وہ تو اور پریشان یوں بھی ہو گئی تھیں کہ اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔

"جی امی میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"پھر رو کیوں رہی ہو؟" ثرالے نے آہستگی سے پوچھا تھا۔ وہ لوگ تو ویسے بھی ڈھیٹ ہو گئی تھیں نعیم احمد کی ڈانٹ کھا کھا کر مگر اپنی ڈھٹائی ثرالے اور حرا نے نہیں چھوڑی تھی۔ جس میں اب وانیہ اور مرجان کو بھی شامل کر لیا تھا۔

"ارے نہیں وہ اصل میں میری آنکھوں سے کھانستے وقت یا چھینکتے وقت پانی آتا ہے۔ میں خود بھی اپنی اس چیز سے پریشان ہوں۔ بہت علاج کرایا مگر کوئی بھی فائدہ نہیں ہوا۔" وہ بھیگی آنکھوں سمیت مسکرا دی تھی۔ حسن نے بغور اس کو دیکھا تھا۔ اس کا دل اب کھانا کھانے کا نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ پانی پی کر باقی کا بچا ہوا کھانا چھوڑ کر ایکسکیوز می کہتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا۔ سب کا کھانا ختم ہو چکا تھا اب سب کی فرمائش تھی اچھی سی چائے کی۔

"رابعہ آنٹی اگر آپ کہیں تو میں بناؤں چائے۔" لاروش اغولان نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

"کیوں نہیں بالکل بناؤ۔" رابعہ نے مسکرا کے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔ ثمرین کے ذریعے لاروش اغولان کے بارے میں سب کو پتا چل گیا تھا۔ سب نے اسے اس گھر میں دل سے ویلکم کہا تھا۔

☆......☆

سب تھک ہار کے اپنے اپنے بیڈ روم میں جا کر سو گئے تھے۔ رابعہ کے گھر آج کا ڈنر بھی بہت اچھا رہا تھا۔ سب بہت خوش خوش تھے۔ وانیہ کا دل بھی بہت خوش تھا۔ آج اس کی آنکھوں سے نیند روٹھی ہوئی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ کوئی ان آنکھوں کو اپنا اور اچھا لگنے لگا تھا۔ اس نے

اپنے بے قابو دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھا جہاں سے ایک ہی صدا گونجتی سنائی دی تھی۔ حسن، حسن، حسن......!
''اف اللہ! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔'' وہ تکیہ پر سر رکھے آنکھیں موندے لیٹی تھی کہ آنکھوں کی بند پلکوں پر بھی اس کا جھلملاتا عکس ابھرا تھا۔ لیٹے سے اٹھ بیٹھی تھی۔ کمرے میں زیرو پاور کا بلب جل رہا تھا۔ وہ بیڈ سے نیچے اتری اور چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس آئی تھی۔ دبیز پردہ تھوڑا سا سرکایا تھا۔ نیچے سامنے نجمہ کے پورشن پر نگاہ پڑی جہاں نیم روشنی میں کمرے کی طرف کھلنے والی بالکنی میں حسن کھڑا تھا۔ اس کی انگلیوں میں ایک شعلہ سا چمک رہا تھا۔ غور سے دیکھا تو وہ اسموکنگ کر رہا تھا۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر پھر سے آفریدی کا چہرہ ابھرا تھا۔
''وہ بھی تو اسموکنگ کرتا تھا اور لیفٹ ہینڈ تھا اور حسن بھی لیفٹ ہینڈ ہے۔'' مگر اس نے اپنا خیال جھٹک دیا اور دل کو تسلی دی تھی۔
''نہیں آفریدی اس دنیا میں نہیں ہے وہ مر چکا ہے اور ضروری نہیں ہے کہ اس دنیا میں ایک آفریدی ہی ہے جس کی انوکھی عادتیں ہیں۔'' وہ اپنے ذہن کے پردے سے آفریدی کے خیال کو نظر انداز کیے حسن کو بغور دیکھنے لگی تھی۔

انجان ہو تم بیگان ہو تم جو پہچان لگتے ہو کیوں
ان بھری نیندوں میں جب سوئے ہوتو مجھ میں جگتے ہو کیوں
جب تجھ کو پاتا ہے دل مسکراتا ہے کیا تجھ سے ہے واسطہ
کیا تجھ میں ڈھونڈوں میں کیا تجھ سے چاہوں میں کیا تجھ میں ہے میرا
جانو نہ تجھ میں میرا ہے کیا وہ اجنبی اپنا مجھے تو لگا

دانیہ کے لبوں پر جیسے بہار سی آگئی ہو اس کے دیکھنے میں اتنی تپش اتنی شدت تھی کہ اسموکنگ کرتا حسن نے اپنا رخ الٹا سا موڑ کے سیدھا کوئی کے روم میں اوپر کی سمت دیکھا تھا۔ حسن کے یوں اچانک دیکھنے پر دانیہ کا دل دھک سا رہ گیا وہ تیزی سے پیچھے ہوئی اور دیوار سے چپکی اپنے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھے اپنی پھولی سانس کو بحال کرنے لگی۔ چہرے پر اس کی سوچ سے اتنا گلال سا پھیل گیا جیسے وہ اس کے سامنے ہی کھڑا ہے۔
دانیہ نے تھوڑی دیر بعد پھر سے پردے کی آڑ سے جھکنے سے جھانکا تھا مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ حسن اندر جا چکا تھا بالکنی کا دروازہ بھی بند تھا اور اس پر دبیز پردہ بھی برابر تھا۔ دانیہ ہولے سے مسکرا دی اور پردہ برابر کیے اپنے بیڈ کی طرف آگئی اور آرام سے لیٹ بھی گئی۔ اس کی آنکھوں میں حسن کے لیے بہت سی روشنی تھی اب تو لگتا ہے جیسے کئی راتیں ذہن جاں کے آئیں گے۔
سیدھی سادھی معصوم سی وہ لڑکی اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دل اسے ایک زمانے سے چاہنے لگا تھا۔ یہ دل بھی کتنا نادان ہے اس کے پیار کی خواہش کر بیٹھا تھا۔
حسن، رابعہ کے پورشن سے آ کر اپنے بیڈ روم میں آنے کے بعد سویا ہی نہیں تھا۔ ادھر سے ادھر ٹہلتا رہا تھا۔ جب سگریٹ کی طلب جاگی تو اسموکنگ کرنے کی طلب جاگی وہ سگریٹ سلگاتا اپنے کمرے کی بالکنی میں چلا آیا تھا۔ وہ یونہی آسمان پر چمکتے چودھویں کے چاند میں اس کا چہرہ تلاش کر رہا تھا۔ اس کے عنابی گداز لبوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ رینگنے لگی تھی۔ دل اسے شدت سے چاہنے لگا تھا دعا کرنے لگا تھا کہ

اس کا ساتھ اس کی زندگی بھر کے لیے ہو جائے۔ وہ یونہی اس کے خیالوں میں کھویا رہتا چاند میں اس کا چہرہ تکتا رہتا اگر ایسا محسوس نہ ہوتا کہ کوئی اسے بغور دیکھ رہا تھا اپنی نگاہوں کی تپش سے اس کا وجود جلا رہا تھا۔ حسن کی نظر بالکل بے ساختہ اوپر سامنے والے پورشن پر پڑی تھی۔ کوئی بہت تیزی سے پیچھے ہٹا تھا اور وہ جانتا تھا وہ کون ہے۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی ایک نظر پردے پر ڈال کر وہ وہاں سے ہٹتا چلا گیا تھا۔

رات کا تیسرا پہر تھا اس کی آنکھ پانچ دس منٹ پہلے ہی لگی تھی۔ کمرے میں زیرو پاور کا بلب جل رہا تھا مگر شاید وہ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے ناتواں وجود پر کسی کی انگلیاں سرسرا رہی ہیں۔ کسی کی گرم سانسیں اس کا چہرہ جھلسا رہی تھیں۔ کوئی تھا جو اس کے بے حد قریب تھا۔ اس کے وجود کو اپنی بانہوں کے حصار میں قید کیا ہوا تھا۔

دانیہ کی آنکھ کھلی تھی۔ کچی نیند کا خمار اس کی آنکھوں میں تھا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ اس کی ساری ہمت اس کی ساری سوچنے سمجھنے کی طاقت مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔ کسی نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں قید کیا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا آخر اس کے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ وہ چیخنا چاہتی تھی مگر زبان تو جیسے تالو سے جا چپکی تھی۔

''ہائے جان آفریدی!''

یہ چند جملے یہ گھمبیر آواز اس کے کانوں میں ایسا لگا تھا جیسے کسی نے کھولتا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ نیند کا سارا خمار ہرن ہو گیا تھا۔ وہ آفریدی کا چہرہ کیسے دیکھتی اس گھپ اندھیرے نے ہر شے اپنے اندر گم کر دی تھی۔

''بہت خوب صورت ہو گئی ہو تم تو، میری جدائی نے تمہیں بہت حسین بنا دیا ہے۔ دل ہی نہیں کرتا کہ تم پر سے اپنی نظریں ہٹائی جائیں۔'' وہ اس کے چہرے پر اپنے ہونٹوں کے لمس سے ہر نقش تحریر کر رہا تھا اور وہ اتنی بے بس تھی کہ کوئی مزاحمت بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ ہر بار کی طرح وہ اس بار بھی ہار گئی تھی۔ دل اتنی تیزی کی طرح دھڑک رہا تھا جیسے سینے کی پسلیاں توڑ کے ابھی باہر آ جائے گا۔ اس کے ساتھ آخری بتائے وہ لمحات وہ آج بھی نہیں بھولی تھی۔ مگر وہ لمحات وہ پل وہ خون آلود شام جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مدھم پڑتے جا رہے تھے۔ اس وقت سب ایک ایک کر کے پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔ اس کے زخموں سے خون رسنے لگا تھا۔

''آفریدی زندہ ہے۔'' نہایت آہستگی سے اس کے صرف منہ سے یہ جملے ادا ہوئے تھے مگر وہ بھی آفریدی تھا جو قیامت کی نظر اور بلا کی سماعت رکھتا تھا۔

''ہاں میں زندہ ہوں اور صحیح سلامت تمہارے پاس ہوں، ورنہ تمہارے باپ نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مجھے مارنے میں۔'' آفریدی اس کی کپکپاتے ہونٹوں پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔

''چھوڑو مجھے۔'' وہ اس کے دہکتے لمس پر کسمسانے لگی تھی مگر آفریدی نے اس کی جھنجلاہٹ اس کا کسمسانا سب کچھ ایک بار پھر خود میں سمیٹ لیا تھا۔ اس کی ساری مزاحمت اس کا احتجاج سب کچھ اس کی مضبوط بانہوں میں دم توڑ چکا تھا۔

☆......☆

کھڑکی سے آتی سورج کی تیز کرنوں سے اس کا چہرہ روشن ہو گیا۔ بے ساختہ اس نے اپنی آنکھوں پر

ہاتھ رکھا تھا اور سیدھے ہو کر لیٹ گئی تھی وہ بغور چھت کو گھورتی رہی تھی اس کے ذہن کی اسکرین پر وہ سب رات جو کچھ ہوا وہ گھومنے لگا تھا۔

''کیا تھا وہ سب؟''

دانیہ تیزی سے اٹھی تھی۔ اس کی کمر اور ہاتھوں میں شدید درد کی ایک لہر اٹھی تھی۔ کمرے کی چاروں طرف نظر دوڑائی کمرہ بالکل صاف ستھرا ہو رہا تھا۔ بیڈ کو دیکھا جس پر معمولی سی بھی شکن نہیں تھی جس کا مطلب تھا بیڈ پر اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

''وہ خواب تھا میرا۔'' وہ منہ میں ہی بڑبڑائی تھی۔

اتنا بھیانک اور جان لیوا خواب، اس کا دل اندر سے سہم کر رہ گیا تھا۔ اس نے اپنے چہرے کو ہاتھ لگایا ایسا محسوس ہوا جیسے ابھی بھی اس کا دہکتا لمس موجود ہے۔ وہ تکلیف برداشت کرتی ہوئی اٹھی اور قد آور آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

''نہیں آفریدی مر گیا ہے۔ وہ زندہ نہیں بچ سکتا۔ بابا نے اسے بہت بری طرح سے مروایا ہے۔ اس کا بچنا ناممکن ہے۔'' وہ خود کو سمجھاتی ہوئی وارڈروب کی سمت بڑھی اور ایک پرسکون اور شکر کا سانس لیتی وارڈروب سے ایک کاٹن کا سوٹ نکال کر واش روم میں جا گھسی تھی۔

☆......☆

معصومہ کچن میں دوپہر کا کھانا بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ رابعہ نے اسے آلو گوشت کا سالن بنانا سکھایا تھا۔ وہی بنانے لگی تھی۔ پیاز کاٹ کر چولہے پر چڑھا دی تھی اب کھڑی سینک کے پاس گوشت دھو رہی تھی۔ نجمہ کے پورشن سے کچھ شور کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ اس نے نل بند کیا اور ہال میں آئی اور نیچے جانے والی سیڑھیوں کی ریلنگ پکڑ کے نیچے جھانکنے لگی تھی۔ نیچے ہال میں سب جمع تھے۔ اس نے غور سے دیکھا صوفے پر عارفین بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ تیزی سے نیچے آئی تھی۔

''ہائے میری جان! یہ سب کیسے ہوا؟'' رابعہ مسلسل رو رہی تھیں اس کے پاس بیٹھ کر۔

''امی آپ پلیز پہلے رونا بند کریں۔'' اس نے بایاں بازو روتی ہوئی رابعہ کے شانے پر پھیلایا۔

''دیکھو تو کیسی ہے رابعہ ہم سب کو کس قدر تکلیف ہو رہی تھی تمہیں اس طرح دیکھ کر اور تم ہو کہ بتاتے ہی نہیں۔'' آسیہ بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

''بڑی مامی بات بتانے کی نہیں ہے۔ دراصل آپ لوگوں کو تو پتا ہے کہ ہمارے کراچی کے حالات کس قدر خراب ہیں۔ کچھ موٹر بائیک پر بیٹھے لڑکوں نے دہشت پھیلانے کے لیے ہوائی فائرنگ کی تھی بس میں ان کی گولیوں کی زد میں آ گیا۔''

''تم سچ بول رہے ہو؟'' رابعہ نے شکی نظروں سے عارفین کو گھورا۔

''بالکل سچ۔'' اس نے مسکرا کے جواب دیا۔

''پتا نہیں ہمارے کراچی ہمارے ملک پاکستان کے حالات کب بہتر ہوں گے ایسی دھندلی مچائی ہوئی ہے کہ کچھ پوچھو نہیں۔'' آسیہ نے دکھ سے کہا تھا۔

''عارفین......!'' زرمیل کو جب پتہ چلا وہ فوراً سب کام چھوڑ کے سیدھا گھر آیا تھا۔ عارفین نے

زرمیل کی سمت دیکھا۔
"اوہ تھینکس گاڈ تم آ گئے۔ پلیز مجھے میرے کمرے میں لے چلو ان خواتین نے رو رو کے آج سیلاب لے آنا ہے۔" عارفین نے بڑی بے چارگی سے زرمیل کو دیکھا تھا۔
ڈالے کی تو پیر سے لگی سر پر بجھی۔ وہ نہایت سلگتی نظروں سے عارفین کو دیکھنے لگی۔
"یہ بولیے کہ آپ کو ہماری محبتوں کی قدر نہیں ہے۔" ڈالے کے تنکتے ہوئے جواب پر عارفین ہنس دیا تھا۔
"خدا کے لیے اپنی محبت زرمیل بھائی کے لیے ہی وقف رکھو۔ مجھ جیسا کمزور دل انسان تمہاری جنگجو محبت برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ اس حالت میں بھی اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔
"ہاں ایسے ہی تو کمزور دل انسان ہیں آپ۔"
"ڈالے بری بات بھی تو موقع محل دیکھ کر بولا کرو ہر جگہ عارفین سے لڑائی کرنا شروع کر دیتی ہو۔" نجمہ نے آہستگی سے ڈپٹا تھا۔
"بالکل درست کہا آپ نے نجمہ مامی یہ بالکل جنگلی لڑاکا بلی ہے۔" عارفین مزاح لینے لگا تھا۔
"عارفین بھائی آپ نے مجھے لڑاکا کہا۔" ڈالے بھڑک اٹھی۔
"ڈالے....." زرمیل نے سختی سے ایک آنکھ دبائی وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔
"ٹھیک ہے سب مجھے ہی ڈانٹو نہیں کہتی میں کچھ بھی کسی کو۔" مگر منہ پھلا ہی تھا۔
"ڈالے بدتمیزی مت کرو۔" نجمہ نے گھر کا بلکہ چاہ تو یہی رہی تھیں کہ ایک ہتھڑ بھی لگا دیں۔
"ارے نجمہ مت ڈانٹو ڈالے کو۔ پتہ تو ہے عارفین کتنا تنگ کرتا ہے اسے۔" آسیہ نے ان کی حمایت کی تھی۔
"پھر بھی آسیہ بھابی یہ دیکھ رہی ہے نا کہ رابعہ کس قدر پریشان ہے عارفین تکلیف میں ہے اور ان کو ایسی سوجھی ہے۔" نجمہ کو اس وقت ڈالے کا منہ پھلانا سخت ناگوار گزرا تھا۔ عارفین نے دیکھا کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے۔
"نجمہ مامی رہنے دیں۔ میں تو صرف مذاق کر رہا تھا اور میں واقعی اب بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ چہرے پر بشاشت لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اس کی وجہ سے پریشان ہو۔ سب اسے ہنستا مسکراتا دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے مگر زرمیل سب سمجھ گیا تھا کہ ان سب کے پیچھے کون ہے۔ زرمیل نے اسے اٹھایا تھا۔ وہ دونوں اوپر جانے لگے سائیڈ میں گم صم سی کھڑی معصوم پر نظر پڑی تھی۔
"معصوم آر یو آل رائٹ؟" زرمیل اور عارفین رک گئے تھے مگر معصوم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ زرمیل اس کی خاموشی کی وجہ بھی جانتا تھا۔
"فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" زرمیل نے دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور عارفین کو لیے اوپر اس کے بیڈروم میں لے آیا تھا۔ معصوم بھی ان کے پیچھے چل دی تھی۔
وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ عارفین کے ساتھ یہ کس نے کیا تھا اسفند درانی اور یاور درانی کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں اس کا اندازہ تھا اسے۔ معصوم بغور عارفین کو تکنے لگی تھی وہ اگر اس حال کو تھا اتنی تکلیف میں تھا تو اس کی وجہ وہ خود تھا۔

عارفین نے معصوم کو اس طرح غور سے دیکھنے پر نظریں چرا لیں۔ زرمیل نے اسے آرام سے بیڈ پر لٹا دیا تھا۔ دوائی کھائی تھی مگر نیند پھر بھی نہیں آرہی تھی۔

"تم آرام کرو میں سلجوق سے مل کر آتا ہوں۔"

"او کے۔"

زرمیل کے جانے کے بعد معصوم بیڈ کے نزدیک آئی تھی۔ عارفین نے اسے دیکھا تھا۔

"میں جانتی ہوں آپ نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ سب جھوٹ ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کی یہ حالت اسفند چاچو اور یاور کی وجہ سے ہے۔"

"تو پھر۔"

"تو پھر یہ کہ میں مزید آپ کا نقصان نہیں چاہتی ہوں خدانخواستہ آپ کو اگر کچھ ہو جاتا تو میں آپ کے گھر والوں کا کیسے سامنا کرتی۔" آواز روہانسی سی ہو گئی تھی۔

"مگر مجھے کچھ ہوا تو نہیں نا۔"

"لیکن عارفین! وہ لوگ بہت خطرناک ہیں اپنی زندگی بچانے کے لیے میں آپ کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتی ہوں۔" دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیے وہ مرور رہی تھی۔

"اچھا تو محترمہ معصوم صاحبہ! یہ بھی بتانا پسند فرمائیں گی کہ آگے کیا سوچا ہے آپ نے؟" اس نے بڑے تیکھے لہجے میں معصوم کو مخاطب کیا تھا۔

"یہی کہ میں واپس لندن چلی جاؤں گی۔"

"اس سے کیا ہوگا؟" عارفین کے پرسکون چہرے پر معمولی سا غصہ نمودار ہوا تھا۔

"کم از کم وہ آپ کو نقصان تو نہیں پہنچا سکیں گے۔"

"اوہ رئیلی میرے نقصان کی تمہیں پرواہ ہے۔" طنز کا یہ تیر اس کے دل پر لگا تھا۔

"صرف مجھے ہی نہیں آپ کے سب گھر والوں کو پرواہ ہے آپ کی اور اس سے پہلے کہ اسفند چاچو اور یاور کوئی کارروائی کریں میں ان کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔ وہ جہاں بھی لے جائیں گے وہ مجھ سے اگر مجھ سے ہی برابری لینا چاہتے ہیں۔ تو کوئی بات نہیں میں آپ کے لیے یہ بھی کرنے کو تیار......" اور اس سے پہلے کہ وہ آگے بولتی عارفین نے اس کی کلائی جو کھینچی وہ اپنا توازن سنبھال نہ سکی۔ پورے وجود کے ساتھ عارفین پر آ گری تھی۔

"یہ بات تمہیں میری زندگی میں آنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔ ہماری شادی کسی بھی طرح ہوئی ہو مگر یہ بھی سچ ہے کہ تم میرے نکاح میں ہو میری بیوی ہو، میری عزت، میری غیرت...... اور اگر میری عزت کی طرف کسی نے بھی بری نظر ڈالی میں اس کی آنکھیں نکال لوں گا اور میری عزت کی حفاظت تم پر بھی لاگو ہے۔ بے شک لندن جیسے آزاد شہر میں تمہاری پرورش ہوئی ہو مگر یہ پاکستان ہے یہاں کا شوہر اپنی عزت کے لیے بہت غیرت مند ہوتا ہے۔" اس نے معصوم کی سیاہ کانچ جیسی آنکھوں میں جھانکا تھا اور بڑی نہایت سہولت سے خود سے مزید قریب تر کیا تھا۔

"اور تم میری عزت اور غیرت کے علاوہ میری محبت بھی ہو۔" عارفین نے دھیرے سے اس کے چہرے پر آئی گھنگریالی لٹوں کو چھیڑا تھا۔ معصوم کے دل کی حالت کی اسے ذرا پرواہ نہیں تھی۔

''اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم بے شک مغربی ماحول میں پلی بڑھی ہو مگر اندر سے انہی مشرقی عورتوں کی طرح ہو جو اپنے شوہر سے اپنا حق وصول کر کے زندگی بھر انہی کے ساتھ اپنی زندگی کی آخری سانس تک جڑی رہنا چاہتی ہیں۔ اس لیے اگر میں نے اپنا حق وصول نہیں کیا تو اسے میری کمزوری مت سمجھنا مجھے زیادہ ٹائم نہیں لگے گا تم سے اپنا حق وصول کرنے میں۔'' عارفین کا جو معمولی سا بھی غصہ تھا وہ اس کے چہرے کی معصومیت دیکھ کر رفو چکر ہو گیا تھا۔ ان سیاہ کانچ میں زمانے بھر کی معصومیت رقصاں تھی۔ جس نے عارفین کا قرار لوٹ لیا تھا۔ بہت پیار آیا تھا اس کے ہوائیاں اڑتے چہرے پر وہ جانتا تھا کہ اس کے دل کی حالت زیر و بم ہے با آسانی اس کے تیز دھڑکتے دل کی شور کی آواز سن سکتا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ معصوم کے سر پر رکھ کر گرا کے تھوڑا اور جھکایا اور اس کی عرق آلود پیشانی پر اپنے پیار کی مہر ثبت کر دی تھی اور نہایت آہستگی سے اسے خود کے حصار سے آزاد کیا تھا۔ وہ مزید اسے تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''جاؤ شاباش کچن میں جا کر میرے لیے کچھ کھانے کے لیے لاؤ بہت زور کی بھوک لگی ہے۔'' معصوم نے لرزتی پلکوں سے عارفین کو دیکھا جہاں زندگی سے بھرپور مسکراہٹ رقصاں تھی۔ آنکھوں میں ویسی ہی شوخیاں تھیں چہرے پر تکلیف کی معمولی سی بھی رمق نہیں تھی اسے حیرت ہوئی تھی کہ اس قدر تکلیف اور اذیت میں ہے مگر نہ تو چہرے پر شکن تھا نہ ہی کوئی الجھن۔

''ہو گیا میرے چہرے پر تبصرہ۔'' عارفین نے اسے چونکا دیا تھا۔ پتا نہیں وہ کیسے اس کی سوچ تک رسائی حاصل کر لیتا تھا۔

''مسز معصوم عارفین! تمہارے شوہر کے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ وہ تمہاری حفاظت کر سکتا ہے۔ اس لیے بے فکر رہو اور آگے کی فکریں اور سوچیں میرے لیے چھوڑ دو۔ اسفند درانی اور یاور درانی سے کیسے نمٹنا جائے گا، میں اچھی طرح جانتا ہوں مگر تم بھی اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا لو کہ یہ دونوں صرف گیدڑ بھبکیاں دے رہے ہیں وہ میرا نہ تو کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ ہی تمہارا بال بیکا کر سکتے ہیں۔'' معصوم پر سکون ہو کر نگاہیں جھکا لیں۔

''کھانا ملے گا اب؟''

''لاتی ہوں۔'' اور کھانے سے یاد آیا کہ اس نے تو چولہے پر پیاز چڑھائی تھی وہ اب تک کوئلہ ہو گئی ہو گی۔ وہ جلدی سے کمرے سے نکلی تھی۔

معصوم کو وہ اب ہر صورت میں منا لینا چاہتا تھا۔ وہ اپنی زندگی کو خوشگوار بنانا چاہتا تھا۔ اسے الجھنوں میں ڈال کر یا معصوم پر غصہ کر کے معصوم کی سوچ کو غلط رخ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسفند اور یاور نہایت شاطر اور چالاک تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر مجھے نقصان پہنچائیں گے تو معصوم قریب ہو جائے گی اور معصوم اتنی معصوم ہے وہ جلد ان کی باتوں میں آ جائے گی جو کہ عارفین نہیں چاہتا تھا۔ مگر کھیل یہاں ختم نہیں ہوتا وہ ضرور معصوم سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ ضروری ہے کہ معصوم پر بھی نظر رکھی جائے۔ وہ اپنی بے وقوفی میں ضرور کام بگاڑ لے گی۔

معصوم تیزی سے کچن میں آئی جہاں رابعہ اور لاروش انگولان کھڑی تھیں آہٹ پر لاروش انگولان نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

''معصوم! میں نے آپ کا سالن بھی تیار کر دیا ہے اور عارفین بھائی کا چکن سوپ بھی بنا دیا ہے۔''

"وہ دراصل میں بالکل بھول گئی تھی۔" وہ شرمندہ ہوئی۔
"کوئی بات نہیں بیٹا تم ہی نہیں ہم سب پریشان ہو گئے تھے۔ وہ تو لاروش کو جلنے کی بدبو آئی تو وہ فوراً کچن میں آئی تھی اور سارا کھانا تیار کر دیا۔" رابعہ نے معصوم کو پیار سے دیکھا تھا۔
"تھینکس لاروش۔"
"اب آپ زیادتی کر رہی ہیں۔" لاروش اغولان کو معصوم کا تھینکس بالکل اچھا نہیں لگا۔
"او کے پھر میں نے اپنا تھینکس واپس لے لیا۔" معصوم مسکرا دی جس کا ساتھ لاروش اغولان نے بھی دیا تھا۔
"معصوم اگر عارفین جاگ رہے ہیں تو انہیں یہ سوپ دے دو۔" رابعہ نے سوپ کانچ کی ڈش میں نکال کر روش اور کانچ کا پیالہ چمچے سمیت ٹرے میں رکھ دیا۔
"جی امی وہ جاگ رہے ہیں اور انہیں بھوک بھی لگ رہی ہے۔"
"تو ٹھیک ہے تم یہ ٹرے عارفین کو دے آؤ ہم جب تک ٹیبل پر کھانا لگاتے ہیں آج لاروش بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائے گی۔" رابعہ نے مسکراتے ہوئے ٹرے معصوم کو تھمائی اور کیبنٹ سے پلیٹیں نکالنے لگیں۔ لاروش اغولان نے ان کا ساتھ دیا اور ٹیبل پر کھانا چننے لگی۔ حسن ابھی اوپر سے عارفین کی خیریت پوچھ کر اپنے کمرے میں آیا تھا۔ وہاں حسین آفریدی کو دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔
"تم یہاں......!"
"میں نے ٹھیک سوچا تھا کہ میرا شک وہی ہے جو آپ سمجھ رہے تھے مگر آپ نے تصدیق نہیں کی اس لیے مجھے یقین کرنے کے لیے آپ کے کمرے میں آنا پڑا نا صرف آپ کی چیزوں کو بھی چھیڑنا پڑا۔" حسین آفریدی کی آنکھوں میں حسن کی نمی تھی اس کے ہاتھ میں وہ ضروری کاغذات شناختی کارڈ اور اس کا فیملی البم تھا۔
"آپ کیا سمجھتے تھے میں آپ کو پہچان نہیں پاؤں گا جب آپ کو عرصے کے کھانے پر دیکھا تھا آپ سے ملا پایا تھا میرے دماغ میں شک کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو گئی تھیں اور آج دیکھ لیں میرے شک کو یقین کی بنیاد مل گئی۔" حسین آفریدی نے وہ البم کھول کے اس کے آگے کیا جس میں وہ ساری بچپن کی تصاویر تھیں وہ حسن کے ساتھ اور سلجوق کے ساتھ کھڑا تھا۔ تو کہیں حسن آفریدی کے کندھے پر چڑھا ہوا تھا۔ کہیں زد بابو کے اس کا کان پکڑا ہوا ہے۔ تو وہ حسن آفریدی کے بازوؤں میں چھپ جاتا۔
"میں جانتا ہوں تم شروع سے ہی بہت شارپ ہو۔ بہت تیز دماغ ہے تمہارا۔" حسن آفریدی نے اپنے دونوں بازوؤں کو پھیلایا حسین آفریدی تیزی سے اسی طرح اس کے گلے سے لگا تھا۔ جیسے بچپن میں اس سے لگتا تھا سلجوق آفریدی اور حسین آفریدی اسے بہت چاہتے تھے۔ مگر اس کی پوری شبیہہ حسن آفریدی سے ملتی تھی اس کی بلوریں آنکھیں خاندان بھر میں مشہور تھیں۔ جو حسن آفریدی کے جیسی تھیں اس لیے وہ سلجوق آفریدی سے زیادہ حسن آفریدی کے قریب تھا۔
"کیوں اتنے سال ہم سے دور رہے آپ۔ ذلیل چاچا اور شہلا پھوپھو کو کھونے کے بعد ہم نے آپ کو اور شہلا چچی کو بہت ڈھونڈا مگر آپ کا کوئی پتہ نہیں ملا۔ کیوں کی بھائی اتنے سال آپ لوگ ہم سب سے دور رہے۔" وہ حسن آفریدی کے گلے سے الگ ہوا تھا اس کا چہرہ رونے کی وجہ سے پورا بھیگا ہوا تھا۔ حسن

آفریدی خاموش رہا۔ صرف اس میں اپنا آپ دیکھنے لگا وہ چہرہ جسے اس نے کھو دیا تھا۔

''پلیز ہنی بھائی اب تو بولیے کچھ۔ کیا وجہ تھی جو آپ ہم سے دور رہے؟''

''شہلا پھپھو کی وجہ سے؟''

''شہلا پھپھو کی وجہ سے...... کیا مطلب ہنی بھائی، شہلا پھپھو تو کھائی میں گر کے مر گئی تھیں نا۔ ہاں مگر ان کی لاش، ہم نے بہت ڈھونڈی وہ نہیں ملی۔''

''نہیں...... شہلا پھپھو زندہ تھیں۔''

''زندہ تھیں؟'' زنیش آفریدی کو ایسا لگا جیسے اس بلڈنگ کی پوری چھت اس پر آ گری ہو۔

''زندہ تھیں تو اب تک کہاں تھیں؟''

''میرے پاس۔''

اور پھر حسن آفریدی نے حنین آفریدی کو اپنے گزرے واقعات، ریحان شیخ، دانیہ اپنے بارے میں سب بتا دیا تھا۔ وہ سب بھی جو اس نے ارشد سے چھپایا تھا۔

کتنی ہی دیر تک حنین آفریدی سنانے میں بیٹھا رہا تھا اس کی بلوریں آنکھیں جیسے پتھرا گئی ہوں۔ زبان تالو سے جا چپکی ہو جیسے کبھی نہ بولنے کی قسم کھائی ہو۔

''کیا ہوا، چپ کیوں ہو گئے؟'' حسن آفریدی نے جامد و ساکت بیٹھے حنین آفریدی کو دیکھا تھا۔ حنین آفریدی نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر زمانے بھر کا کرب تھا۔ کرب داذیت تھی اور کچھ کھونے کا غم بھی۔ حنین آفریدی کی جامد و ساکت وجود میں حرکت پیدا ہوئی وہ تڑپتا ہوا اٹھا اور حسن آفریدی کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔

''اتنا پہاڑ اپنے دل پر خود پر اٹھائے ہوئے تھے تو کیوں مجھے نہیں بتایا میں تو آپ کا راز دار تھا آپ کا۔ پر تو آپ کی جان تھا۔ پھر مجھ سے کیوں دور رہے آپ؟''

''کیا کرتا شہلا پھپھو کو بھی تو بچانا تھا۔ ہر علاج کرایا، ہر ملک، شہر، گاؤں سب جگہ لے کر گیا مگر ان کا سکتہ نہیں ٹوٹا اور ٹوٹا بھی تو جب...... جب بہت دیر ہو گئی تھی۔''

''شہلا پھپھو، ولید چاچو کے جانے کے بعد بہت بدلاؤ آ گیا تھا ہمارے خاندان میں۔ وہ پہلے جیسی پست سوچ وہ پرانے ریت رسم درواج سب کو بی جان نے کسی گہری قبر میں دفنا دیا تھا مگر وہ نیلہ چچی اور آپ کو آج بھی بہت یاد کرتی ہیں اور چھپ چھپ کے روتی ہیں۔''

''ہاں وہ ہمیں چاہتی بھی تو بہت تھیں۔'' اس کی بلوریں آنکھوں میں بی جان کا پاکیزہ چہرہ گھوم گیا تھا۔

''اب آپ نے آگے کیا سوچا ہے؟''

''بس یہی کہ دانیہ کو منا کر یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لندن شفٹ ہو جاؤں گا۔''

''اور ہم لوگ میں...... میرے بارے میں نہیں سوچا کہ اب آپ ہمیں مل گئے ہیں تو ہمارا کیا ہوگا۔'' حنین آفریدی نے بے تابی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

''نہیں...... مگر ہاں تمہیں فون کرتا رہوں گا۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ میں شہلا پھپھو کا یہ راز اپنے دل تک ہی چھپا کے رکھوں گا۔ انہیں سب کے سامنے لا کر ان کی روح کو شرمندہ نہیں کروں گا۔ جب تک زندہ تھیں۔ تکلیف میں تھیں بہت مگر ان کے جانے کے بعد میں تم لوگوں سے مل کر کیا جواز پیش کرتا کیا بتاؤں کہ کمی مجھے

کہاں لے گئیں بابا کے مرنے پر گاؤں کیوں نہیں آئے۔ ایسے بہت سے سوالات جن کا جواب شہلا پھپھو سے شروع ہو کر شہلا پھپھو پر ہی ختم ہوتے ہیں۔"

"تو پھر یہ سب آپ نے مجھے کیوں بتایا؟" اس نے حیرت بھری نظروں سے سوال کیا۔

"کیوں کہ میں جانتا ہوں تمہیں شہری پھپھو بھی تمہیں بہت چاہتی تھیں۔" حسن آفریدی نے اس کی چھوٹی سی ناک دبائی تھی۔

"تو پھر آپ بھی سن لیں یہ راز اگر آپ نے مجھے دیا ہے تو اس کی حفاظت میں اپنی آخری سانس تک کروں گا۔ شہلا پھپھو مجھے بھی اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہیں۔"

"ویری گڈ، مجھے تم سے یہی امید ہے۔"

"اچھا چلیں یہ سب ایک طرف اب یہ بتائیے کہ ہمارے بھابی کہاں ہیں؟" حسنین آفریدی نے اپنا چہرہ صاف کیا اور اس کے برابر میں آبیٹھا۔

"یہیں ہے۔"

"یہاں پر مگر کون؟ میں تو یہاں سب سے مل چکا ہوں۔ ژالے آپی، حرا بھابی، ثمرن آپی اور مقسوم بھابی کو بھی جانتا ہوں۔"

"ایک منٹ...... یہ حرا تمہاری بھابی کیسے......؟"

"ثمرن پھپھو کے حوالے سے۔"

"ہم ثمرن کے لیے حرا کو پسند کیا ہے بی جان نے؟" اسے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی بہت ہوئی تھی۔

"جی اور بہت جلد شادی کی ڈیٹ بھی فکس ہو جائے گی۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ حرا کی فیملی واقعی بہت اچھی ہے۔" اس نے کھلے دل سے تعریف کی تھی۔

"بھئی بھائی! یہ تو بتائیے کہ وہ بھابی کہاں ہیں یہاں؟"

"عارفین کی کزن ہے۔"

"عارفین بھائی کی کزن، اچھا میں ابھی مل کر آتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگا تھا۔

"آں...... آں...... ابھی نہیں۔" حسن آفریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کے واپس بٹھا دیا تھا۔

"بہت سال بعد ملے ہو دل بھر کے دیکھنے تو دو، سب کے بارے میں بتاؤ سب کیسے ہیں۔ صمد تایا، بابا، دو بار تائی اور بی جان کیسی ہیں؟"

"سب بہت اچھے ہیں بس تھوڑا مجھ سے ناراض ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے سر کھجایا تھا۔

"ناراض ہیں تم سے مگر کیوں؟ یہ تو میں جانتا ہوں کہ تم بچپن سے ہی بہت شرارتی ہو اور شرارت کر کے ہمیشہ میرے پاس آ کر چھپ جانا، بتاؤ تم نے اس بار کیا کر دیا؟"

"لاروش کی وجہ سے سب مجھ سے ناراض ہیں۔"

"یہ...... لاروش کون ہے؟"

"مائی وائف۔"

"وائف...... یار کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ صحیح صحیح بتاؤ تم نے شادی اتنی جلدی کیسے کر لی؟"

"بس مت پوچھیے یہ سب بھی بی جان کا کمال ہے انہوں نے ہی مجھے کو مجبور کیا تھا۔"

''تو اس کا مطلب ہے سب پہلے دن سے ہی جانتے تھے کہ لاروش تمہارے نکاح میں ہے۔''

''جی! میں ہی بے وقوف بنا ہوا تھا۔''

''اور سمعیہ زیدی.....؟''

''بی جان کے تھپڑ کھانے کے بعد اس نے مجھ سے تعلق توڑ لیا تھا مگر لاروش کے گھر سے جانے کے بعد میں نے ریلائز کیا کہ مجھے اس کی کتنی ضرورت ہے۔'' حسن آفریدی کے سامنے اس نے اپنی محبت کا اقرار کرلیا تھا۔

''چلو دیر آئے درست آئے۔ مگر اب مسئلہ اور فکر کی بات یہ ہے کہ لاروش اس وقت کہاں ہوگی اور کیسے ڈھونڈیں اسے۔''

''یہ تو میں سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں۔ خدانخواستہ وہ اگر غلط ہاتھوں میں چلی گئی... لیکن خدا نہ کرے۔'' خود ہی بول کر خود ہی نے اپنے آپ کو سرزنش کی تھی۔

''مِنی بھائی دعا کریں لاروش مل جائے۔''

''انشاء اللہ۔'' حسن آفریدی نے نرم نگاہوں سے اپنے چھوٹے چہیتے بھائی کو دیکھا۔ اتنے میں حسین آفریدی کا فون بجنے لگا جس کی اسکرین پر ارشد کالنگ لکھا آرہا تھا۔

''ارشد کا فون......!'' وہ منہ ہی منہ میں بولا تھا۔

''کون ہے؟'' حسن آفریدی نے پوچھا۔

''ارشد ہے میں ذرا پوچھ کے آتا ہوں۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''آپ جایئے میں اوپر وانیہ بھابی سے مل کر آتا ہوں۔''

''اوکے۔'' وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

''مِنی بھائی!'' حسین آفریدی نے پکارا۔

''ہاں بولو۔'' حسن آفریدی نے پلٹ کر دیکھا۔

''آئی لو یو۔'' وہ ایک بار پھر حسن آفریدی سے لگا تھا۔

''لو یو ٹو۔'' اس نے حسین آفریدی کے سنورے بال بگاڑے تھے۔

حسین آفریدی اوپر آگیا تھا۔ رابعہ اپنے کمرے میں تھیں۔ عارفین کھانا کھا کے سو گیا تھا کچن میں وانیہ، معصوم اور لاروش اغولان تھیں۔ وانیہ اور معصوم کی فرمائش پر لاروش اغولان شام کی چائے کے ساتھ فنگر چپس اور بروسٹ بنا رہی تھی۔ جس میں وہ دونوں بھی اس کی مدد کر رہی تھیں۔ معاملہ میرینٹ ہو گیا تھا۔

''میں چولہا جلاتی ہوں وانیہ تم سارے آلو دھو کر چھلنی میں نکال کر میدہ کی کوٹ لگا دو۔'' یہ آواز تو بہت جانی پہچانی تھی۔ دماغ پر تھوڑا زور ڈالنے کے بعد اس کو ایک جھٹکا ہی تو لگا تھا۔ وہ آواز کے تعاقب میں چلتا ہوا آیا اور جو سوچ رہا تھا وہی حقیقت تھی۔

لاروش اغولان نے برنر آن کرنے کے لیے ماچس جلایا تھا۔ ماچس جلاتے ہی اس کی نظر سامنے اٹھی تو سناٹے میں رہ گئی۔ وہ یونہی سناٹے میں رہتی اگر ماچس کی تیلی بجھ کر اس کی دو انگلیوں کو جلا نہ دیتی۔

''سی......''

سی کر کے اس نے تیلی پھینکی اور اپنی دونوں انگلیوں کو جھٹکنے لگی تھی۔

"کیا ہوا لاروش؟ کیسے جلا لیا دھیان رکھو۔" معصوم نے دیکھ لیا تھا اس کی دو انگلیاں جل گئی تھیں وہ جلدی سے آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کے چیک کرنے لگی۔ وانیہ نے بھی نل بند کیا اور فنگر چپس کے آلو کی چھلنی سائیڈ پر رکھے اس کے پاس چلی آئی۔

"تم ہٹو میں کر لیتی ہوں۔" وانیہ نے کچن میں رکھی چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل سے ایک چیئر گھسیٹی اور اس پر لاروش اغولان کو بٹھا دیا۔ اس دوران معصوم کی نظر ساکت و جامد حتین آفریدی پر پڑ چکی تھی۔

"جی فرمایئے آپ کون؟" وانیہ نے اس نئے چہرے کو دیکھا مگر اس کی بلوریں آنکھیں اسے آفریدی کی یاد دلا گئیں۔ مگر ہاں لاروش اغولان نے ضرور چہرے کا رخ گھمالیا تھا۔ اس طرح کہ حتین آفریدی کو اس کا سائیڈ کا صرف آدھا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

حتین آفریدی بغیر کچھ کہے کسی کی طرف دیکھے وہاں سے چلا گیا تھا۔

"پتا نہیں کون ہے؟" معصوم نے کندھے اچکائے تھے۔

"کہیں اسفند چاچو کی کوئی چال تو نہیں۔" وہ سوچتی ہوئی تیزی سے کچن سے نکلی تھی۔ ادھر ادھر دیکھا نیچے جھانکا تو وہ لڑکا تیزی سے باہر جانے والے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے؟" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی عارفین کے بیڈروم میں آئی تھی۔ سوچ یہی تھی کہ ان کشیالوگوں نے عارفین کو پھر سے نقصان پہنچانے کے لیے تو کہیں کسی کو نہیں بھیجا۔

☆......☆

صبح لاروش اغولان کی آنکھ نہ کھلتی اگر کچھ محسوس نہ ہوتا۔ کسی کی آہٹ نہ ہوتی۔ حتین آفریدی کو جب سے اس گھر میں دیکھا تھا۔ سوچ سوچ کر دماغ تھکنے لگا تھا کہ آخر وہ یہاں کر کیا رہا ہے۔ کیا رشتہ ہے اس کا اس گھر کے لوگوں سے کیونکہ اپنے کون ہو گئے تھے اسے یہاں کوئی ایسے ہی ایرا غیرا یہاں دندنا نہیں سکتا۔ باہر مین گیٹ پر پوری انفارمیشن لی جاتی ہے۔ جب جا کر وہ اس گھر میں داخل ہوتا ہے پھر حتین آفریدی یہاں کیا کر رہا ہے۔ یہی سوچ سوچ کر پریشان ہوتی چلی گئی مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا۔ رات دیر سے سونے کی وجہ سے وہ صبح فجر میں نہیں اٹھی تھی۔ مگر جب آنکھ کھلی اور جس کو پوری رات سوچتے سوچتے گزار دی وہی چہرہ اس کے بالکل پاس اس کے قریب تھا۔ حتین آفریدی بیڈ پر بالکل لاروش اغولان کے برابر میں لیٹا تھا۔ جو اس کے بالوں کی لٹوں کو تو کبھی اس کے چہرے کے نقوش پر اپنی انگلیوں کی پوروں سے لمس چھوڑ رہا تھا۔ لاروش اغولان کا شعور یکدم سے بیدار ہوا تھا۔ اس کی نیند بھک سے اڑی تھی۔ ان ہرنی آنکھوں میں ابھی نیند کا خمار ابھی بھی ہلکورے لے رہا تھا۔ وہ حتین آفریدی سے یوں جھٹکے میں پیچھے ہو کر بیڈ سے نیچے اتر کر دور جا کھڑی ہوئی تھی جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ آپ کو شرم نہیں آتی اس طرح کسی کے بیڈروم میں داخل ہو کر کسی کے بیڈ پر لیٹنا؟"

حتین آفریدی کے ہونٹوں پر شریری مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔ وہ بغور اس کو تکتا چلا گیا تھا۔ اس نے کبھی لاروش اغولان کو بغیر دوپٹے کے نہیں دیکھا تھا بلکہ بڑی سی چادر میں ہی خود کو چھپائے دیکھا تھا۔ نہ ہی کبھی اس کا چہرہ دیکھا تھا یا شاید کبھی اس کو اس انداز سے نہیں دیکھا۔ میدے کی طرح سفید رنگت، کھڑے سے نقوش، بڑی بڑی ہرنی آنکھیں جن میں ابھی نیند کا خمار تھا۔ نازک سا سراپا، لمبے گھنے بال جو اس وقت

پورے کھلے ہوئے تھے۔ بلاشبہ وہ مکمل حسن کا پیکر تھی۔ پریوں کی ملکہ اسے سمعیہ زیدی کی بات یاد آگئی تھی۔

"تم نے بھی لاروش کو غور سے نہیں دیکھا۔ اس سے بات کیوں نہیں کرتے۔ وہ تمہارے گھر میں کیوں رہ رہی ہے۔ وہ جاتی کیوں نہیں۔" ایسے بہت سے جملے سمعیہ زیدی کے جو اس کے کانوں میں گردش کرنے لگے تھے۔ حنین آفریدی مسکراتا ہوا بیڈ سے نیچے اترا تھا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اس قدر حسین ہو۔ میرے سوچنے کا اور دیکھنے کا انداز بدلا۔ آنکھوں سے دھند چھٹی تو تمہارا چہرہ واضح ہوا اور تمہاری دوری نے تو مجھے تم سے مزید قریب کر دیا ہے اور رہی کہ کسی کے بیڈ روم میں بغیر اجازت کے داخل ہونا اور کسی کے بیڈ پر لیٹنا تو میری جان تم کسی نہیں میری منکوحہ ہو، جس کے ساتھ کچھ بھی کرنے کی مجھے شرع اور قانون نے اجازت دے رکھی ہے۔" حنین آفریدی نے قریب آکر اس کی نازک سی مرمریں کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے خود سے قریب تر کر لیا کہ وہ نازک سی ٹہنی کی طرح اس کے وجود کا حصہ بن گئی۔

"چھوڑیے مجھے اور یہاں سے چلے جائیں مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" اس نے خود کو چھڑانے کی بہت مزاحمت کی مگر حنین آفریدی کی گرفت کا حصار بہت مضبوط تھا۔

"چھوڑنا ہی ہوتا تو بہت پہلے چھوڑ چکا ہوتا۔ وہ تو میری قسمت اچھی ہے بی جان کی دعائیں ہیں جو تم مل گئی ہو۔ اب بہت ڈیرا ڈال لیا یہاں گھر چلو میں تمہیں یہاں سے گھر لے کر جاؤں گا۔"

"ہونہہ...... کس رشتے سے......؟" وہ پوری جان سے حنین آفریدی کا بازو اپنی مرمریں کمر سے ہٹا رہی تھی۔

"ارے ابھی تو بتایا ہے کہ تم میری منکوحہ ہو۔" اس نے مزید لاروش اغولان کو خود سے نزدیک کیا تھا کہ اس کے چہرے پر حنین آفریدی کی گرم گرم سانسیں اس کا چہرہ جھلسا رہی تھیں۔

"منکوحہ...... یہ کیا آپ بار بار منکوحہ منکوحہ کی گردان کر رہے ہیں؟" بالآخر لاروش اغولان کامیاب ہو گئی تھی حنین آفریدی کی گرفت سے آزاد ہونے میں۔

"وہی منکوحہ جسے آپ اپنے سب دوستوں کے سامنے لے کر آئے تھے وہی منکوحہ جس پر آپ ایک نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ وہی منکوحہ جس کے منہ پر آپ کی گرل فرینڈ نے سب کے سامنے زور سے تھپڑ مارا تھا اور وہی منکوحہ جس کے لیے آپ اپنے دوست کا رشتہ لے کر آگئے؟ مسٹر حنین آفریدی آپ سے تو لاکھ درجے بہتر ہیر ک شاہ ہے بھلے ہی وہ مجھے کوئی اہمیت نہ دیتے ہوں مجھ سے بدتمیزی کرتے ہوں رنگ کرتے ہوں ان کی بہت سی گرل فرینڈز ہوں جس سے ان کا افیئر ہے مگر جو بھی ہے جیسا بھی ہے بھی اپنے دوستوں کے سامنے آنا میرا ان کو پسند نہیں تھا۔ میں جانتی تھی وہ مجھ سے شادی کر کے میری لاکھوں کی جائیداد میری زمینوں کو اپنے نام کرانا چاہتا تھا مگر اب سوچتی ہوں وہ ٹھیک تھا چاہے مجھے محبت دیتا، چاہت نہ دیتا، عزت نہ کرتا میری مگر چار دیواری میں تو چھپا کے رکھتا۔ آپ کی طرح اپنے دوستوں کے سامنے میرا مذاق تو نہیں بناتا۔ آپ نے تو مجھے دربدر کر دیا ہے۔"

لاروش اغولان کا سانس پھول گیا تھا۔ یہ سب کہتے کہتے۔ ہرنی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔ حنین آفریدی تو صرف اسے بغور تک رہا تھا بلکہ اسے آج پہلی بار اتنا بولتا ہوا سن بھی رہا تھا۔ اس کا غصہ بھی کرنا دیکھ رہا تھا۔ اور اگر وہ یہ سب کر رہی تھی تو سب جائز تھا، وہ حق پر تھی۔ لاروش اغولان کی باتوں نے اسے بہت شرمندہ کیا تھا مگر وہ اسے منا کر یہاں سے لے جانا چاہتا تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ اسے چاہنے بھی لگا تھا۔

"اگر میں کہوں کہ میں تم سے معافی کا طلب گار ہوں تو۔۔۔"

"تو بھی کوئی فائدہ نہیں ہے کیوں کہ میں آپ کو معاف کرنے والی نہیں ہوں۔" اس نے حنین آفریدی کی طرف سے رخ ہی پھیر لیا تھا۔ حنین آفریدی پھر اس کے پاس بڑھا اور اس کی نازک سی کلائی تھام کر اپنی سمت کھینچا تھا اسے۔

"میں تو تمہیں بہت سیدھا اور معصوم سمجھتا تھا۔ تم بہت ہی کٹھور اور ظالم نکلی ہو بھئی۔"

"یہ کیا بے ہودگی ہے آپ بار بار مجھے اس طرح چھو کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کی کوئی گرل فرینڈ سمعیہ زیدی نہیں ہوں میں لاروش اغولان ہوں۔"

"آں...... آں لاروش اغولان نہیں...... لاروش حنین۔" حنین آفریدی نے بڑی بے دردی سے اس کے گلاب کے پنکھڑی جیسے نرم ہونٹوں پر انگلی پھیری تھی۔

لاروش اغولان کے دماغ پر لگی تھی ایک تو بار بار اس کا یوں کھینچ کے خود سے لگانا پھر اس کا یہ جملہ۔

"اچھا تو آپ کو یاد ہے کہ میں لاروش حنین ہوں!" وہ طنز کرنے سے باز نہیں آئی تھی۔

"تو تمہیں لاروش حنین کے یقین کے لیے کیا ثبوت چاہیے اگر یہ کہ ہمارا کوئی بے بی، بابا وغیرہ ہو جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" حنین آفریدی نے نہایت دھیمے سے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی کہ وہ شرم وحیا کے مارے پوری پسینے میں شرابور ہو گئی۔ چہرے کی رنگت سرخ پڑ گئی تھی۔ حنین آفریدی نے بہت دلکشی سے اس کا شرمانا گھبرانا دیکھا تھا۔

"تم لڑکیاں بھی نہ اتنا بولتی ہو لڑتی ہو اپنے شوہروں سے مگر ذرا سا کوئی بے باک سا جملہ بول دو زبان پر چپی لگ جاتی ہے۔" اس نے لاروش اغولان کے کھلے ریشمی بالوں کی آگے کی کچھ لٹوں کو چھیڑا تھا۔

"حنین چھوڑ دیجیے مجھے۔" پلکوں کی باڑ کو رخسار پر گرائے وہ ہولے سے بولی تھی۔ حنین آفریدی نے اس کو اپنی گرفت کے حصار سے آزاد کر دیا تھا۔

"حنین آفریدی کی بہت سی گرل فرینڈز تھیں مگر حنین آفریدی کی زندگی کا جو سکون و قرار لوٹ کر لی گئی وہ صرف اور صرف ایک ہی ہے جو تم ہو۔"

"اور سمعیہ زیدی......!" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ہونٹوں پر شکوہ آ گیا تھا جس پر وہ ہولے سے ہنس دیا تھا۔

"ان کا پیک اپ تو اسی دن ہو گیا تھا۔" وہ دروح فسوں منظر اس کی ہرنی آنکھوں میں ایک بار پھر کسی فلم کی طرح گھومنے لگا تھا جب عماد نے اس کا دوپٹہ کھینچ کے اس کو سب کے سامنے برہنہ کر دیا تھا۔ وہ قیامت کا منظر تھا جان لیوا لینے والا منظر۔ یکدم سے اس کے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر گئے تھے۔ ان ہرنی آنکھوں میں ایک دکھ کا سمندر سا ابھرنے لگا تھا۔ حنین آفریدی سمجھ گیا تھا۔ اس کی سوچ کو، وہ آگے بڑھا اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا تھا۔

"آپ نے مجھے وہ دکھ دیا ہے جو میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔" ان ہرنی آنکھوں میں آنسوؤں نے حنین آفریدی کا دل خون خون کر دیا تھا۔ اس نے بے ساختگی سے اس کو خود میں سمو لیا تھا۔

(جاری ہے)

افسانہ

وہ ملی بھی اگر تو نہ ملی

"دادا جان! پتا ہے آج میں نے آپ کو بہت مس کیا۔" وہ موسیٰ حیدر کی تصویر ہاتھ میں تھامے بازو پھیلا کر اپنی یاد کا پیمانہ جانچنے کی غرض سے بولا تھا۔ ننھی آنکھوں سے ٹپ ٹپ بہتے آنسوؤں کے نرم



نازک گلابی گالوں کو تر کر رہے تھے۔
''کاش آپ میرے ساتھ ہوتے پھر میں بھی آپ کی انگلی پکڑ کر روز اسکول جاتا۔ بالکل ویسے جیسے اسد اور میکال اپنے دادا جان کے ساتھ اسکول آتے ہیں۔'' دو ننھے موتی اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر بکھرے اور ایک بار پھر اس کے شفاف گالوں پر پھسلتے چلے گئے۔
''پارس بیٹا! یہاں آؤ دادو کے پاس۔'' شانزے بیگم کب سے اپنے اکلوتے پوتے کو دیکھ رہی تھیں جو موسیٰ کی تصویر دل سے لگائے خود کلامی کرتا ہوا آنسو بہا رہا تھا۔
''جی دادو جان!'' ننھا پارس ہچکیاں لیتا دادو کی گود میں آن بیٹھا۔ موسیٰ کی تصویر اب بھی اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔
''کیا ہوا دادو کا بہادر بیٹا رو کیوں رہا ہے۔'' شانزے بیگم وارفتگی سے ننھے کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے پوچھنے لگیں۔
''پیاری دادو جان! آپ کو پتا ہے آج



ہمارے اسکول میں گرینڈ فادرز ڈے سیلیبریٹ کیا جا رہا تھا۔ سوائے میرے سبھی فیلوز اپنے اپنے گرینڈ فادرز کے ساتھ میٹنگ اٹینڈ کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔

''دادو! آج مجھے دادا جان لوسٹ کر یاد آتے۔ کاش وہ بھی زندہ ہوتے ہمارے درمیان ہوتے تو میں بھی ان کی انگلی تھام کر اسکول جاتا۔ ان کے ساتھ کھیلتا۔ آئس کریم کھاتا اور وہ بھی پر ان کی گود میں بیٹھ کر ڈھیر ساری باتیں کرتا۔'' ننھا پارس، موسیٰ کی تصویر دیکھتے ہوئے بڑی معصومیت میں بولتا چلا گیا۔

''بیٹا! آپ کو کس نے کہا آپ کے دادا جان زندہ نہیں ہیں۔ وہ تو زندہ رہیں گے ہمیشہ تا قیامت۔'' شانزے بیگم کے لہجے میں موسیٰ کے لیے فخر ہی فخر تھا۔

''سچ دادو! دادا جان زندہ ہیں؟'' وہ ساری اداسی بھول کر پل بھر میں ایکسائیٹڈ ہوا تھا۔

''ہاں میری جان وہ زندہ ہیں۔''

''پھر وہ ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟ دادا جان کا گھر کدھر ہے؟''

اگلے ہی لمحے ایکسائمنٹ اداسی میں بدلی تھی۔

''ان کا گھر اللہ پاک کے ہاں ہے۔ وہ جنت میں رہتے ہیں۔''

''جنت!'' وہ رخ پلٹ کر شانزے بیگم کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''جنت پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ۔ وہ لوگ جو نیک اعمال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہوتے ہیں۔ اللہ انہیں بدلے میں انعام کے طور پر جنت بخش دیتے ہیں۔'' وہ شفقت سے پارس کے نرم سنہری بال سہلاتے ہوئے سمجھا رہی تھیں۔

''دادو! جنت پانے کے لیے کیا کرنا پڑتا ہے؟''

''جنت پانے کے لیے آزمائشوں کا سفر طے کرنا پڑتا ہے میرے بچے۔ میرا رب بے تا اپنے ہر بندے کو جنت پانے کا سنہری موقع عطا کرتا ہے۔ وہ تو خود اپنے پیاروں کو صراط مستقیم کی طرف پکارتا ہے۔ تاکہ اس کا کوئی بھی بندہ اس کی بنائی گئی جنت سے محروم نہ رہنے پائے۔ جس طرح دنیا کی ہر قیمتی شے کو پانے کے لیے ہمیں کوئی نہ کوئی قیمت چکانا پڑتی ہے بالکل اسی طرح جنت کو پانے کی بھی ایک قیمت طے ہے۔ قدم قدم پر شیطان بھٹکانے چلا آتا ہے۔ ذہن و دل میں عجیب عجیب سے وسوسے جنم لینے لگتے ہیں۔ طرح طرح کی خواہشیں پنپنے لگتی ہیں۔ آزمائشیں پہاڑ بن کر سامنے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ مشکلات کا سلسلہ وسیع ہونے لگتا ہے۔ ہمت کی طاقت دم توڑتی محسوس ہوتی ہے۔ ایسے میں اللہ پر توکل ہی انسان کو اس قابل بناتا ہے اتنی ہمت بخشتا ہے کہ وہ جنت تک پہنچنے کے سبھی مراحل آسانی سے طے کر لیتا ہے۔ اللہ پر بھروسہ کبھی بندے کو گمراہ ہونے نہیں دیتا۔ میرے بچے رب کی تو اپنی ہی چاہ ہے کہ اس کا ہر بندہ اس کے بتائے گئے راستے پر چل کے ایک کے لیے سرخرو ہے۔ بھلے وہ دنیا ہو یا آخرت۔''

شانزے بیگم کا ذہن ایک بار پھر ماضی کے اوراق پلٹتا چلا گیا۔ وہ لمحہ بھر سانس لینے کو رکی تھیں پر پارس کی نگاہوں میں چھپی الجھن کو محسوس کرتے ہوئے ایک بار پھر گفتگو کا سلسلہ جوڑنے لگیں۔

''یہ باتیں جو میں آپ سے کہہ رہی ہوں تھوڑی پیچیدہ ضرور ہیں مگر میرے بچے یہی حقیقت ہے۔ ہو سکتا ہے آج آپ کو یہ سب سمجھ میں نہ آئے پر ان سب باتوں کو ذہن میں رکھنا وقت یہ سبھی الجھی ہوئی پہیلیاں خود بخود تم پر عیاں کر دے گا۔''

''دادو! کیا ایسا نہیں ہو سکتا دادا جان بھی

ہمارے ساتھ رہیں۔'' وہ ساری باتیں ذہن کے کسی گہرے گوشے میں قید کرنے کے بعد ایک بار پھر سوالات کا سلسلہ جوڑنے لگا۔

''بیٹا! دادا جان تو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ آپ کے بے حد پاس آپ کے دل میں آپ نیک اعمال کریں گے تو انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے۔ ایک بات یاد رکھنا بیٹا جس وطن میں تم رہتے ہو اس وطن کے بہت سارے احسانات ہیں ہم پر، خواہ وقت کتنا ہی مشکل امتحان بن کر آن لے، خواہ حالات کیسے ہی مایوس کن ہوں لیکن وطن کا پاس رکھتے ہوئے اس مٹی کا قرض چکانا ہے کیونکہ اس میں تمہارے دادا اور بابا کا خون شامل ہے۔ تمہیں ان کے خون کی لاج رکھنی ہے میرے بچے۔ تم سمجھ رہے ہو ناں؟'' انہوں نے محبت پاش نگاہوں سے پارس کو دیکھا جو نیند کی وادی میں اترنے کو بے قرار تھا اور پھر شفقت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

☆......☆

زندگی کا پہیہ جس رفتار سے گھوما تھا۔ بالکل اسی رفتار سے وقت کے پنچھی نے بھی اڑان بھری تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بیس سال گزر گئے ان بیس سالوں میں بہت کچھ بدلا تھا۔ پر ملکی حالات ہنوز وہیں کے وہیں تھے۔

''السلام علیکم امی جان! اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' ڈاکٹر حیا اپنا اوور آل کرسی کی پشت پر جماتے ہوئے ان کے پاس بیڈ پر آ بیٹھیں۔

''وعلیکم السلام بیٹا! اللہ کا بڑا کرم ہے تم کب لوٹیں پشاور سے۔ بیٹا آنے سے پہلے فون کر دیتیں، میں کم سے کم ڈرائیور ہی بھجوا دیتی۔'' شازیہ بیگم اپنی اکلوتی بہو کو گلے سے لگاتے ہوئے حال احوال پوچھنے لگیں۔

''بس امی جان! میں نے سوچا کیوں ناں آپ سب کو جا کر سرپرائز دیا جائے۔ میں بولی تھی۔ آپ کے کمرے میں آئی تو دیکھا آپ سو رہی ہیں۔ اس لیے بنا بتائے ہیڈ کوارٹر چلی گئی۔ میرے ٹرانسفر آرڈر تو آ گئے ہیں۔ پر ڈاکومنٹس میں کچھ مسئلہ بن رہا تھا۔ بس وہی سلجھا رہی تھی۔ ابھی واپس لوٹی ہوں تو سیدھا اپنی پیاری امی جان کے پاس چلی آئی۔'' وہ ان کے گلے کے گرد بازو حائل کرتی ہوئی شائستگی سے بولیں تھیں۔

26 سال ہونے کو آئے تھے پر ان دونوں خواتین کے بیچ کبھی روایتی ساس بہو والا منظر دیکھنے کو نہیں آیا تھا۔

''یہ میجر صاحب کہاں ہیں امی! نظر نہیں آ رہے۔'' وہ اپنے اردگرد میجر حماد کو تلاشتے ہوئے استفسار سے بولی تھیں۔

''بیٹا! وہ کسی ارجنٹ میٹنگ کے سلسلے میں آج صبح ہی اسلام آباد گیا ہے۔ کہہ رہا تھا کل صبح تک لوٹ آئے گا۔ تم بتاؤ پشاور شہر کے حالات کیسے ہیں؟''

''اماں! پشاور کے حالات اب بھی ویسے ہیں جیسے پچھلے کئی سالوں سے چلے آ رہے ہیں۔ پشاور شہر کے دلیر جوانوں کو داد دینے کو جی چاہتا ہے جو کفن سر پر باندھے ہر خوف دل سے نکال کر ہر مشکل کا سامنا کرنے کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ ہر بار ایک نئے جذبے ایک نئی امنگ کے ساتھ دشمن کے ناپاک عزائم خاک میں ملانے کے لیے مسکراہٹ لبوں پر سجائے میدان میں اتر کھڑے ہوتے ہیں۔ میں ان عظیم ماؤں کا حوصلہ دیکھتی ہوں تو دنگ رہ جاتی ہوں۔ جو آئے روز اپنے جگر کے ٹکڑوں کی قربانی دیتی ہیں۔ دہشت گردوں نے اس پاک سرزمین پر اپنے ناپاک قدم اس قدر مضبوط کر لیے ہیں کہ پاکستانی فورسز ان کے قدم ڈگمگا تو سکتی ہے پر ان کا اس ملک سے

مکمل طور پر صفایا صرف اس صورت میں یقینی بنایا
جا سکتا ہے جب دشمن عناصر کے خلاف فلاح کی
اس جنگ میں، میں آپ اور پوری عوام بنا کسی
تفریق کے ایک ساتھ کھڑی ہو۔" ڈاکٹر حیا اداس
آنکھوں سے باہر لان میں چہچہاتی ہوئی چڑیوں کی
جانب دیکھتی ہوئی بے اختیار بولتی چلی گئیں۔
"ہاں بیٹا! کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو، بسم اللہ رحم
فرمائے، ہمارے حال پر، آمین۔"
"اماں! ہم خود اپنے حالات پر رحم نہیں کریں
گے تو اللہ کیسے ہمارے حال پر رحم فرمائے گا۔ ان
قوموں کے حالات کبھی نہیں سدھرا کرتے جو قومیں
اپنی خود کی اصلاح کرنا نہ جانتی ہوں۔ علم، عقل،
سمجھ بوجھ ہونے کے باوجود بھی جن قوموں کو صحیح
غلط کا امتیاز نہ رہا ہو وہ قومیں بھلا کیسے سرخرو ہو سکتی
ہیں۔ ہم گناہ خود کرتے ہیں اور قصوروار دوسروں کو
ٹھہرا دیتے ہیں۔ اپنے عیب سات سات پردوں
میں چھپا کر رکھتے ہیں اور دوسروں کی ذرا سی کوتاہی
یا غلطی ہم سے برداشت نہیں ہوتی۔ دوسروں
کی ذات پر کیچڑ اچھالنا تو جیسے ہم اپنا اولین فرض
سمجھتے ہیں۔ اماں ہم انسانوں کو عادت ہی ہوتی
ہے کہ ہر خدائی نظام اپنے کنٹرول میں لینے
کی۔ جب وہ ہمارے عیب چھپا سکتا ہے تو ہم کیوں
اپنے بھائیوں کے عیب سرِ بے پردہ کرنے کو ہلکان
ہوتے ہیں۔ جس طرح اچھائی ہمیشہ میں سے شروع
ہوتی جاتی ہے بالکل اسی طرح برائی بھی ہمیشہ میں کی
ذات سے جنم لیتی ہے۔ ہمارے آدھے سے زیادہ
مسائل حل ہو جائیں اگر ہم خود کے گریبان میں
جھانکنا شروع کر دیں۔
اماں میں اخبارات پڑھتی ہوں خبریں سنتی
ہوں تو دنگ رہ جاتی ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آتا اصل
دہشت گرد کون ہیں؟ اپنے اندر جھانک کر دیکھو تو
لگتا ہے ہم سے بڑا ظالم کوئی ہے ہی نہیں۔ کون سی
ایسی برائی ہے جس کا ذائقہ ہم نے نہ چکھا ہو۔
یہاں عزتیں نیلام ہوتی ہیں۔ عصمتوں کی بولی لگائی
جاتی ہے۔ بات بات پر جھوٹ بولا جاتا ہے۔
سرعام کرپشن کی جاتی ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں
کا خون ہم خود کرتے ہیں۔ جائیداد کے تنازعوں پر
تو کبھی رشتوں کے تنازعات پر ماں باپ بہن بھائی
کا قتل تو ہمارے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ خود
مختار ملک ہے پر ظلم کے خلاف آواز اٹھانے والا
کوئی نہیں۔ اسلامی نظام رائج ہے پر اس پر عمل
کرنے والا کوئی نہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی سزا کا
اصل حق دار کون ہے؟ وہ لوگ جو ہم میں سے ہیں
ہی نہیں یا پھر وہ لوگ جو ہم میں سے ہو کر بھی ہمیں
اندر ہی اندر سے کھوکھلا کرنے میں مگن ہیں۔ جب
تک ہم اپنے اردگرد لپٹی بے حسی، خود غرضی، بے
ایمانی اور انا کی چادر کو اتار کر نہیں پھینک دیتے۔
ہمارے حالات بدلنا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی
ہیں۔ چاہے وہ پشاور ہو یا پھر پاکستان کا کوئی بھی
خطہ۔" وہ اب افق کے اس پار ڈوبتے ہوئے
سورج کی آخری کرنوں کو الوداعی نگاہوں سے
دیکھتے ہوئے ہولے ہولے بول رہی تھیں۔ آنسو
ایک تواتر کے ساتھ شاہزیب بیگم کی آنکھوں سے
بہہ رہے تھے۔ بے شک حب الوطنی کے سارے
جذبے اس خاندان پر آکر ختم تھے۔
"بعض دفعہ سچ بہت کڑوا لگنے لگتا ہے۔ بعض
دفعہ ہم حقیقتوں کا سامنا کرنے کے خوف سے
آنکھیں ہی نہیں کھولنا چاہتے، پر امی یہی زندگی
ہے۔ زندگی میں تلخ حقیقتوں کا سامنا نہ کرنا حقائق
سے منہ پھیرے رکھنا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اپنی
غلطیاں جان کر بھی پردہ ڈالے رکھنا زندگی ہمیں
اتنی رعایت قطعاً نہیں دیتی اور حقیقت یہی ہے
پاکستان کو تباہ دکھانے کی اگر 20 فیصد سازشیں
دشمن عناصر کی ہیں تو 80 فیصد اپنی بربادی کے ذمہ

وار ہم خود ہیں۔'' وہ سانس لینے کو رکی تھیں۔

''بداعمالی بھی کیے جائیں اور پھر کفارا بھی ادا نہ کیا جائے اس بات کی اجازت تو دنیا کا کوئی قانون، کوئی مذہب نہیں دیتا۔ امی! پھر آپ ہی تو کہتی ہیں پاکستان کا مطلب ہے پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ۔ اس ملک کی بنیاد کلمہ طیبہ پر قائم ہے اور ہم لوگ اس ملک کی جڑوں کو چوری، رشوت، ناحق قتل، کرپشن، جھوٹ اور ایسے کئی ناپسندیدہ اعمال سے کھوکھلا کر رہے ہیں جبکہ یہ ملک صرف اور صرف پاک لوگوں کے لیے بنا ہے۔ جب تک ہم لوگ گناہ پر گناہ کرتے رہیں گے یہ ملک ایسے ہی ایک کے بعد ایک بڑے عذاب میں گرتا چلا جائے گا۔ جس دن ہم لوگوں نے توبہ کر لی خود کو پاک کر لیا اسی دن ہماری ساری آزمائشیں ختم ہو جائیں گی۔ اس دن پاکستان ایک بار پھر طاقت ور اسلامی ملک کے طور پر دنیا کے نقشے پر نمودار ہوگا۔'' میجر ہماوی کی گھمبیر آواز کمرے میں چھائی خاموشی کو توڑ رہی تھی۔

وہ کب وہاں آ نکلے تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا مگر ان کی باتوں نے یہ واضح کر دیا تھا کہ ہر عمل کا مکافات عمل ضرور ہوتا ہے۔

''آپ..... آپ کب لوٹے امی تو کہہ رہی تھیں آپ کل واپس آئیں گے۔ پھر یوں اچانک سب خیر یت تو ہے نا؟'' وہ سوچ کے گہرے سمندر سے آزاد ہوتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کر بیٹھیں۔

''ارے بیگم صاحبہ! حوصلہ رکھیں ہم ادھر ہی ہیں کہیں بھاگے تھوڑی جا رہے ہیں، یہ سب باتیں تو بعد میں ہوتی رہیں گی۔ فی الحال میرے پاس آپ دونوں کے لیے دو بریکنگ نیوز ہیں یا پھر یوں کہہ لیں نیوز الرٹ سو اس خبر کو اپنی سماعتوں کی نذر کرنے سے پہلے اپنی اپنی پوزیشن پر اچھی طرح الرٹ ہو جائیں کیوں کہ کل صبح ہمارے صاحب زادے اپنی ڈگری مکمل کر کے وطن واپس لوٹ رہے ہیں۔'' میجر صاحب دونوں خواتین کی اندرونی کیفیت کو انجوائے کرتے ہوئے رک رک کر تفصیل بتانے لگے۔

''یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کتنے بجے کی فلائٹ ہے میرے بچے کی۔'' دونوں خواتین کے منہ سے بیک وقت نکلا تھا۔

''ارے بھئی اتنی جلدی کا ہے کو ہے تھوڑا صبر کر کے دوسری نیوز تو سن لیں اور دوسری بریکنگ نیوز..... میرا مطلب ہے نیوز الرٹ یہ ہے۔'' میجر صاحب جلد ہی اپنے الفاظ کی تردید کرتے ہوئے بولے۔

''ابھی ابھی ہمارے صاحب زادے نے ہی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اس شاندار تعلیمی سفر کے دوران اپنے لیے ایک من موہنی سی شریک حیات اور ہمارے لیے ایک چاند سی بہو کا بھی بندوبست کر لیا ہے۔'' وہ آہستہ آہستہ انہیں اپنے اور بادل کے درمیان ہونے والی گفتگو بتانے لگے۔

''کیا کہا آپ نے ہم سے مشورہ لیے بغیر کیسے بندوبست ہو گیا ہماری بہو کا۔ جانے کون ہو گی۔ کیسی ہو گی؟'' ایک ساتھ کئی خدشے ان دونوں کے ذہن میں ایک ساتھ ابھرنے لگے۔

''ارے بیگم! تم فکر کیوں کرتی ہو۔ ماشاء اللہ چاند کا ٹکڑا ہے ہماری بہو، ترکی کی کسی انٹلی جنس ایجنسی کے لیے کام کر رہی ہے۔ خاصی سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ دونوں دو سال سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہے دونوں میں۔ آپ لوگ اس معاملے کو خدا پر چھوڑ دیں۔ انشاء اللہ جو ہوگا ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔'' میجر صاحب سینے پر بازو باندھے ان دونوں خواتین کو اپنی ہونے والی بہو کے بارے

میں بریف کرنے لگے۔

''بھئی بڑے چھپے رستم نکلے تم دونوں باپ بیٹا، خود ساری پلاننگ کرلی اور ہمیں کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی۔ آنے دو ہمارے پوتے کو کان کھینچ کر خوب خبر لیں گے۔'' شائزے بیگم نے اس تمام گفتگو میں پہلی بار حصہ لیا تھا۔

''ارے بھئی یہ کن باتوں میں الجھا دیا۔ آپ لوگوں نے جاہ پناہ ذرا فرصت نکال کر ایک ونگ سی چائے تو بنا دیں۔'' وہ محبت پاش نگاہوں سے اپنی عزیز از جان بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے بولے تھے۔

''جی جی ابھی لاتی ہوں۔'' ڈاکٹر حیا نئی نویلی دلہن کی مانند بلش کرتی ہوئیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

شام کی چائے ان تینوں نے ایک ساتھ پی اور پھر رات گئے تک وہ لان میں بیٹھے پارس حیدر کی ذات سے جڑے مختلف موضوع کو ڈسکس کرتے رہے۔ پارس کا بچپن، اس کا لڑکپن، جوانی، بار ایسنڈنگ اور پھر آخر میں اپنے اکلوتے لخت جگر کی شادی کے حوالے سے کچھ سنہری خواب اس رات انہوں نے پارس حیدر کی ذات سے جڑے ماضی، حال اور مستقبل کو اچھی طرح ڈسکس کیا تھا۔

☆......☆

''السلام علیکم امی جان، صبح بخیر۔'' وہ ناشتے کی پلیٹ سائیڈ ٹیبل پر سجاتے ہوئے خلوص سے بولی تھیں۔

''وعلیکم السلام بیٹا! جیتی رہو۔'' شائزے بیگم آیت الکرسی پڑھ کر ڈاکٹر حیا پر پھونکنے لگیں۔

''شکریہ امی جان! دوپہر دو بجے کی لینڈنگ ہے پارس کی حماد اور آپ اسے ریسیو کرنے ایئرپورٹ چلے جایئے گا۔'' وہ چائے بناتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! پر تمہیں بھی جانا چاہیے۔ آخر اتنے سالوں کے بعد آرہا ہے پارس وطن واپس۔''

''اماں! چاہتی تو میں بھی یہی تھی اپنے بیٹے کو ریسیو کرنے میں خود جاؤں پر ڈیوٹی کو بھی تو نہیں چھوڑا جا سکتا نا، وہاں اسپتال میں سینکڑوں مریض میری راہ تک رہے ہوں گے۔ کل صبح کی فلائٹ سے مجھے پشاور جانا ہے۔ وہاں اے پی ایس میں کوئی گیٹ ٹو گیدر ہے بچوں کا اور مجھے چیف گیسٹ کے طور پر انوائیٹ کیا گیا ہے۔ آپ تو جانتی ہیں وہاں کی پرنسپل میری بہت اچھی دوست ہیں وہ بار بار اصرار کر رہی تھیں تو میں منع نہیں کر پائی میں نے کھانے کے سارے انتظامات مکمل کر دیئے ہیں۔ شیف کو بھی آرڈر دے دیا ہے۔ پارس کی فیورٹ ڈشز کا بس آپ وقتاً فوقتاً چیک کرتی رہیے گا۔'' وہ آخری بریڈ پر مکھن لگاتے ہوئے اماں کو اپنی روٹین کے بارے میں سمجھانے لگیں۔

''او کے امی! مجھے دیر ہو رہی ہے میں نکلتی ہوں۔ آپ سب انتظامات ایک بار چیک ضرور کر لیجئے گا۔''

''ٹھیک ہے بیٹا! امان اللہ خیر سے جاؤ۔''

وہ اپنا اوور آل اور ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے دروازے تک آئیں پھر اچانک کچھ یاد آنے پر واپس مڑیں۔

''اماں!'' وہ بوجھل دل سے بولی تھیں۔

''پتا نہیں مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے شاید آج کے بعد میں یہاں واپس نہ آپاؤں، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی اور ہی منزل میرا انتظار کر رہی ہے جیسے کوئی صدیوں کا خواب پورا ہونے کو ہے۔ نہ لوٹ پائی تو میرے بیٹے سے کہیے گا اس کی ماں اسے ساری دنیا سے زیادہ چاہتی ہے۔ اللہ حافظ۔'' وہ آنکھوں میں آئی نمی کو انگلیوں سے

ردوں میں جذب کرتی باہر نکل گئیں۔
پارس بچپن ہی سے ایڈوڈ رہا تھا۔ خصوصی طور لندن۔ وہ واحد شہر تھا جو اسے کافی حد تک ریکٹ کرتا تھا۔ اپنی نیچر کو جانتے ہوئے اس نے نیورسٹی آف لندن میں ایڈمیشن کے لیے اپلائی ردیا۔ اسے اپنی ڈگری مکمل کرنے میں پانچ ال لگے تھے۔ ان پانچ سالوں میں وہ یورپین ول کا اس قدر عادی ہو چکا تھا کہ واپسی کا خیال تے ہی کئی خدشے ایک ساتھ اس کے ذہن ودل دستک دینے لگتے تھے۔ کلاس کے بعد اس کی ین شامیں لندن کی گلیوں، کلبز اور ریسٹورنٹس ں انجوائے کرتے گزرتی تھیں۔ وہ اپنے ویک ڈز اکثر پیرس تھائی لینڈ اور اسپین میں گزارا کرتا ۔ پھر سب سے بڑھ کر اس کی متاع حیات مانہ جس کے ساتھ اس کی جذباتی انوالومنٹ پچھلے چند سالوں سے اس قدر تھی کہ الگ ہونے کا ل ہی سوہان روح لگنے لگا تھا۔ اوپر سے دہشت دی کے نت نئے واقعات ٹی وی پر دکھا کر میڈیا ے رہی سہی کسر بھی پوری کردی تھی۔ وہ بیزار نہیں ر وطن واپس جانے پر خود کو کمفرٹ ایبل محسوس ں کر رہا تھا۔ آخر ضبط کے گھونٹ حلق میں اتار کر ں پر ایک ساتھ کئی پتھر رکھتے ہوئے اس نے مانہ سے جلد واپس آنے کا وعدہ کیا اور ستان لوٹ آیا۔ وطن واپسی پر جو پہلی ہولناک اس نے سنی تھی وہ اے پی ایس میں دہشت دوں کا جارحانہ حملہ۔ جسے سننے کے بعد ایک کے لیے اسے اپنے حواس کھوتے اور اپنا دماغ ہوتا محسوس ہوا۔

''آج کی دوسری افسوسناک خبر جو ابھی ابھی ں ہمارے نمائندے سے موصول ہوئی ہے، ، پی ایس اسکول کی پرنسپل اور میٹرک کی اعی پارٹی میں مدعو مہمان خصوصی ڈاکٹر حیا حماد بھی دہشت گردوں کے اس جارحانہ حملے کا نشانہ بن گئیں۔ یہاں ہم آپ کو ڈاکٹر حیا کے بارے میں بریف کرتے چلیں ڈاکٹر حیا پچھلے بیس برس سے سی ایم ایچ میں اپنی خدمات سرانجام دے رہی تھیں۔ ڈاکٹر حیا کے شاندار ملٹری ریکارڈ اور بیس سالہ سماجی خدمات کو سراہتے ہوئے حکومت پاکستان نے انہیں ملٹری ایوارڈ سے نوازنے کا فیصلہ کیا ہے۔'' ڈاکٹر حیا کی شہادت کی خبر وہ آخری خبر تھی جو اس نے اپنے بند ہوتے دماغ کے ساتھ سنی تھی۔

''تمہاری ماں کہہ گئی تھی اور وہ تمہیں ساری دنیا سے زیادہ چاہتی ہے۔'' اسے اپنے کان کے قریب دادو کی سرگوشی سنائی دی۔

دھواں دھواں آنکھوں کے سامنے ایک بار ماں کا دھندلا سا عکس ٹی وی اسکرین پر نمودار ہوا اور پھر شدید کرب کے عالم میں اس نے نگاہیں موندھ لیں۔ وہ اپنے ہوش وحواس کھو چکا تھا۔

☆......☆

گھاؤ کتنے ہی گہرے کیوں نہ ہوں سکون آ ہی جاتا ہے۔ انسانی فطرت ہے۔ اپنے اپنوں سے بچھڑنے کا احساس ایک مدت تک ستاتا ہے لیکن جلد یا بدیر یہ احساسات سمے کی گرد تلے آکر دبنے لگتے ہیں۔ وقت سکھانے پر آئے تو اس سے بڑا استاد کوئی نہیں ایسا گھاؤ لگاتا ہے کہ بڑوں بڑوں کی عقل ٹھکانے آجاتی ہے۔ وقت سمجھنے پر آئے تو اس سے بڑا مسیحا بھی کوئی نہیں ایسا مرہم رکھتا ہے کہ بڑے سے بڑا گھاؤ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مندمل ہونے لگتا ہے۔ اسے سنبھلنے اور نروس بریک ڈاؤن سے باہر نکلنے میں تقریباً تین مہینے لگے تھے۔ ہوش میں آتے ہی جو پہلا فیصلہ اس نے کیا تھا وہ تھا لندن واپسی کا۔

''بابا میں اس ماحول میں نہیں رہ سکتا۔ جہاں

میری زندگی کی کوئی سیکورٹی نہ ہو۔" اس نے جھجکتے ہوئے ایکسکیوز پیش کیا تھا۔

"لندن آپ کو جینے کی کیا سیکورٹی دیتا ہے؟ بیٹے زندگی تو اللہ کی امانت ہے جب چاہے جیسے چاہے واپس لے لے۔ آخر ایک نہ ایک دن سبھی کو اسی کے پاس تو لوٹ کر جانا ہے۔ پھر کیوں نہ جانے سے پہلے زندگی کا کوئی مقصد بنا لیا جائے۔ کوئی ایسا کام کر لیا جائے جس سے [illegible] تک یاد رکھا جائے۔" حماد نرم لہجے میں بولے تھے۔

"بابا! ایسی بات نہیں [illegible] ڈر کر نہیں بھاگ رہا۔ انگلینڈ میں اپنی [illegible] کرنا چاہتا ہوں۔ وہاں پاکستان کی نسبت زیادہ مواقع ہیں خود کو منوانے کے۔" دوسرا ایکسکیوز پیش کیا گیا۔

"لندن ہم پاکستانیوں کے ٹیلنٹ کا محتاج نہیں ہے۔ وہاں کا بچہ بچہ قرض میں نہیں ڈوبا ہوا۔ وہاں غربت، پسماندگی، بے روزگاری، بلائے بے درماں کی مانند ڈیرے جمائے نہیں بیٹھی ہے۔ لندن سے کہیں زیادہ تمہارے جوان حوصلوں کی، تمہارے علم کی ضرورت پاکستان کو ہے۔ پاکستان کو تمہارا لاغر بڑھاپا نہیں چاہیے۔ بیٹا میرا باپ اور بھائی اس ملک کی خاطر قربان ہو گئے تھے۔

تمہاری ماں اپنا فرض نبھاتے نبھاتے شہید ہو گئیں۔ تمہارے باپ نے اپنی پوری زندگی اس قوم کی حفاظت کے لیے وقف کر دی۔ تمہاری رگوں میں میجر حماد اور ڈاکٹر حیا کا خون شامل ہے۔ ہم نے تمہیں اس وطن کے لیے پڑھایا لکھایا ہے کہ تم اپنے علم کی کرنیں بکھیر کر میرے وطن کا نام روشن کر سکو۔ تم ایڈوڈ رہو یا پاکستان میری ایک بات ذہن نشین کر لو تمہارا جینا مرنا صرف تمہارے وطن کے لیے ہونا چاہیے۔ یہی تمہاری آن بان اور شان ہے میرے بچے۔ وطن کی مٹی تم سے وفا مانگتی ہے اس کی بنیادوں میں اپنا سفید خون مت پڑنے دینا۔ ہمیشہ ہمت، استقامت اور حوصلے کا دامن تھام کر رکھنا۔ سچائی سے رخ مت پھیرنا۔ میرا وطن پاکستان اللہ کی خاص نعمت ہے۔ اس نعمت کی قدر کرنا اسے کبھی ٹھکرانا مت۔ تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو ہم میں سے کوئی بھی تمہارا راستہ نہیں روکے گا۔" میجر حماد نڈھال سے ہو کر صوفے پہ بیٹھ گئے۔ شاید وہ اپنے اکلوتے لخت جگر سے اس قدر بزدلانہ توقع نہیں رکھتے تھے۔

☆

"تمہیں اس طرح یوں اپنی [illegible] چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔" کشمالہ اس کے [illegible] پریشان کن کری تھی۔

وہ دونوں اس وقت یونیورسٹی کینٹین میں بیٹھے تھے۔ لندن واپسی پہ یہ ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔

"او کم آن کشمالہ! تمہیں کس نے کہا میں اپنا ملک چھوڑ کر آیا ہوں میں یہاں صرف اور صرف تمہارے لیے آیا ہوں۔ تمہیں اپنا بنانے کے لیے۔ اپنے اور تمہارے سیکور فیوچر کے لیے۔" اس کا نازک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر اعتماد سے بولا تھا۔

"تمہاری ضرورت مجھ سے کہیں زیادہ تمہارے ملک کو تھی۔ تمہیں اپنے فرائض نبھانے کے لیے واپس جانا چاہیے۔ تم اس خاندان کے چراغ ہو جس خاندان کے ہر فرد کی رگوں میں حب الوطنی لہو بن کر دوڑتی ہے۔ جو اپنی زندگیاں بنا کوئی شکوہ کیے اپنے ملک کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ تمہارے خاندان کی بہادری وہ واحد خوبی ہے جو مجھے تمہارے قریب آنے پہ مجبور کرتی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، میجر حماد کا بیٹا اس قدر بزدل ہوگا۔ جانے کیوں مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا۔"

...بغیر ہوتی آنکھوں سے سامنے دیکھتے ہوئے
...لہجے میں بول رہی تھی۔

"جانتے ہو جنگ میں، میں نے اپنا ماں
باپ، بہن بھائی سب کھو دیا۔ جینے کا کوئی جواز تو
نہیں بچا تھا پر مجھے جینا پڑا۔ اپنے ملک کے لیے
...یا تھا۔ اپنے ملک کے لوگوں کی امید جوڑنے
...نے کے لیے کچھ ایسا کروں کی جو صدیوں تک
یاد رکھا جائے گا۔ پھر تم مل گئے مجھے لگا میرے
ادھورے خوابوں کو اب منزل مل جائے گی۔ پر
پارس..... میں تم سے اس قدر خود غرضی کی توقع نہیں
رکھتی تھی۔" وہ گالوں پر آئے آنسو ہتھیلی کی پشت پر
سمیٹتے ہوئے نم لہجے میں بولی تھی۔

"تاریخی اوراق پلٹ کر دیکھو گے تو جان جاؤ
گے کہ جس طرح ہر ملک کے دور حیات میں کوئی نہ کوئی
ایسا دور ضرور آتا ہے جو آگے چل کر اس ملک کی
پہچان بن جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہر ملک کے
دور حیات میں ایسے کڑے مراحل بھی آتے رہتے
ہیں، جب ملک کی منزل طوفان کے سہارا و بے مددگار
تباہی کے دہانے پر آ کھڑا ہوتا ہے۔ ایسے میں
ضرورت اس کی ہے کہ حالات کا سامنا کیا جائے، ملکی
سکون کے فروغ کی بحالی کے لیے جدوجہد کی
جائے، ملک سے ہی دربدر ہو جانا، اسے تنہا چھوڑ
دینا، اس مٹی سے دغا کرنا جس نے ہمیں آزاد
فضا ... نہیں، سراسر بزدلی کے سوا اور کچھ بھی
نہیں ہے۔ ایک بات میری ہمیشہ یاد رکھنا شکست
کے بغیر ترقی کا تصور کرنا ناممکن ہے۔ غزہ پر
اسرائیلیوں نے اتنے ستم ڈھائے، کیا کچھ کم ظلم نہیں
جھیل رہا، پر ان میں سے کسی نے اپنی مٹی کا ساتھ
نہیں چھوڑا۔" وہ بنا کسی توقف کے بولتی چلی گئی۔

"بس کہہ دیا جو کہنا تھا اب اجازت ہو تو میں
کچھ کہوں؟" وہ اجازت طلب کرتا ہوا تھوڑا
جذباتی ہوا تھا۔

"میں ملک چھوڑ کر نہیں بھاگا ہوں۔ میں
پاکستان چھوڑ ہی نہیں سکتا دادو اور پاپا کے الفاظ
دن رات میرے کانوں میں بازگشت کرتے سنائی
دیتے ہیں۔ ماما اور دادا جان کی قربانی ہر وقت
میری آنکھوں کے سامنے گھومتی ہے۔ میں ایسا
کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا جس سے میرے بابا کے
اعتبار کو ٹھیس پہنچے جس سے میری وارد ہرٹ ہوں،
میں آرمی میں اپلائی کر چکا ہوں۔ یہاں صرف
تمہیں اپنانے آیا تھا۔ جوائننگ لیٹر آتے ہی ہم
دونوں پاکستان چلے جائیں گے۔ یہ ایک سرپرائز
تھا تم سب کے لیے اسی لیے میں اسے سیکرٹ رکھنا
چاہتا تھا۔ تم جانتی ہو جس دن بابا کو خبر ہوگی میں
آرمی جوائن کر چکا ہوں، اس دن ان کے سارے
شکوے، سارے ملال ختم ہو جائیں گے۔ میرے
لیے ان کا سر فخر سے بلند ہو جائے گا۔ مجھے اس
وقت کا انتظار رہے گا جب قسمت مجھے میرے وطن
کی سلامتی کے لیے کچھ خاص کرنے کا کوئی سنہری
موقع دے گی۔" وہ ایک کے بعد ایک انکشاف
کر رہا تھا اور کشمانہ اپنی کہی گئی باتوں پر نادم کھڑی
تھی۔ یہ حقیقت تھی اس نے پارس کو سمجھنے میں واقعی
بہت غلطی کی تھی۔

☆......☆

بالآخر ایک ہفتہ مزید لندن گزارنے کے بعد
پارس حیدر کشمانہ کے سنگ پاکستان واپس لوٹ
آیا۔ اس کا جوائننگ لیٹر آ چکا تھا۔ نئی نویلی چاندی
بہو پا کر شازیہ بیگم کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک
رہے تھے۔ وہ اپنی بہو کے لاڈ اٹھاتے نہ تھکتی
تھیں۔ سب ہی خوشیوں کا خیر مقدم کرنے میں مگن
تھے کہ اسی افراتفری میں پارس کا کال لیٹر بھی
آ گیا۔ اسے آپریشن ضرب عضب کے سلسلے میں
آرمی میں ... کیا گیا تھا۔ میجر حماد ایسا شاندار سرپرائز
ملنے پر پھولے نہیں سما رہے تھے۔

"جاؤ میرے بچے! اللہ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے، آمین۔" میجر صاحب نے فخر سے پارس کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔ کشمانہ اور دادو نے آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کر کے مسکراتے ہوئے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ پارس کو رخصت کیا اور اللہ نے ان کی دعا کو رد نہیں کیا تھا۔ قسمت اس پر جلد مہربان ہوئی تھی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ٹھہرا تھا۔

☆

وہ تھر پارکر کے وسیع و عریض صحرا میں سیاہ لباس پہنے رات کی سیاہی میں گم بیٹھا تھا۔ وہ اس صحرا کے دامن میں ہاتھ پھیلائے بیٹھی داماں بیٹھا تھا۔ اچانک اس سے کچھ فاصلے پر سیاہ دھبہ نمودار ہوا اور پاس آتے آتے ایک سیاہ بھنور کی شکل اختیار کر گیا۔ پارس کا تھرتھر کانپتا وجود مکمل طور پر اس سیاہ حلقے کی لپیٹ میں تھا۔ پھر معجزہ ہوا تھا اس سیاہ حلقے کے بیچ و بیچ ایک روشنی کی لکیر پھوٹی تھی۔ روشنی کی وہ معمولی سی کرن اس سیاہ بگولے کو اپنے اندر جذب کرتی گئی۔ کالے دھوئیں کی جگہ سفید بادلوں نے لے لی تھی اور پھر جب یہ دھند چھٹی تو سامنے کا دلفریب منظر آنکھیں چندھیا دینے کے لیے کافی تھا۔ یہ وہی منظر تھا جو وہ کئی بار اپنے خواب میں دیکھ چکی تھیں۔ وہی کشادہ خوب صورت باغ تھا۔ رنگا رنگ پھولوں کے وسط میں دو سفید بے حد دلکش پھول جنہیں وہ اکثر خواب میں دیکھا کرتی تھیں۔ ان کھلتے سفید پھولوں کی تعداد اب دو سے بڑھ کر چار ہو چکی تھی۔ ان پھولوں کے وسط میں پہلے اس نے اپنے اکلوتے پوتے پارس کا عکس نمودار ہوتے دیکھا۔ پھر اپنے بیٹے حمزہ کا جو والہانہ انداز سے پارس کو تک رہا تھا اور پھر اپنی بہو ڈاکٹر حیا کا جو کب کی بانہیں پھیلائے اپنے بیٹے کی راہ تک رہی تھیں۔ آخری عکس جو اس سبزے کے وسط میں ابھرا تھا وہ تھا ان کے مجازی خدا موسیٰ کا عکس جو پارس کو گلے سے لگائے دارفتگی سے اس کا ماتھا چوم رہے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ منظر ایک بار پھر سفید بادلوں کی اوٹ میں دھندلا پڑتا چلا گیا۔

شانزے نے بڑبڑاتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

"گڈ مارننگ گرینی! Happy Independence day"

دادو کو اٹھا دیکھ کر ننھا فیض ہاتھوں میں سبز ہلالی پرچم تھامے دوڑتا ہوا ان کے سینے سے آ لگا۔

"ننھے بیٹا! کتنی بار کہوں آپ کو اچھے بچے صبح سویرے اٹھ کر گڈ مارننگ کی جگہ السلام علیکم کہتے ہیں یہی ہماری تہذیب ہے میرے بچے۔" شانزے بیگم ننھے کا ماتھا چومتے ہوئے اسے ایک بار پھر سمجھانے لگیں۔

"ننھا بالکل ٹھیک کہتا ہے آپ نے دادو کی بات نہ مانی تو آپ کے سارے کھلونے اٹھا کر لال پری کو دے دوں گی؟" کشمانہ بیگم چہرے پر مصنوعی غصہ سجائے نرمی سے بول رہی تھی۔ ننھا فیض دادو کی گود میں مزید سمٹ کر بیٹھ گیا۔

"کیوں بھئی ننھے میاں بلائیں پھر لال پری کو۔" میجر صاحب ہنستے ہوئے پوچھنے لگے۔

"نہیں دادا جان! پلیز پری کو نہ بلائیں آئی پرامس میں روز صبح سب کو السلام علیکم کہوں گا اور کھانا بھی ٹائم پر کھاؤں گا۔ ماما کو تنگ بھی نہیں کروں گا۔" ننھے فیض کی معصومیت پر سب کھل کر ہنس دیے اور خدا کے حضور اپنے ملک کی سلامتی کے لیے دعا گو بھی تھے۔ پارس بھی اپنی ماں، تایا اور دادا کی طرح شہادت کا درجہ پا کر ان کی زندگی سے دور مگر ابدی زندگی پا چکا تھا۔

......☆......

راجکماری ستارہ خان

افسانہ

اور رات ٹھہر سی گئی

سورج کے سرخ شعلے نے چرند پرند اور انسانوں کو خود سے بے زار کر رکھا تھا۔ سوہنی دل گرفتہ سی شکستہ قدموں سے ارد گرد سے بے نیاز چلتی جا رہی تھی۔ آج تو اس کو ارد گرد لہراتے کھیت بھی اپنی طرف متوجہ نہیں کر رہے تھے۔ سوہنی نے دھیرے سے لکڑی کے بڑے سے دروازے کو کھولا جو تیز چرچراہٹ کی آواز سے کھلا اور دور تک خاموشی میں ارتعاش برپا ہو گیا۔ دادا نے اس کی اتری صورت دیکھی اور باورچی خانے کی جانب مڑ گئی۔ سوہنی نے نلکا چلا کر ٹھنڈے پانی سے منہ دھویا اور بابا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"سلام بابا جان۔"

"وعلیکم السلام۔" کیپٹن نیازی نے اپنی لاڈلی بیٹی کی اتری صورت دیکھی۔ صبح تو وہ بہت ہشاش بشاش چہکتی ہوئی گئی تھی مگر اب۔ کیپٹن نیازی نے بک اور چشمہ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور سوہنی کو قریب آنے کا کہا۔

"کیا ہوا بابا کی جان کو۔"

"بابا!" سوہنی بھیگی آواز میں بولی۔

"میں تھک گئی ہوں۔"

"اوں ہوں مایوس نہیں ہوتے، مایوسی کفر ہے سوہنی۔" کیپٹن نیازی نے پیار سے سوہنی کے ریشمی بالوں میں انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

"بابا! میں نے آپ کو بتایا تھا ناں درخشاں خان کے بارے میں۔ وہ بہت اچھی کالم نگار ہے۔ میں نے چودہ اگست کے لیے کراچی میں منعقد ہونے والے کالم نگار بیسٹ ایوارڈ میں شرکت کے لیے فارم فل کروایا تھا۔ ایڈیٹوریل کالم نگار کا بیسٹ ایوارڈ درخشاں خان کو ہی ملا ہے۔ مگر اس کے بابا اس کو میرے ساتھ نہیں جانے دے رہے۔ میں اس کی استاد ہوں میں نے اس کے والدین سے بھی کہا تھا ملنے کا کہا تھا کہ وہ بھی اپنی بیٹی کی عزت، شہرت دیکھیں کہ کتنے لوگ احترام کرتے ہیں اس کے لفظوں کی قدر کرتے ہیں اس چھوٹے سے گاؤں میں رہنے والی لڑکی جس کے دل میں حب الوطنی کا جذبہ کس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ کیوں بابا کیوں یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک مرد کی تعلیم صرف اس کی ہوتی ہے اور ایک عورت کی تعلیم پورے خاندان کی۔ بابا اس کا ٹیلنٹ مر جائے گا۔ وہ خود مار ڈالے گی اپنے اندر کے اس جذبے کو۔" اس کی آنکھوں میں کتنی شکایتیں شکوے تھے۔ کتنے سوال تھے کیوں میں نے خواب دیکھے۔ کیوں میں نے اڑان بھرنا سیکھا؟ کیوں میں نے یہ خواہش جگائی کہ میں بھی آزاد پرندے کی طرح کھلے آسمان میں پرواز کروں گی۔ کیوں؟

"بس میری بچی بس۔"

"وہ اب بھی اسکول نہیں آئے گی۔ اس کے والدین کہتے ہیں میں نے اس کے اندر بغاوت بھر دی ہے کیا بابا آپ کی سوہنی ایسی ہے؟" سوہنی نے اپنی بھیگی کالی آنکھیں اٹھا کر ان سے سوال کیا۔

"نہیں، میری سوہنی بہادر ہے اور بہادر لوگ رویا نہیں کرتے۔ مایوس نہیں ہوتے۔" کیپٹن نیازی نے سوہنی کی روشن خندہ پیشانی پر اپنے کپکپاتے لب رکھ دیے۔ وہ خود ایک حادثے میں اپنی دونوں ٹانگیں گنوا بیٹھے تھے۔ انہیں رب سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ انہوں نے نوکری کو خیرباد کہا اور اپنے آبائی گاؤں چلے آئے۔ اپنی برسوں سے ویران پڑی زمینوں پر ایک اسکول تعمیر کروایا اور اپنے آبائی گھر میں رہنے لگے۔ بیوی تو ایک بیٹی کو جنم دے کر گزر گئی تھی۔ دوبارہ انہوں نے شادی نہیں کی۔ ماں باپ تھے نہیں جو زور زبردستی کرتے۔ خاندان برسوں سے چھوٹ گیا تھا۔ نوکری بھی ایسی تھی کبھی اس شہر تو کبھی اس شہر۔ ان کی طرح ان کی بیٹی سوہنیا نیازی میں بھی جذبہ حب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ بھی شہر کی پرہنگامہ زندگی چھوڑ کر خوش تھی۔ یہاں بجلی نہیں تھی، گیس نہیں تھا مگر وطن کی خدمت کرنے کے بہت سے مواقع تھے۔ اس نے ایم اے انگلش فرسٹ ڈویژن میں کیا تھا۔ اسے با آسانی اچھی سی جاب مل گئی تھی۔ کیپٹن نیازی تو سوہنیا کی شادی کرنا چاہتے تھے مگر سوہنیا ان کے ساتھ ہی وقت گزارنا چاہتی تھی۔ انہوں نے بھی زیادہ

زور نہیں دیا۔ لیکن روشن جانب میں انہوں نے بھی کھل کر
ٹائم نہیں دیا تھا اپنی بیٹی کو اور سونیا کی تربیت ان کی خاندانی
ملازمہ بوا جی نے کی اور سونی کی تربیت میں کوئی کسر نہ
رکھی۔ اس لیے آج بھی وہ بوا جی ان کے ساتھ تھیں۔
کیپٹن نیازی اور سونی بے حد ان کا احترام کرتے سونی
نے گھر گھر جا کر بچوں کے والدین کو تعلیم کی افادیت کا
بتایا۔ لڑکوں کے لیے تو سب خوشی خوشی راضی ہو گئے مگر
لڑکیوں کے لیے سونی کو جدوجہد کرنی پڑی۔ جس میں وہ
بہت حد تک کامیاب ہوئی۔ اس کی ساتھی [illegible] کی طالبہ
نفیس توقیر نے صوبے میں تھرڈ ڈویژن لی تھی۔ وہ خشتالی
کو کالم نگاری پر کئی ایوارڈ اور رائٹر ایڈیٹر کی جانب سے
تعریفی خطوط واسناد وغیرہ مل چکے تھے۔ ارد گرد کے گاؤں
سے بھی بچے آنے لگے تھے مگر پاس کی چٹائی کٹائی کے
موسم پر کئی لڑکیوں کی تعلیم کا خواب چکنا چور ہو جاتا ان کی
ذہانت چولہے میں جھونک دی جاتی۔ ان کی آزادی چھین
لی جاتی، ان کے ننھے ننھے پر زبان کی تلوار سے چھلنی
کر دیے جاتے۔ ان کی روشن آنکھیں ویران ہو جاتیں۔
مسکراتے لب سست جاتے۔ کیپٹن نیازی نے روتی ہوئی
سونیا کا سر اپنے چوڑے سینے پر سے اٹھایا اس کی آنکھوں
میں شکوہ تھا۔ کیپٹن نیازی بھی سوچ میں پڑ گئے یہ سوال
لمحہ فکریہ تھا کہ وہ وقت کب آئے گا جب عوام اطمینان
سے تعلیم حاصل کریں گے۔ بے روزگاری کا خاتمہ ہو
جائے گا، ڈاکٹروں کا قبلہ درست ہو جائے، دواؤں سے
ایک نمبر اور دو نمبر کا شمار ختم ہو جائے، ماؤں کی گود ویران نہ
ہونے پائے۔ شہر گاؤں کی گلیاں بے خوف وخطر بارونق
رہیں۔ دہشت گردی، خوف وہراس کا خاتمہ ہو جائے، کیا
کبھی ایسا وقت بھی آئے گا۔ کوئی آنے والی نسل کو بھی
ماضی کے کچھ خوشگوار واقعات بھی سنائے گا؟ کیا کسی
سنہرے دور کا ذکر بھی ہوگا؟“ کیپٹن نیازی نے اپنی سوچ
کو جھٹک دیا۔ وہ کیا مایوس کن باتیں سوچ رہے تھے۔
”بیٹا! ایک پودے کو پانی نہ ملے تو کیا وہ شجر سوکھ
جاتا ہے؟ نہیں ناں تو پھر کیوں مایوس ہوتی ہو۔ انشاء
اللہ ہمارے وطن میں ایسا وقت بھی آئے گا۔ جب ہر
شخص تعلیم یافتہ ہوگا اور خود اپنی آزادی اپنے حق کے
لیے لڑے گا۔ ہاں! ایسا وقت بھی آئے گا جب ہر زبان
پر ہوگا کہ پاکستان امن کا گہوارہ ہے، خدا پاکستان پر
حکومت کرنے والوں کے دلوں میں جذبہ حب الوطنی
جگا دے گا۔ وہ چراغ روشن ہوں گے پاکستان کے ہر
گھر میں جو تاقیامت اس وطن کو سلامت اور امن کا
گہوارہ بنا کر رکھیں گے۔ بس خدا سے دعا ہے خدا ہر ایک
کو تم جیسی بیٹی اور سوچ دے۔ پھر ہوائیں گواہ رہیں گی
۔ اس بات کی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جاؤ بوا کو کہو کر
کھانا لائیں۔ بہت زور کی بھوک لگی ہے۔“

سونی دھیرے سے مسکرائی۔

وہ کھانے کے بعد گرین ٹی پی رہے تھے۔

”بابا جان۔“ سونی نے پیار سے پکارا۔

”جی بابا کی جان؟“

”بابا جان! آپ مجھے پھر وہ نظم سنی ہے آپ سے اور
سب ٹھیک ہو جائے۔“

”ہوں۔“ کیپٹن نیازی نے چائے کی چسکی لی
اور دھیرے سے مسکرائے ان کے دوست بھی فرمائش
کرتے تھے اور جب بھی وہ کسی مشن سے کامیاب
لوٹتے تو ٹریٹ میں ان سے یہی فرمائش کی جاتی۔

اور سب ٹھیک ہو جائے
ان بکھرے لمحوں کو، ان بکھری گھڑیوں کو
کس طرح سمیٹوں میں، کس طرح کروں کچھ
اور سب ٹھیک ہو جائے
ان بکھرے موتیوں کو، ان بکھرے ہیروں کو
کس طرح سمیٹوں میں
کہ پھر سے مالا بن جائے اور سب ٹھیک ہو جائے
کس طرح روتی آنکھوں کو، کس طرح معصوم چہروں کو
تسلی دوں اور سہارا دوں
کاش یہ قوم پھر سے ایک ہو جائے
اور سب ٹھیک ہو جائے

”پاکستان زندہ باد۔“ سونی نے مسکراتے لبوں اور بھیگی
آنکھوں سے اپنے پیارے بابا جان کے ساتھ کہا۔☆

عید سروے

عید سروے کے سوالات

1۔ عید 2015ء کے لیے کیا خاص پلاننگ کی ہے؟
2۔ عید ان کا خیال لاتی ہے، کن کا؟
3۔ عید کے حوالے سے کوئی یونیک ڈش یا مشروب بتائیں۔
4۔ ان کے گھر سے پہلی عید پر کیا آیا تھا؟
5۔ عید کے دن میزبان بننا زیادہ اچھا لگتا ہے یا مہمان بننا۔
6۔ عید کے دن سب سے زیادہ عیدی کا ریکارڈ کتنا ہے؟
7۔ میکے اور سسرال کی عید میں کیا فرق ہے؟
8۔ عید کے ڈھیر سارے برتن خود دھوتی ہیں یا کل کے آسرے پر چھوڑ دیتی ہیں۔
9۔ عید پر پہلی ڈش کس کی لینے کی تمنا ہے؟
10۔ عید کی صبح سہانی لگتی ہے یا شام؟

مصباح مسکان رئوف .... جہلم

السلام علیکم پاکستان! مصباح مسکان رئوف کی طرف سے تمام پاکستانیوں کو خوشیوں اور برکتوں بھری عیدالفطر بہت بہت مبارک ہو۔ دعا ہے اللہ ہم سب کو خوشیوں بھری ڈھیروں عیدیں اپنے پیاروں کے ساتھ دیکھنا نصیب فرمائے، آمین۔ عید تو نام ہی خوشی کا ہے۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنے کے بعد اللہ کا یہ امت مسلمہ پر انعام ہوتا ہے۔ جسے ہم عید کہتے ہیں مگر آج کے مشکل دور میں ہر کسی کو خوشی سے عید منانے کا موقع نہیں ملتا۔ ان کے حالات اور مجبوریاں ان کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ دل سے دعا ہے کہ پاک پروردگار ہر مسلمان کی مشکل آسان فرمائے اور سب کو اس نعمت سے نوازے، آمین۔

☆ تو جی جناب! پلاننگ یہ ہے کہ اس عید پر تیسرے دن ہم نے گھر پر کچھ اسپیشل کرنا ہے۔ پہلے دو دن تو تائی امی، پھوپھو اور نانی امی کے گھر کی سیر میں گزر جاتے ہیں پھر تیسرا دن تھکن سے بھرا بور گزر جاتا ہے۔ اس لیے اس بار تھرڈ ڈے کو اسپیشل کرنے کا ارادہ ہے۔ کچھ یادگار سا۔

☆ عید ان کا خیال لاتی ہے..... پتہ ہے کن کا..... عیدی اور چاٹ کا (ہی ہی ہی) آپ کیا سمجھے تھے..... جی نہیں ابھی ''ان'' کی آمد نہیں ہوئی۔

☆ آہم..... ابھی تو وہ خود نہیں آئے..... عیدی کہاں سے آئے گی۔ (اچھا ہے تھوڑا آرام سے ہی آئیں (ہی ہی ہی)۔

☆ عید کے دن تو جو بھی ڈش کھائیں یونیک ہی لگتی ہے۔ اتنے دنوں بعد جو کھاتے ہیں اور مشروب تو سادہ پانی ہی دل کو بھاتا ہے۔ ویسے اس بار عید پر چکن کوفتے بنانے کا ارادہ ہے۔

☆ عید کے دن جہاں مہمان بننے کا مزہ ہے وہیں میزبان بننے میں بھی الگ ہی لطف ہے۔ یعنی صبح میزبان بنو، خاطر داری کرو اور شام میں خاطریں اٹھواؤ مہمان بن کے، کچھ آرام بھی مل جاتا ہے نا۔

☆ عیدی کا ریکارڈ...... آہ ہاہ...... کیا سوال پوچھ لیا ہے۔ اب کہاں عیدی! وہ تو بچپن کے یادگار دن تھے جب ہر بڑے سے عیدی ملتی تھی اور پھر سب ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے کہ میری اتنی عیدی ہوئی ہے تمہاری کتنی ہوئی؟ اب تو ہم بڑے ہوگئے ہیں۔ عیدی لینے والے نہیں دینے والے عہدے پر فائز تو اب تو جو کوئی تھوڑی بہت ملتی ہے غنیمت ہے۔

☆ سسرال سے تو ابھی تک پالا نہیں پڑا لیکن مگر ذاتی خیال ہے کہ دونوں جگہوں کا اپنا اپنا مزہ ہے لیکن آئی تھنک زیادہ خوشی میکے کی عید کی ہوتی ہے۔ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کا ساتھ، ہر فکر و پریشانی سے آزاد، امی کے ساتھ مل کے کام کرنا، ہلکی پھلکی ڈانٹ، بہن بھائی سے چھیڑ چھاڑ، خوش باش زندگی جب کہ سسرال میں تو ہر کام بہت ہی سوچ سمجھ کر کرنا پڑتا ہے۔ سسرالیوں کے مزاج اور شوہر کی مرضی و خوشی کے مطابق خود کو ان کے رنگ میں ڈھال کر، خود کی نفی کر کے سسرال کے ماحول میں ایڈجسٹ ہونا پڑتا ہے۔ سسرال کی عید تو ذمہ داریوں بھری بلکہ آزمائشوں بھری عید ہوتی ہے۔

☆ نہ جی! ٹیلر کا ہمارے ڈریسز میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ہم بذات خود ڈیزائنر اور ٹیلر ہیں۔ اپنے ڈریسز ہم خود ہی ڈیزائن کرتے ہیں دونوں بہنیں۔ امی کی جھڑکیاں سنتے ہوئے زبردست ڈیزائن سوچنے اور پھر سینے میں جو مزا ہے وہ ٹیلر کے حوالے کر کے خود ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھنے میں کہاں بھلا۔ ساتھ میں میچنگ چوڑیاں پہننا، ذاتی محنت واہ جی واہ......!

☆ پہلی وش تو ابو امی اور بہن بھائیوں کی طرف سے ہی زیادہ خوش کن ہوتی ہے۔ آئی تھنک کہ ہر لڑکی عید کی پہلی مبارک باد اپنے ماں باپ سے ہی لینا چاہتی ہے کیوں کہ یہ رشتے ہی ایسے انمول ہیں۔

☆ یوں تو عید کے تینوں دن ہی اچھے اور سہانے ہوتے ہیں لیکن پہلے دن کی صبح کی تو کیا ہی بات ہے۔ جلدی جلدی گھر کی صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر نئے کپڑے پہننا، ابو اور بھائیوں کا عید پڑھ کے آنا اور پھر ان سے عید ملنا۔ ایک دوسرے کو مبارک باد دینا، میٹھا اور چاٹ، لذیذ پکوان، ایک ایک چیز یادگار اور خوب صورت ہوتی ہے۔ شام تک کچھ تھکاوٹ ہو جاتی ہے اس لیے شام کی وہ ویلیو نہیں ہے جو صبح عید کی ہے۔

آخر میں ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ کہ اللہ سب کو خوشیاں نصیب فرمائے۔ اجڑے گھر والوں کے پیاروں کو صبر کامل، ہمت و حوصلہ، بیماروں کو شفا کاملہ اور بھٹکے ہوؤں کو صراط مستقیم عطا فرمائے۔ آپ کی بہنیں مصباح، مشکان، روف اور امینہ روف اجازت چاہتی ہیں۔ اللہ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہر طرح کی سرد و گرم سے بچائے، آمین۔

شہلا گل سحر......... کوہاٹ

☆ عید اللہ تعالیٰ کا خاص تحفہ ہے۔ اس سے بھرپور طریقے سے منانے کا ارادہ ہے۔ سسرال میں میری پہلی عید ہے۔ اس لیے بن سنور کے اچھے میزبان کے فرائض ادا کرنے ہیں اور سگھڑاپے کی دھاک بٹھانی ہے۔

☆ عید میرے ابو کا خیال لائے گی کہ میں ان کے سائے سے اس سال محروم ہوگئی تھی اور پیا جانی کا جو پردیس میں الگ عید منائیں گے اور میں یہاں الگ اور دل کہتا ہے کہ "عید تمہارے سنگ پیا"۔

☆ ذائقے دار کوفتے۔ قیمہ آدھی چھٹانک، بادام آدھی چھٹانک، کیوڑہ چار بڑے چمچے، زعفران دو ماشے۔ الائچی پانچ ماشے، پیاز آدھا پاؤ، دال چنا ایک چھٹانک، گرم مصالحہ، نمک، مرچ حسب

ذائقہ۔ (ترکیب): دال چنا اور سب مصالحے مع پانی کے ایک پتیلی میں ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ تاکہ دال گل جائے اور پانی خشک ہو جائے۔ سب چیزوں کو نکال کر باریک پیس لیں بادام کو پانی میں بھگو کر باریک کاٹ لیں۔ کشمش تل لیں۔ سب چیزوں کو قیمے میں ملا کر کوفتوں کی شکل میں بنالیں۔ انڈا اور ڈبل روٹی کا چورا لگا کر تل لیں۔ باقی سامان کا شوربہ بنا کر تلے ہوئے کوفتے اس میں ڈال کر پیش کریں۔ بہت داد ملے گی۔

☆ بھرپور عیدی آئی تھی۔ کپڑے، مہندی، جوتے، چوڑیاں، جیولری اور ڈھیروں ڈھیر موتیا کے گجرے (آہا کیا یادگار دن تھا)۔

☆ کوکنگ کرنی اچھی لگتی ہے۔ میزبان بننا زیادہ اچھا لگتا ہے کہ مہمان اللہ کی رحمت بن کر آتے ہیں۔ مہمان نوازی کرنی اچھی لگتی ہے۔

☆ عیدی بچپن میں خوب ملتی تھی۔ مگر کبھی جمع نہیں کیے کہ سب خرچ کر دیتی تھی۔ عیدی اب بھی ملتی ہے۔ ہزاروں میں۔ مگر اس میں وہ خوشی کے رنگ نہیں ہوتے۔

☆ سسرال میں پہلی عید ہے ظاہر ہے کچھ ہو کر ہی گزارنی پڑے گی کہ کوئی خفانہ ہو کوئی بھی نہ ہو۔ پر میکے کی عید زندہ باد (بدمعاشی پر گزرتی تھی)۔

☆ ہاتھ جانے قلم تھامے رہے، امی کے ہزار کہنے کے باوجود سوئی دھاگے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ٹیلر کے سہارے ہی رہنا پڑتا ہے مجبوری ہے۔

☆ پہلی وِشز تو میاں جانی کی ہی جاتی ہے۔ تمنا ہے کہ وہ ساتھ ہوتے (مگر ہائے یہ گردشِ روزگار) میری عید کا چاند تو وہی ہیں اور میری عید بھی۔ (کیا کریں پردیسی بابو سے پالا پڑا ہے)۔

☆ عید کی شام اچھی لگتی ہے۔ چہل پہل رہتی ہے میکے والے عیدی لے کر آتے ہیں گھر کو موم بتیوں اور دیوں سے سجاتے ہیں۔ کبھی کسی رشتے دار کے گھر نکل جاتے ہیں۔

سیدہ موّن بخاری۔ سرگودھا

☆ کوئی خاص پلاننگ نہیں ہے۔ بس اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ نیکی کی توفیق اور برائی سے بچنے کی طاقت دے۔ ہمیں نیک بنائے وہ شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ ہمارے نہاں دعیاں نیک ارادوں میں کامیابی عطا کرے۔ کیوں کہ میں نہیں جانتی کہ پروردگار کی تدبیر میرے بارے میں کیا ہے۔ بس دعا ہے کہ وہ میری غلطیوں کوتاہیوں پر گرفت نہ کرے، میرے عیبوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے میری تقدیر کو اچھا کر دے، مجھے عزت، علم و عمل اور شہرت سے نواز دے، وہ بہتر جانتا ہے میرے ارادوں اور طلب کو، میرے حق میں جو بہتر ہے وہی عطا کرے کیوں کہ حضرت علیؑ کا فرمان ہے "میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔"

☆ اُن غریب لوگوں کا جو مہنگائی کے اس دور میں عید کی خوشیوں میں شامل ہونے سے قاصر ہیں اور ان مسلمانوں کا جو کفار کے مظالم میں جکڑے ہوئے ہیں اور آزادی کی نعمت سے محروم ہیں۔

☆ ایسا کچھ خاص نہیں ہے۔ جو شیئر کرسکوں دہی کھیر، سویاں وغیرہ جو سب گھرانوں کا پکوان ہے۔

☆ ابھی تک ان چکروں سے محفوظ ہوں۔

☆ دونوں۔

☆ ابھی تجربہ نہیں ہوا۔

☆ جی نہیں...... مجھے سلائی کرنا نہیں آتی۔

☆ امی جان اور بہن بھائیوں کی طرف سے۔

☆ دونوں یکساں ہیں۔

☆ ریکارڈ کبھی رکھا ہی نہیں۔ بس بغیر گنے سلائی کنا بلکہ ہر عیدی خرچ ہو جاتی ہے۔

......☆......

صدف سعد

ردا کی ڈائری

ضیاء عبدالغنی کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

نظر جب اس سے ملتی ہے
میں خود کو بھول جاتا ہوں
بس اک دھڑکن دھڑکتی ہے
میں دل کو بھول جاتا ہوں
اس سے ملنے سے پہلے میں
بہت سجتا سنورتا ہوں
لیکن جب وہ سنورتی ہے
میں خود کو بھول جاتا ہوں
میں اکثر کتابوں میں
اسی کا نام لکھتا ہوں
لیکن کچھ وہ جو لکھتی ہے
میں لکھنا بھول جاتا ہوں
میں اکثر اس سے کہتا ہوں
میں تم سے پیار کرتا ہوں
لیکن جب وہ یہ کہتی ہے
میں دنیا بھول جاتا ہوں

مہرین کنول کی ڈائری سے

مہر گل کا کلام

جو تجھے پا کے کھونے چلے
نفرت بیج کے بونے چلے
اپنا ہی اجاڑ کے تن من دھن
شرمندہ ہیں ہم اے ارض وطن

بس یہ دو لفظ ہیں نعرے ہیں
جو بھی الفاظ ہمارے ہیں
نہیں عمل کا سر پہ باندھا ہے کفن
شرمندہ ہیں ہم اے ارض وطن

آزادی کی اس نعمت کو
رب کی بخشی اس رحمت کو
خود گنوانے چلے ہیں ہم گر بن
شرمندہ ہیں ہم اے ارض وطن

پاک فوج کے شہداء کے صدقے
کچھ ہم کو بھی جرأت ملے
تو مر کے جئیں ہم وارد من
شرمندہ ہیں ہم اے ارض وطن

مہوش جواد کی ڈائری سے

محسن نقوی کی غزل

تیرے عشق نے بخشی ہے یہ سوغات مسلسل
تیرا ذکر ہمیشہ تیری بات مسلسل
اک مدت ہوئی تیرے بام و در سے نکلے
رہتی ہے پھر بھی تجھ سے ملاقات مسلسل
وگی دل کی گگی بن جاتی ہے
جب تصور میں گزرتی ہے ہر رات مسلسل
جب سے دیکھا زلف پریشان کا عالم
الجھے ہوئے رہتے ہیں دن رات مسلسل
میں تیری محبت میں اس مقام پہ پہنچا ہوں محسن
کہ میری ذات میں رہتی ہے تیری ذات مسلسل

انشاں علی کی ڈائری سے

محسن نقوی کی نظم

میرے لیے کون سوچتا ہے
جدا جدا ہیں مرے قبیلے کے لوگ سارے
جدا جدا سب صورتیں ہیں
سبھی اپنی انا کے اندھے کنویں کی تہہ میں پڑے ہوئے
خواہش کے پنجر
ہوس کے ٹکڑے
حواس ریزے
میری اداسی کو کون بہلائے
کس کو فرصت ہے مجھ سے پوچھے
کہ میری آنکھیں گلاب کیوں ہیں
میری مشقت کی شاخ عریاں پہ
سارے موسم کے عذاب کیوں ہیں
میری بیاض سخن میں بکھرے
میرے حرف بے خواب کیوں ہیں
میرے لیے کون سوچتا ہے
سبھی کے دل میں کدورتیں ہیں
ہر کوئی کنکر تلاشتا ہے
سبھی کو اپنے بدن کی شہ رگ میں
قطرہ قطرہ لہو کا لاوا انڈیلنا ہے
کسی کو ڈھلتے دنوں کے دریا کا دکھ
وراثتوں میں اچھالنا ہے
میرے لیے کون سوچتا ہے
سبھی کو اپنی ضرورتیں ہیں
میری رگیں چھیلتی جراحت کو کون بخشے
شفا کی شبنم؟

دانیہ آفرین کی ڈائری سے

روشن ترمذی کی ایک نظم

عجب اک لمحہ لاحق ہے
کہ لوگوں کے سمندر میں

بہت دن ہو گئے میں نے
کوئی چہرہ نہیں دیکھا
جو دل کے جلتے صحرا پر
برس جائے گھٹا بن کر
کسی کے بھی لبوں پر
لفظ وہ ٹھہرا نہیں دیکھا
بہت دن ہو گئے میں نے
کوئی سپنا نہیں دیکھا
کوئی اپنا نہیں دیکھا

روشنی فاطمہ کی ڈائری سے

نجم الاصغر شاہین

میں تو اب بھی ایک طالب علم ہوں
عرصہ گاہ دہر ہے میرا اسکول
ایک ہی درجے میں ہوں برسوں سے میں
وقت سارا کھو دیا میں نے فضول
ہائے نادانی میری
وائے نادانی میری
زندگی ہے بے رحمت استانی میری
ایک اور مثال دیکھیں
لکڑی کے تختوں پر کتابیں
اس ترتیب سے چنی ہوئی ہیں
یوں آپس میں جڑی ہوئی ہیں
جیسے قبرستان میں قبریں
جلدوں والی ساری کتابیں پکی قبریں
غیر مجلد کچی قبریں
کچھ تازہ
کچھ بہت پرانی
کچھ بے حد بوسیدہ شکستہ
یہ مرقد ہیں ان لوگوں کے
مرنے کے بعد بھی جو زندہ ہیں
.......☆.......

اشعار

شہلا گل سحر .... کوہاٹ کینٹ
...ن چھوئے تجھے گزرنا ہے جو حادثہ
...کسی کی خاموش دعاؤں نے تجھے سنبھال رکھا ہے

ملالہ اسلم .... خانیوال
...وئی بھی امید پہ پورا نہیں اترتا
...کیسی صورت ہے جو تجھے نظر نہیں آتی

اسمل آرزو .... اوکاڑہ
...ں تلملی عشق ذات ہوں
...ا قرب ہی مرا علاج ہے

سہاگل .... رحیم یار خان
...بت تھک گئی ہے راستے میں
...فر دشوار اور لمبا بہت ہے

سدرہ .... سرگودھا
...ب د حرف سے مرا اعتبار ہی اٹھا گیا
...ے بعد مجھ سے کوئی دعا نہیں ہو سکی

مریم شہباز .... لاہور
...م کی دہلیز سے شمعیں اٹھا کر لے گیا
...ن ہے جو شہر کی رسمیں چرا کر لے گیا
... تو اٹھ آئے تھے اس کی بزم سے آذر مگر
... دل کم باتوں میں لگا کر لے گیا

نوشین مدثر .... لاہور
اک خواب کی تعبیر تھوڑی ہوتی ہے
...وں کی یہ تقدیر تھوڑی ہوتی ہے
...یہ کرتے ہیں ایک دل سے دوسرے دل تک
...ں کے پاؤں میں زنجیر تھوڑی ہوتی ہے

امبرین حیدر .... اسلام آباد
وہ جس سے رہا آج تک آواز کا رشتہ
بھیجے مری سوچوں کو اب الفاظ کا رشتہ

عمارہ شکیل .... کراچی
عجب یوں ہوا کہ راستے یکجا نہ ہو سکے
وہ بھی تھا انا پرست تھا میں بھی انا پرست

راحیلہ .... سرگودھا
عجب تماشہ ہے مٹی کے ان لوگوں کا ساغر
بے وفائی کرو تو روتے ہیں وفا کرو تو رلاتے ہیں

مہک علی .... حیدر آباد
محبت کا ازل سے ہے یہی شیوہ غالب
جو اس کو جان لے یہ اس کی جان لے

مصباح گل .... سرگودھا
میں پا نہ سکا آج تک اس خلش سے چھٹکارا محسن
وہ مجھے جیت بھی سکتا تھا مگر ہارا کیوں

عائشہ .... سیالکوٹ
جانے کس عمر میں بدلے گی یہ عادت اپنی
روٹھنا اس سے تو اوروں سے الجھتے رہنا

حنا علی .... ملتان
نہ جانے کون سا آسیب دل میں بستا ہے
کہ جو بھی ٹھہرا وہ آخر مکان چھوڑ گیا

طاہرہ .... راولپنڈی
مسکراہٹ، تبسم، ہنسی، قہقہے
سب کے سب کھو گئے ہم بڑے ہو گئے

رانیہ عمر............. بھکر

روز یاد آنے کی شکایت ہے آپ سے
کیا جانے کیسی چاہت ہے آپ سے
لوگ تو بہت ہیں کہنے کو لیکن
دل کو نہ جانے کیوں محبت ہے آپ سے

رامین ناز............ حیدر آباد

آج بہت دکھ ہو رہا ہے حال زندگی پر جاناں
کاش! ہم نے حد میں رہ کر محبت کی ہوتی

بشریٰ............ ملتان

خواب میں بھی تم اب نہیں آتے
مطلب نفرتیں ان دنوں عروج پر ہیں

آفرین خلیل............. فیصل آباد

تجھے بھولنا ہوتا تو کب کا بھلا دیتے
حسرت جو تیری ہو کوئی مطلب زندگی تو نہیں

رابعہ نسیم............ سرگودھا

اس کو کھونے کا بہت دکھ ہے مگر
ہم اسے پانے کے اسباب کہاں سے لاتے

دھنک ناز............ کراچی

تیری یاد میں کی ہے میں نے سنڈریلا سے دوستی
نجانے پھر بھی کیوں مجھے تیرے لفظوں کی پیاس رہتی ہے

ام ہانی............ بھکر

رکا ہوا ہے عجب دھوپ چھاؤں کا موسم
گزر رہا ہے کوئی دل سے بادلوں کی طرح

نگہت جبیں............ چنیوٹ

شام تنہائی ڈس رہی ہے مجھے
درد کے بادلوں سے گھیرا ہے
لو چراغوں کی تیز کر دو
شبیر دل میں بڑا اندھیرا ہے

ارم خان............ پشاور

رکتا بھی نہیں ٹھیک سے چلتا بھی نہیں ہے
یہ دل کہ تیرے بعد سنبھلتا بھی نہیں ہے

اک عمر کے صحرا سے تیری یاد کا بادل
ٹلتا بھی نہیں ہے اور برستا بھی نہیں ہے

عائشہ عمران............ قصور

تو نام کا دریا ہے روانی نہیں رکھتا
بادل ہے وہ بے فیض جو پانی نہیں رکھتا
یہ آخری خط آخری تصویر بھی لے جا
میں بھولنے والوں کی نشانی نہیں رکھتا

سیدہ امبر ہاشمی............ کراچی

روٹھ جاتے ہو تو کچھ اور حسین لگتے ہو
ہم نے یہ سوچ کے ہی تم کو خفا رکھا ہے
سانس تک بھی نہیں لیتے تجھے سوچتے وقت
ہم نے اس کام کو بھی کل پہ اٹھا رکھا ہے

شاہین سجاد............ صوابی

یہ جو ڈوبی ہیں میری آنکھیں اشکوں کے دریا میں
یہ مٹی کے پتلوں پر بھروسے کی سزا ہے

عائشہ............ منڈی بہاؤالدین

ساتھ چھوڑ کے بھی ہم سے جدا مت ہونا
وفا چاہیے آپ سے بے وفا مت ہونا
روٹھ جائے ساری دنیا ہم سے
مگر آپ ہم سے کبھی بھی خفا مت ہونا

طیبہ علی............ اسلام آباد

یہ جان کر بھی کہ دونوں کے راستے تھے الگ
عجب حال تھا جب اس سے ہو رہے تھے الگ
خیال ان کا بھی آیا کبھی تجھے جاناں!
جو تجھ سے دور بہت دور جی رہے تھے الگ

طیبہ مبشر............ لیہ

کیا ضروری ہے کہ ہاتھوں میں تیرا ہاتھ بھی ہو
چند یادوں کی رفاقت ہی بہت کافی ہے
لوٹ جاتے ہیں اسی پل سے گھروں کی جانب
یہ تھکن، اتنی مسافت ہی بہت کافی ہے

......☆......

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

کاز حد سالہ راموس کند در یک نظر
آں فرید الحق و الدین خواجہ گنج شکرؒ

حضرتؒ کی ذاتِ گرامی میں وہ جاذبیت اور کشش تھی اور آپ کے اخلاق میں ایسی گہرائی تھی کہ جو ایک دفعہ آپؒ کے پاس آجاتا، بس آپؒ کا ہی ہو جاتا تھا۔ صبح سے شام تک اسلام لانے والوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی دنوں میں آپؒ کے وجود مسعود کی برکت سے مسلمانوں کی قلت کثرت میں تبدیل ہو گئی۔ ستلج اور راوی کے کنارے پر جو قومیں آباد تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ آپؒ کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ گردونواح میں آباد راجپوت نسل کی تمام شاخیں آپؒ کے دستِ اقدس پر مسلمان ہوئیں اجودھن پاکپتن شریف ہو گیا۔ بلند پہاڑی جگہ خانقاہ شریف تعمیر ہوئی جہاں پر مزار مبارک موجود ہے۔

طالبانِ حق اور سالکانِ طریقت سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے یہاں پہنچے اور آپؒ کی باطنی توجہ سے کامیاب و کامران واپس جاتے۔ آپؒ کی خدمت میں علماء کی جماعتیں، فقراء کے گروہ، قلندروں اور مسکینوں کی ٹولیاں آتیں تھیں اور ہر وقت حاجت مندوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ لکھتے ہیں کہ نصف شب تک خانقاہ شریف کا دروازہ کھلا رہتا۔ مہمانوں کی واضح ہوتی آپ کا لطف کرم عام تھا۔ ہر نو وارد اور قدیم سے یکساں برتاؤ ہوتا۔ آپؒ کی توجہ اور مہربانی سے دونوں مستفید ہوتے۔ اعلیٰ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو عیاں تھا۔ الغرض حضرت بابا صاحبؒ نے سربراہ چشت کی حیثیت سے [illegible] مثل خدمات انجام دیں جس کا کماحقہ بیان [illegible] یہ آپؒ ہی کی نظر کا فیضان ہے کہ سلسلہ چشت میں حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی اور حضرت مخدوم شیخ [illegible] احمد صابر کلیریؒ جیسے آفتاب و مہتاب طلوع ہوئے جن کے انوار سے پورا پاک و ہند جگمگا رہا ہے۔

مینائے [illegible] ([illegible] شہ پارے)
مصنف: [illegible] شاہ صابری
انتخاب: فرید [illegible] پاکپتن

دکھ

اللہ تعالیٰ جس کو اپنا آپ یاد دلانا چاہتا ہے تو اسے دکھ کا الیکٹرک شاک دے کر اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ دکھ کی بھٹی سے نکل کر دوسروں کے لیے آدمی نرم پڑ جاتا ہے پھر اس سے نیک اعمال خود بخود اور بخوشی سرزد ہوتے ہیں دکھ تو روحانیت کی سیڑھی ہے۔ اس پر صابر، شاکر ہی چڑھ سکتے ہیں۔

(بانو قدسیہ کی کتاب دست بستہ سے انتخاب)

عائشہ نیازی۔ ربوہ

نصیب والے

جھڑکیاں دینے والا، رعب جمانے والا، دھمکیاں دینے والا بھول چکا ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان ہے انسانوں پر رعب جمانے اور انہیں جھڑکی دینے کا

کوئی حق نہیں۔ ہر نفلی استحقاق صرف غرور نفس کا دھوکا ہے اور غرور کسی انسان میں اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ بدقسمت نہ ہو۔ نصیب والے قسمت والے ہمیشہ عاجز و مسکین رہتے ہیں۔ (واصف علی واصف)

صبا سحر۔ ہارون آباد

اس ماہ کچھ دل سے

ماں کی مسکان، گڑیا، کھلونوں کا گھر
مجھ کو پھر سے مرا بچپنا چاہیے
ابر ہو رات ہو اور تنہائی ہو
مجھ کو اس کے سوا اور کیا چاہیے

نور بانو۔ کوئٹہ

اس ماہ کی کرنیں

☆ شائستگی جب روح میں اتر جائے تو رونقیں متاثر نہیں کرتیں۔

☆ پیاس شدید ہو تو [illegible] شیریں ہو جاتے ہیں۔ اکثر پیاس بجھ جانے پر دونوں میں فرق آ جاتا ہے۔

☆ لوگ اتنے بے اعتبار نہیں ہوتے جتنا ہم ان پر اپنی توقع کا بوجھ ڈال دیتے ہیں۔

☆ زندگی ہر شخص کو عزیز ہوتی ہے لیکن باوقار انسان کو عزت زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔

☆ [illegible] بھی ضمیر اور جوتے کی مانند ہے جس کا احساس اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک وہ تکلیف نہ دینے لگے۔

☆ سب معاملے تقدیر کے آگے سرنگوں ہیں۔ یہاں تک کہ تدبیر کے نتیجے میں موت ہو جاتی ہے۔

☆ مطالعے کی عادت ڈالنا ایک طرح سے تقریباً تمام دنیاوی غم و فکر سے نجات کے لیے اپنے واسطے ایک اہم پناہ گاہ تعمیر کرنا ہے۔

☆ حسن سیرت برائیوں سے پرہیز کرنے کا نام نہیں بلکہ ذہن میں برائیوں کے ارتکاب کی خواہش نہ پیدا ہونے کا نام ہے۔

نور ملک۔ کراچی

اس ماہ کی خوب صورت بات

قطرہ

بارش کا ایک چھوٹا سا قطرہ یوں تو کچھ بھی نہیں۔ مگر اس کی اصل قدر و قیمت پیاسا صحرا ہی جان سکتا ہے۔ بپھرا ہوا سمندر نہیں۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

اس ماہ کی مزاحیہ نظم

الگ بات ہے

آپ کے پاس دماغ ہے
چلتا نہیں وہ الگ بات ہے
آپ بہت خوب صورت ہیں
کوئی مانتا نہیں الگ بات ہے
آپ امیر ہیں لیکن کنجوس ہیں
وہ الگ بات ہے
آپ ہیں شریف لگتے نہیں
وہ الگ بات ہے
آپ کے پاس موبائل ہے
بیلنس نہیں وہ الگ بات ہے
کافی عزت ہے آپ کی کوئی کرتا نہیں
وہ الگ بات ہے
آپ کی بے عزتی ہو رہی ہے
اور آپ ہنس رہے ہیں
وہ الگ بات ہے

ریما نور رضوان۔ کراچی

اس ماہ کا فلسفہ زندگی

زندگی کیا ہے

لوگ سمجھتے ہیں کہ زندگی فقط دکھ سکھ کا نام ہے لیکن زندگی کے بارے میں صبح کے چہچہاتے پرندے نے کہا کہ

زندگی قدرت کی خوب صورتی کا نام ہے۔
غروب ہوتے سورج نے کہا۔
''زندگی کے رنگ میں بقا نہیں''
مرجھائے پھول نے کہا۔
''زندگی چند گھنٹوں کی کہانی ہے۔''
ہرنی نے کہا۔
''زندگی بس دوڑتے رہنے کا نام ہے۔''
سنسان جنگل نے کہا۔
''زندگی ایک گہری خاموشی کا نام ہے۔''
کانٹوں نے کہا۔
''زندگی ایک چبھن ہے۔''
بھکاری کے نزدیک۔
''زندگی داتا کی دین ہے۔''
پہاڑی پر بیٹھے شاہین نے کہا۔
''زندگی ایک پرواز مسلسل ہے۔''
سمندر کی لہروں نے کہا۔
''زندگی ہلچل ہے۔''
دل سے آواز آئی۔
''زندگی کشمکش کا میدان ہے۔''
دماغ نے دلیل دی۔
''زندگی خدا کی امانت ہے وہ اسے جب چاہے واپس لے لیں۔''
اور میرے نزدیک ''زندگی امید کا نام ہے جس کا مقصد مایوسی کے اندھیرے سے نکل کر کامیابی کی روشنی کو پانا ہے۔''

سیدہ فرزین حبیب۔ کراچی

اس ماہ کی مسکراہٹیں

حادثہ

ایک پروفیسر کی کار اور ایک زمین دار کے ٹریکٹر کے درمیان زور کی ٹکر ہوئی۔ پروفیسر اور زمین دار دونوں اپنی اپنی گاڑی سے اتر آئے اور نقصان کا جائزہ لینے لگے۔ زمین دار نے خوش اخلاقی سے کہا۔ کیوں نہ اس حادثے کا دھچکا کم کرنے کے لیے ہم تھوڑی سی پی لیں؟ یہ کہہ کر اس نے جیب سے بوتل نکال کر پروفیسر کو تھما دی جس نے چند گھونٹ بھرے اور بوتل واپس دے دی۔ زمین دار نے بوتل اپنی جیب میں واپس رکھ لی۔ پروفیسر نے پوچھا کیا آپ ذرا بھی نہیں پئیں گے؟ زمین دار نے کہا کہ جب تک پولیس آکر معائنہ نہ کرلے۔

سزا

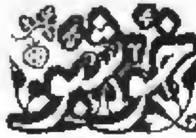
ایک شخص نے چوری کی سزا کا فیصلہ سنتے ہی فریاد کی۔ دہائی ہے سرکار یہ کہاں کا انصاف ہے کہ چوری تو میرا دایاں ہاتھ کرے جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے اور قید میں مجھے پورے کے پورے کو ڈالا جائے۔ جج نے کہا بہتر ہے تمہارا دایاں ہاتھ جیل میں رہے گا تم اگر چاہو تو اسے وہاں چھوڑ سکتے ہو۔ یہ سنتے ہی مجرم نے اپنی لکڑی کا ہاتھ الگ کرکے جج کی میز پر رکھا اور چلا گیا۔

نحوست

جہاز کے عرشے پر ایک خوب صورت عورت اپنی ایک ہم سفر سے باتیں کررہی تھی۔ اس نے اپنے لاکٹ کا ہیرا ہم سفر عورت کو دکھاتے ہوئے کہا یہ سلیم ہیرا ہے سات لاکھ روپے اس کی قیمت ہے ہم سفر عورت نے ہیرے کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ عام روایت ہے کہ بڑا ہیرا پہننے والے کے لیے اپنے ساتھ کوئی نحوست ضرور لاتا ہے اس ہیرے کے ساتھ تو کوئی نحوست نہیں؟ خوب صورت عورت نے آہ بھر کر کہا۔
''بوڑھے سلیم صاحب۔''

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

☆



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جس نے میری کسی ایک سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مٹ چکی تھی تو اس کو ان لوگوں کے ثواب کے برابر اجر ملے گا جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں ہوگی اور جس نے کوئی بدعت کا کام ایجاد کیا جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پسند نہیں فرماتے تو اس کو ان لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ملے گا جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔ (ترمذی)

رسول کریم سورج ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے 4 رکعت (سنت) پڑھا کرتے اور آپ نے فرمایا: "یہ ایسا وقت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا نیک عمل (نماز پڑھنا) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو"۔ (ترمذی)

سیدہ فاطمہ۔ کراچی

دعا

اگر اللہ تمہاری دعا میں پوری کر رہا ہے تو وہ تمہارا یقین بڑھا رہا ہے اگر تمہاری دعائیں پوری کرنے میں دیر کرتا ہے تو تمہارا صبر بڑھا رہا ہے، اگر تمہاری دعاؤں کا جواب نہیں دیتا تو تمہیں آزما رہا ہے۔ لہٰذا آپ دعا مانگتے رہیں، دعا ایک دستک ہے اور دستک بار بار دینے پر دروازہ چاہے دیر سے کھلے مگر کھل ضرور جاتا ہے۔

ماروی۔ خیر پور

15 اگست کیوں نہیں

ام الکتاب نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو بتوں کی پوجا محض اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد ایسا کرتے تھے۔ پاکستان کی نئی نسل کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ان کا ملک 14 اگست 1947ء کو آزاد ہوا تھا۔ انہیں یہ بات ان کے والدین بتاتے ہیں۔ ان کی درسی کتابیں بتاتی ہیں۔ ٹیلی ویژن بتاتا ہے۔ حکومت کے اعلان کے مطابق یہ قومی دن ہے۔ سب لوگ ہر جگہ قومی پرچم لہراتے ہیں لیکن اس کے برعکس سوچنے یا عمل کرنے والے کی عقل پر شک کیا جائے گا لیکن حقائق کچھ اور بتاتے ہیں جن کی تصدیق سرکاری ریکارڈ سے کی جاسکتی ہے۔

13 اگست 1947ء غیر منقسم ہندوستان کے وائسرائے لارڈ (ماؤنٹ بیٹن) دہلی سے کراچی پہنچے ہیں۔

14 اگست 1947ء غیر منقسم ہندوستان کے وائسرائے کی حیثیت سے وہ پاکستان کی آئین ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی موجودگی میں وہ اسمبلی کے تمام ارکان سے کہتے ہیں کہ وہ (ماؤنٹ بیٹن) اب بھی وائسرائے ہیں۔ جب کہ پاکستان کا گورنر جنرل اگلے دن مقرر کیا جائے گا۔

15 اگست 1947ء قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدے کا حلف اٹھاتے ہیں جب کہ ادھر (ماؤنٹ بیٹن) ہندوستان کے گورنر جنرل کے عہدے کا حلف اٹھاتے ہیں پاکستان میں

شائع کی جانے والی پہلی ٹکٹوں پر یوم آزادی کی تاریخ 15 اگست 1947ء چھپی ہوئی ہے۔
حکومت پاکستان کی شائع شدہ سال 1948ء کی چھٹیوں کی فہرست میں بھی یوم آزادی کی چھٹی کا دن 15 اگست درج ہے۔
عرصہ دراز سے ہمارے علماء کی جانب سے ہمیں یہ بتایا جاتا رہا ہے کہ پاکستان 27 رمضان کے مبارک دن کو وجود میں آیا تھا اس دن بھی تاریخ 15 اگست 1947ء تھی۔
(بشکریہ ڈان نیوز)
صائمہ جواد۔ کراچی

حکایت خلیل جبران

ایک لومڑی نے صبح کے وقت اپنے سائے پر نظر ڈالی اور کہا: "مجھے آج ناشتے کے لیے ایک اونٹ مانا چاہیے۔"
وہ تمام صبح اونٹ کی تلاش میں سرگرداں رہی لیکن جب دوپہر کو اس نے دوبارہ اپنا سایہ دیکھا تو کہا: "میرے لیے ایک چوہا ہی کافی ہوگا......"
کلیات خلیل جبران سے
سعدیہ عابد کا انتخاب۔ کراچی

سنہری کرنیں

☆ ماں باپ کی دعائیں لو گے ہمیشہ پھولوں کی طرح مہکتے رہو گے۔
☆ دل دکھی ہو تو کتاب پڑھنے والے کو ہر لفظ ایک کانٹا بن کر چبھتا ہے۔
☆ کچھ دعائیں بڑی بے ساختہ ہوتی ہیں۔ اچانک دل سے نکلتی ہیں اور قبول ہو جاتی ہیں۔
☆ ساکت سمندر کو کبھی مت چھیڑو کیوں کہ خاموشی میں بہت بڑا طوفان چھپا ہوتا ہے۔
☆ جو شخص وعدے سے گریز کرتا ہے وہ اتنا ہی وعدے کا پابند ہوتا ہے۔

☆ آزمائے ہوئے کو آزمانا جہالت ہے۔
☆ دوسروں کے جذبات کا خیال کرو، احترام کرو یہی وہ مقام ہے جہاں انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔
☆ سچائی انسانیت کا حسن ہے جو کبھی ماند نہیں پڑ سکتا۔
رابعہ افضال خان۔ کراچی

شوخ سطریں......!

☆ دوروز کرآئیں ایک پلی تھی
◆ پیناڈول استعمال کرو
☆ جھیا تن میرے لکیا۔
◆ لڑکیوں کو چھیڑنے کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔
☆ آجا، جاناں!
◆ کرایہ کے پیسے تمہارا باپ دے گا؟
☆ جب بہار آئی تو صحرا کی طرف چل نکلا؟
◆ نیچے جوتوں نے دوڑ۔
☆ تیری مہربانیاں، تیری قدردانیاں۔
◆ تو روز روز شاپنگ جو کرواتا ہے۔
☆ چاند سا منہ ہے۔
◆ یہ تو سارا میک اپ کا کمال ہے۔
☆ دل تجھے دیا تھا رکھنے کو۔
◆ تم نے بنا کر کھا لیا؟
☆ وہ ہوئے مجھ سے ہمکلام اللہ اللہ۔
◆ موبائل کے کارنامے ہیں۔
☆ مطلبی ہیں لوگ یہاں پر۔
◆ جی ہر سسرال کا یہی حال ہے۔
☆ اگر تم مل جاؤ۔
◆ آنے کی بات کررہے ہو تو بڑی مشکل سے ٹائم ملتا ہے۔
☆ ذرا ٹھہر جا۔
◆ شاید کوئی اور قیمتی چیز مل جائے۔
☆ مرجھائے ہوئے پھولوں کی قسم، اس دیش میں پھر نہ آؤں گا۔
◆ کیونکہ دیش والوں کو سارا پتہ چل گیا ہے۔

☆ مجھے نیند نہ آئے مجھے چین نہ آئے۔
◄ موصوف شادی شدہ معلوم ہوتے ہیں۔
☆ تیری محبت نے دل میں مقام کر دیا۔
◄ کیونکہ آپ کے پاس اس کا سارا بیلنس اور جدید موبائل جو ہے۔
☆ جب ملا وہ خفا ملا ہم کو۔
◄ کیونکہ آپ کے پاس بینک بیلنس نہیں ہے۔
ایس امتیاز احمد۔ کراچی

آپ کیسے سوتے ہو؟

☆ جو لوگ پیٹ کے بل سوتے ہیں وہ طرح طرح کی نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔
☆ جو لوگ پیٹھ کے بل سوتے ہیں ان میں بے پناہ خود اعتمادی ہوتی ہے۔
☆ جو لوگ چادر یا رضائی میں منہ چھپا کر سوتے ہیں وہ محرومیت کا شکار ہوتے ہیں۔
☆ جو لوگ تکیے کو ساتھ لپٹ کر سوتے ہیں وہ لوگ محبت کے بھوکے ہوتے ہیں۔
☆ جو لوگ جسم کا دائرہ سا بنا کر سوتے ہیں وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہیں۔
☆ دائیں کروٹ سونے والے تخلیقی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔
☆ بائیں کروٹ سونے والے لوگ اپنی ذات سے مطمئن اور تحفظ کے احساس سے سرشار ہوتے ہیں۔
فرزانہ شوکت۔ کراچی

لطیفہ

ایک پٹھان کو روزے میں بہت پیاس لگی۔ پاس بیٹھا ایک آدمی پانی پی رہا تھا۔ پٹھان نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''اللہ اگر اس کو ہم نے جنت میں دیکھا تو اس کی خیر نہیں۔''
شہلا گل سحر۔ کوہاٹ

پریشانی

ایک صاحب رات گئے ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے دوست کو ایک کونے کی میز پر فکر مندی کے عالم میں سر جھکائے بیٹھے دیکھا۔
''یار! کیا بات ہے تم ابھی تک گھر نہیں گئے؟'' انہوں نے ہمدردی سے پوچھا۔
''کیا بتاؤں میں نے فون پر بیوی سے بہانہ کر کے کہا تھا کہ رات کو دیر سے گھر آؤں گا اور اب یاد نہیں آ رہا کہ بہانہ کیا تھا؟'' دوست نے اپنی پریشانی بیان کی۔
مہوش۔ راولپنڈی

کل اور آج

☆ ایک دن سونے نے لوہے سے کہا۔ ''ہم دونوں ہی لوہے کی ہتھوڑی سے پٹ جاتے ہیں لیکن تم اتنا زیادہ چلاتے کیوں ہو؟''
''لوہے نے بہت ہی خوب صورت جواب دیا۔ ''جب اپنا ہی اپنے کو مارتا ہے تو درد زیادہ ہوتا ہے چیخ نکل ہی جاتی ہے۔''
☆ پہلے لڑکی حیا و شرم کا پیکر ہوا کرتی تھی۔ آج کل لڑکی میں شرم و حیا نام کو نہیں ہے۔
پہلے لڑکی کا رشتہ آتا تھا تو اس کا رو رو کر برا حال ہو جاتا تھا۔ جب کہ آج کل کی لڑکی کا رشتہ نہ آنے پر رو رو کر برا حال ہو جاتا ہے۔
پہلے جب لڑکی کی بات طے ہوتی تھی صرف گھر والے لڑکا دیکھتے تھے اور اب لڑکی پہلے خود دیکھتی ہے پھر گھر والے بات طے کرتے ہیں۔
یہ ہے کل اور آج اب آنے والا مستقبل کیسا ہوگا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔
ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

......☆......

جدائی

جدا ہوتے وقت میں نے اس کی آنکھوں میں
گہری دھند کو اترتے دیکھا تھا
جب تھام کر ہاتھ میرا اس نے چھوڑا
اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو محسوس کیا تھا
اور جب میں نے لرزتے ہونٹوں سے
سبب جدا ہونے کا پوچھا
وہ ہر سوال کو میرے ٹال گیا
جدا ہونا شاید ہماری قسمت میں تھا
کہہ کر وہ سب الزام قسمت پر ڈال گیا
تم بھول جانا مجھے کسی گمنام لمحے کی طرح
نظر پھیر کے وہ مجھ سے عجیب فرمائش کر گیا
یہ جانے بنا
کہ بھول جانے کی فرمائش کرنے والا
یہ کہاں جان سکے گا
کہ اسے بھولنے میں کوئی خود کو بھلا بیٹھے گا
اس سے جدا ہوتے ہی موت کو گلے لگا بیٹھے گا

رابعہ افضال خان

غزل

بہت اکیلا ہوں مجھے تیرا ساتھ چاہیے
جیسے بحر کی موجوں کو کنارہ چاہیے
جیسے گلاب کو خوشبو کا سہارا چاہیے
جیسے اشکوں کو ان کے چن لینے والا چاہیے
بس ایک بار تو مجھے مل جائے ایسے
جیسے اماوس کی رات کو ایک چمکتا ستارہ چاہیے

زینب ملک ندیم

نظم

یہ سال بھی گزر گیا چپکے چپکے
کیا کھویا کیا پایا کسی کو پتہ نہ چلا
مگر اب بتانا ہے تم کو
میری چاہت کا نگر جو بسایا ہوا تھا
رواں سال
نئے سال کے اجالوں میں
تمہارے دل کی دھڑکن بن کر رہنا ہے
خدا سے مانگنا ہے تم کو
میری آنکھوں کا سمندر جو
خشک ہوا تھا رواں سال
نئے سال کے اجالوں میں
تمہاری آنکھوں کا آنسو بننا ہے
تمہارا چہرہ آنکھوں میں بسانا ہے
جدا ہوئے تھے ہم رواں سال
اب ہاتھ تھامنا ہے
ساتھ نبھانا ہے
یہ سال بھی گزر گیا چپکے چپکے
مگر بتانا ہے تم کو
نیا سال آ گیا ہے
چلو وعدہ نبھائیں
ایک ہو جائیں ہم
آؤ مل کے ڈھونڈیں وہ پل بتول

جنہیں کھو دیا تھا ہم نے......!

ملالہ اسلم

قسم خدا کی تب سے ساون
بڑا پھیکا سا لگتا ہے

راجکماری سارہ احسان

غزل

اپنے چہرے سے زلفیں ہٹاؤ تو ذرا
نقاب ہٹا کر رخ مہتاب دکھاؤ تو ذرا
شوق تنہائی کا مجھ کو ہے ہنگاموں میں مگر
کبھی محفل میں میرے روبرو آؤ تو ذرا
عشق کیا ہے بہت سوچا مگر سمجھ نہ سکا
عشق کا کوئی سبق مجھ کو پڑھاؤ تو ذرا
کھو جاتے ہیں جب ملتے ہیں سب سے بڑھ کر خودی
آداب محفل کے کوئی اس کو سکھاؤ تو ذرا
حسین لگتی ہیں اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری
دیکھنا ہو تو کبھی اس کو رلاؤ تو ذرا!

تبسم فیاض

غزل

یاد کے کھلونے سے بہلانا پڑتا ہے
یوں بھی خود کو سمجھانا پڑتا ہے
گرتے رہے چاہے دل پہ آنسو
اونچے قہقہے لگانا پڑتا ہے
روح پہ چھایا ہو بہت جھڑ کا موسم
بالوں میں گجرا مہکانا پڑتا ہے
سجا کر چہرے پہ خوشی کے رنگ
درد اوروں سے چھپانا پڑتا ہے
سہہ لیں گے تیری کج ادائی کا دکھ
سحر چوٹ کھا کے بھی مسکرانا پڑتا ہے

شہلا گل سحر

تم ہو

میری غزلوں کے عنوان تم ہو
میری صبح میری شام تم ہو
تم ہی ہو میری زندگی اور میری
ہر خوشی
تم ہی ہو پل پل بدلتی دھڑکن
تم ہی ہو بہار کا موسم
تم ہی ہو میرے پیار کا موسم
میری چوڑیاں مہندی اور
سب کچھ تم ہی ہو

ثناء کنول اللہ دتہ

سنو

سنو اب اپنا بنانے مت آنا
میرے دل کو دکھانے مت آنا
اس دل پر پتھر رکھ لیا ہم نے
اب ہم کو منانے مت آنا!
آتے جاتے لوگ ہمیں
جن نظروں سے دیکھتے ہیں
کچھ مجنوں مجنوں دکھتے ہیں
اب ہم کو رلانے مت آنا
لوگوں سے سنا ہے ہم نے بھی
تم اب پچھتاؤں میں ہو گھرے
اس دل پر پتھر رکھ لیا ہم نے
اب رسم نبھانے مت آنا
سنو اب اپنا بنانے مت آنا
میرے دل کو دکھانے مت آنا

کائنات غزل

ساون

مت دیکھو ہمیں یہ ساون کی بارش
یہ گرج چمک یہ جل تھل اس کی
ہم نے یار کی آنکھیں جب سے اشکبار دیکھیں
اس کے نازک لبوں سے گر بھی مسکیاں تھی
اس کے رخساروں پر وہ شبنمی قطرہ دیکھے

زندگی

زندگی کھیل ہے
اور زندگی کے
کھیل میں اگر
چوٹ لگ جائے تو رونا کیسا
کچھ نہ پانے پر شکایت کیسی
کچھ نہ پایا..... تو
کھونا کیسا

فرزانہ شوکت

خوابوں کے رنگ اڑ گئے ہیں

ابھی تو رات کی آنکھیں بھی نیم وا سی ہیں
ابھی تو ان میں خوابوں کے رنگ اترنے ہیں
کہا تھا اس نے میں چاند لے کر آؤں گا
تمہاری مانگ میں تارے بہت سجاؤں گا
تمہارے ہونٹوں پہ سچی ہنسی کھلاؤں گا
تمہاری آنکھوں میں سپنے حسین سجاؤں گا
تیز دھوپ اور شب سے تمہیں بچاؤں گا
م چھاؤں سا اور روشن ہر دن بناؤں گا
ں ایسے محل کی رانی تمہیں بناؤں گا
ہاں!
ایک دکھ تمہارے قرب سے ناواقف ہو
سی بھی غم کو تمہارا پتا نہ مل پائے
ئی بھی درد تمہاری ہنسی نہ لے جائے
تھا اس طرح سے میں زندگی سجاؤں گا
ت ہی دلربا فسوں خیز تھا وہ لمحہ شب
ب اس نے خوابوں کے
نگ دکھائے تھے مجھ کو
بھی رات کی آنکھیں تو نیم وا سی ہیں
لک رنگوں سے سجی آنکھیں
اداس سی ہیں
بے وفا تھا نہ جھوٹا تھا نہ فریبی تھا

بہت ہی سچ کہا تھا یہ گل اس نے
ابھی تو آنکھوں میں
خوابوں کے رنگ اترنے ہیں
تو دیکھو غور سے دیکھو تم میری آنکھوں میں
جہاں خوابوں کے رنگ اتر گئے ہیں
اور ان میں اب
اندھیروں کے سوا کچھ نہیں باقی

سباس گل

غزل

رکھنا تھا مجھے خود کو زمانے سے بچا کے
نظروں کو اسی وجہ سے رکھا ہے جھکا کے
زخموں پر میرے اک ذرا مرہم ہی لگاتی
کیا دل جلنے پایا ہے میرے دل کو دکھا کے
وعدہ [illegible] ٹوٹا، وہ ظالم نہیں آیا
بیٹھی رہی [illegible] آنکھیں جما کے
تھا مجھ کو بہت ناز [illegible] کی وفا پہ
ہے جس نے سکوں پایا میری [illegible] اٹھا کے
تڑپے گا بہت دیکھنا شاہین وہ [illegible]
مانگے گا معافی وہ کبھی اشک بہا کے

سدرہ شاہین

نظم

دل کے آئینے میں جو عکس تھا
اسے چھونے کی چاہ میں
اس تک جاتی راہ میں
آئینہ ٹوٹ کے بکھرا
تلخ حقیقتوں کا ہر منظر نکھرا
وہ عکس مجھ سے بچھڑا
جو میرا تھا ہی نہیں!

ریمل آرزو

گلاب

سنو!
اکثر لوگ کہتے ہیں
میں ایک گلاب کی مانند ہوں
ڈر ہے مجھے
کہیں کوئی مجھے توڑ نہ لے
تم ایسا کرو میرے اس ڈر کو زائل کر دو
میرے ارد گرد کانٹے بن کر
مجھے لوگوں کے ہاتھوں سے
محفوظ کر لو

ہاجرہ امین خان ہاجی

غزل

اب جو اس کے شہر میں جاؤں گا
اس کے آنسو سمیٹ لاؤں گا
لوگ راہوں میں پھول رکھتے ہیں
تیرے قدموں میں دل بچھاؤں گا
تجھ سے بچھڑوں گا نہ کبھی بھی میں
پر تو روٹھی تو میں مناؤں گا
لاکھ دکھ دیں مجھے جہان والے
تجھ کو دیکھوں گا مسکراؤں گا
تیری چاہت ہے ایک بادل سا
عشق برسے گا بھیگ جاؤں گا
تجھ کو پا کر نہیں کوئی شکوہ
اب میں دنیا سے جیت جاؤں گا
اب جو اس کے شہر میں جاؤں گا
اس کے آنسو سمیٹ لاؤں گا

سید ساجد

غزل

میرے رقیبوں کے لبوں پر تیرا نام کیوں ہو
میرے جیتے جی یہ چرچا سر عام کیوں ہو
آخر شکستوں پہ شکستیں کھا رہا ہوں میں
عشق کے جنوں میں میرا یہ انجام کیوں ہو
اجنبی ہوں اس انجان بے درد راہوں میں
تلاش محبت میں اتنی شام کیوں ہو
یہ لب چوم لیں گے ایک دن اپنے صنم کو
کبھی مجھے کوئی لائے ہوا ایسا پیغام کیوں ہو
میری زندگی کو کیوں فنا کرنے پر تلے ہو
آخر یہ انتخاب امتیاز کا ہی نام کیوں ہو

ایس امتیاز احمد

نظم

چاہ کر بھی نہ بھول سکی
تیری یادوں کے لیے تیری آس کے لیے
تم تو اک نظر دیکھنے کے روادار نہ تھے
ہم نے ہی سمجھا تھا
زندگی کو آسان اس قدر
اور یہی زندگی!
ہمیں بری طرح جھٹکتی ہوئی گزر گئی
اب نہ وفا ہے نہ جفا ہے
بے بسی زندگی میں سانس کا دیا ہے

زاہدہ زاہی

غزل

مسکراتے ہوئے زیست پر ہم ملے
زندگی میں بہت سے زخم ملے
میں کیسے بتاؤں پھر اے جان وفا
بچھڑے ہوئے لوگ بہت کم ملے
بہار آئی تو گلشن میں پھول کھلنے لگے
خزاں کے ساتھ بے وفا صنم ملے
تیری دید کی طلب تھی ورنہ میں
سلگتے ہوئے آنسو بھی چشم نم ملے
کوئی کہاں جدا ہوا یہ تو بتا جاوید
امید تھی ملنے کی مگر دوست پر ہم ملے

محمد اسلم جاوید

☆

سندیس

مائی سویٹ ہارٹ شہزادیوں کے نام
محبتوں اور دعاؤں کے پیغام

☆ سویٹ ہارٹ [illegible] فائزہ [illegible] نور بانو، خدیجہ رحمن، عذرا اقبال آپ کے کارڈز کا بے حد شکریہ آپ نے اپنی روایت باقی رکھی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ میں آپ کو بھول جاؤں۔ عید میگزین آپ کا حق تھا جو آپ کو بھیجا گیا۔ ☆ شازیہ، اجالا، عائشہ نیازی، صبا سحر، آپ کے کارڈز بے حد خوب صورت تھے۔ آپ کے خوب صورت اشعار میں نے ڈائری میں محفوظ کر لیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی زندگی خوشیوں سے آباد رہے، آمین۔ ☆ روبی اسد [illegible] کو حسب معمول آپ کی مختصر سی نظم ملی۔ آپ کو امتحان میں کامیابی ملے اور آپ یونہی خوش اور آباد رہیں۔ جیون ساتھی کی خوش خبری۔ یقیناً ایک بڑی خوش خبری ہے۔ ☆ مہوش اقبال، شاہین ظفر، ندا سہیل، آپ کی عید مبارک موصول ہوئی۔ میگزین میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ تھا۔ خداوند کریم آپ کو بھی بہت خوشیاں عطا کرے۔ اپنی دادی جان کا خیال رکھیں۔ انہیں میری طرف سے دعائیں۔ ☆ درخشاں ضیاء آپ کا خوب صورت بہت ہی خوب صورت کارڈ ہے۔ خاص طور پر کہ آپ نے اسے اپنا قیمتی وقت دیا اور اپنے ہاتھوں سے اسے [illegible]۔ جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ کے اشعار پسند آئے۔ رابعہ افضال خان! آپ کا کارڈ آپ کی شاعری بہت خوب صورت تھی۔ یقیناً آپ اس سے زیادہ خوب صورت ہوں گی اور مجھے یقین ہے کہ آپ کی قسمت ان سے بھی زیادہ خوب صورت ہو گی، انشاء اللہ باقی تمام شہزادیوں کی بھی خدا کرے قسمت اچھی ہو۔ آمین۔ خاص طور پر یہ دعا ان لوگوں کے لیے جنہوں نے مجھے عید پر یاد رکھا۔ کارڈز بھیجے عید کی مبارکباد دی۔ ہوتی ہیں کہ آپ کے فون کالز کے نام نہیں یاد رہتے۔ لیکن صبح پہلی کال افشاں علی کی تو یاد ہے۔ ہاں [illegible] کال [illegible] تاوری، ناصرہ، نسرین، شمیم تک تو مجھے یاد ہے باقی یاد کر لیا ہوا پھر اس کے بعد مجھے یاد نہیں جو نام رہ گئے وہ مجھے معاف کر دیں۔ اسی لیے بار بار کہتی ہوں کہ سندیس لکھیے۔ بہرحال ساری پیاری پیاری شہزادیوں کو میں دل سے دعا دیتی ہوں سب خوش آباد رہیں۔ جہاں رہیں ردا کے سنگ رہیں۔ خوشیوں بھری زندگی میں آپ قدم رکھیں۔ آباد رہیں۔ شاد رہیں۔ اپنے اپنے گھروں میں اپنے ماں باپ کے سائے میں پھولیں اور پھلیں اور یونہی ہزاروں عیدیں آئیں۔ ابر بھرا آسمان رہے۔ خوشیاں آپ کے قدم چومے اور ہم یونہی آپ کی دعاؤں کے سایۂ شجر میں رہیں۔

آپ کی آپی

رابعہ افضال خان..............کراچی

پیاری سی صالحہ آپی، کیوٹ سی نورین ملک،

ردا اسٹاف اینڈ تمام رائٹرز و قارئین کو رابعہ افضال خان کی جانب سے ڈھیر ساری دعاؤں اور محبت سے گندھا سلام قبول ہو۔ اب بات کرتے ہیں جولائی کے ردا کی۔ جولائی کی گیارہ تاریخ کو ردا ہمارے خوب صورت ہاتھوں کی زینت بنا۔ سرورق پر موجود کیوٹ سی مریم بہت پیاری لگی۔ اتو شلی ان کے ہاتھوں پر سجی خوب صورت مہندی پھر "گوشۂ آگہی" کی طرف بڑھے اور صالحہ آپی کے قلم سے رقم ہوئے گوشۂ آگہی نے دل کو گداز کر دیا۔ "ردائے جنت" میں رمضان المبارک کے حوالے سے اسلامی معلومات پڑھ کر فیض یاب ہوئے اور پھر سیدھے قمر دش شہک کے ناول "تیرے پیار کی خوشبو" پر آ کر رکے۔ ہر دفعہ کی طرح یہ قسط بھی بہت اچھی لگی۔ دل کرتا ہے کہ بس پڑھتے ہی جائیں۔ نائلہ طارق اور شازیہ مصطفیٰ کی غیر حاضری بالکل اچھی نہیں لگی۔ دل اداس ہو گیا۔ افسانوں میں سب ہی افسانے اپنی مثال آپ تھے۔ "نازی کی بستی" فریدہ فرید بہت زبردست لکھا۔ نازی کی بستی بہت حسین تھی۔ ماہم کی عید امبرین ناز بہت اچھی عید تھی ماہم کی پہلی عید درخشاں ضیاء آپ نے اچھے موضوع پر قلم اٹھایا۔ عبداللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا بہت قیمتی اور حسین تحفہ ہے۔ "میں، محبت اور تم" نوشین طاہر کا افسانہ بالکل اپنے نام کی طرح تھا۔ "سوری رانگ نمبر" بھی آپ نے بھی خوب لکھا۔ "اس عید پر" تبسم شیریں زبردست یار۔ "چاند رات اور تم" ماریہ عمران کیا بات ہے یار۔ "عید سنگ خوشیاں" سعدیہ اقبال نے بھی خوب رنگ جمایا۔ دوسروں کو خوشی دینے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ "مسز رونت" عائشہ ذوالفقار نے بہت اچھا لکھا۔ "ہماری عید بن جاؤ" تبسم فیاض مزہ آ گیا یار۔ "چاند رات اور چوڑیاں" مہرین کنول بہت اچھا لکھا۔ "تیری

چاہت کے خزانے" اقرا حنا کیا بات ہے یار۔ "پہلا رمضان" کائنات غزل کی کاوش بھی اچھی تھی اور صالحہ آپی آپ کے قلم کی تو کیا بات ہے۔ "چھپ گیا چاند دھند لکے میں" ہم تو یہی کہیں گے یو آر بیسٹ۔ میرا افسانہ کیسا لگا یہ آپ سب ضرور بتایئے گا۔ باقی کچھ سلسلے ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ "عید مسروے" میں سب ہی کے سوال و جواب بہت دلچسپ اور مزے دار تھے۔ بالکل عید کے چٹ پٹے پکوانوں کی طرح۔ "ردا کی ڈائری" سے روشنی فیصل کا کلام اچھا لگا۔ اشعار سب ہی زبردست تھے۔ خوشبو میں ہر لفظ خوشبو کی طرح مہکتا ہوا تھا۔ ذرا ٹھہرے کہنا میں سب ہی کا کلام بہت عمدہ تھا۔ کسی ایک کی تعریف کرنا ممکن نہیں ہے۔ اپنا نام دیکھ کر دل کھل کر گلاب ہو گیا۔ سندیسے کی محفل میں سب ہی نے خوب رونق لگائی۔ یار صبا عبدالغنی میرا شمار ہرگز بھی بڑی ہستیوں میں نہیں ہوتا۔ میں تو ایک بہت عام سی لڑکی ہوں یہ تو آپ کا خلوص اور محبت ہے جس نے مجھے اس قابل سمجھا۔ ثمینہ فیاض آپ نے مجھے دوستوں کی لسٹ میں یاد رکھا، بہت شکریہ۔ دوستوں کے نام پیغام میں شاہ کنول اللہ دتہ، فرح ناز، مون شاہ آپ سب نے مجھے یاد رکھا اتنی ڈھیر ساری محبت اور پیار کے لیے تہہ دل سے آپ سب کی مشکور ہوں۔ سویٹ فریدہ فرید آپ نے بڑے اچھے اور یونیک اسٹائل میں ردا فرینڈز کو عید ٹائٹل وش کیا۔ عید کے حوالے سے مہندی کے ڈیزائن بہت اچھے تھے۔ کچن میں عید کے پکوان دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا۔ سنگھار بھی اچھا رہا۔ آخر میں ردا سے جڑے تمام لوگوں کو میری طرف سے عید کی ڈھیر ساری مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے۔ عید کی بہت ساری خوشیاں ملیں۔ اس کے ساتھ ہی اپنی

دوست رابعہ افضال خان کو اس رونق بھری محفل سے اجازت انشاء اللہ پھر حاضر ہوں گی، اللہ نگہبان۔

مصباح مسکان رؤف ....جہلم

تمام دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں کو مصباح مسکان اور امینہ رؤف کی طرف سے چاہتوں محبتوں سے سجا ہوا سلام قبول ہو۔ ہم سب خیریت سے ہیں اور آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتے ہیں۔ امتحانوں کی وجہ سے بس جون میں خط نہ لکھ سکی مگر ردا کو صفحہ نمبر 1 سے 228 تک فراغت کے لمحات میں پڑھا ضرور ہے۔ اللہ کا شکر کہ گرم دنوں کے سخت پیپر جو لوڈ شیڈنگ سے بچے رمضان کریم کے پہلے عشرے میں خیر و عافیت سے اختتام پذیر ہو گئے۔ اب تو بس فراغت ہی فراغت ہے۔ مسکان ہے اور ارد گرد پھیلے کاغذوں کے ڈھیر (کہانیوں کے تھیم) خیر جولائی کا رسالہ ہاتھ آیا تو سب سے پہلے عید سروے تک پہنچے۔ بہنوں کے خیالات اور مشاغل پڑھ کر خوشی ہوئی۔ ہم نے بھی پہلے شرکت کرنی تھی۔ سروے میں مگر ستم یہ ہوا کہ دوران امتحان نوٹس کے ساتھ بٹ تیار شدہ سروے جو کہ بس لفافے میں ڈالنا کیا تھا، کہیں آگے پیچھے ہو گیا۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کے ہو گئے اب فراغت میں سب سنبھالا تو برآمد ہو گیا۔ فوراً خط کے ساتھ پوسٹ کر دیا ہے۔ امید ہے شامل اشاعت ہو گا۔ جولائی میں ناموں کی لمبی فہرست دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ ابھی چند ایک ہی پڑھے ہیں مگر مزا آ گیا۔ ...علی کا ناول زبردست تھا۔ قسط وار ناول ''...تیرے پیار کی خوشبو'' بھی اچھا جا رہا ہے۔ Keepit قرۃ العین جی۔ باقی سلسلے وار ناولز کی کمی محسوس ہوئی۔ ہمیشہ کی طرح ردا کی ڈائری، ...بہار، اس ماہ میں۔ خوشبو، ذرا پھر سے کہنا میں

سب بہنوں نے بہت خوب صورت شرکت کی۔ افشاں علی نے مجھے پیپرز میں کامیابی کی دعا دی۔ شکریہ بہن۔ اللہ آپ کی دعا قبول فرمائے اور آپ کو خوش رکھے۔ آمین۔ افشاں علی، رابعہ افضال خان، صبا عبدالغنی، ثمینہ فیاض، ثناء کنول، تبسم فیاض، کیتی آراء، درخشاں ضیاء اور افسانہ آفتاب کے سندیسے بہت اچھے لگے۔ ''گوشہ آگہی'' میں لفظوں کے موتی دل میں اتر گئے۔ کیا بات ہے صالحہ آپی کی۔ آخر میں سب بہنوں کو بہت بہت عید مبارک۔ ڈھیروں پیار اور دلی دعاؤں کے ساتھ اجازت کی طلب گار، مصباح مسکان رؤف اور امینہ رؤف۔ خدا نگہبان۔

درخشاں ضیاء..............کراچی

اس عید پر بہت سوچا
کوئی تحفہ تمہاری نذر کروں
کچھ سوچ کے ہاتھ اٹھائے ہیں
تمہاری نذر کیے

میری جانب سے ردا کے تمام اسٹاف، قارئین اور عالم اسلام کو بعد سلام عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔ رمضان کا آغاز بہت سے لوگوں کی سسکیوں سے ہوا تھا۔ میری دعا ہے کہ عید تمام پاکستانیوں کے لیے ڈھیر ساری خوشیاں لے کر آئے، آمین۔ ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی ردا کافی لیٹ ملا۔ میرے ہزبینڈ آفس سے آتے وقت ردا لیتے ہوئے آئے تھے۔ میں اس وقت افطاری کی تیاری کر رہی تھی کیوں کہ ٹائم تنگ ہو رہا تھا۔ جبھی ان کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی کہ ''مبارک ہو، جلدی آؤ تمہارا افسانہ چھپا ہے'' میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ بہت بہت شکریہ صالحہ آپی اور نورین آپی۔ آپ لوگوں کی وجہ سے میری عید کو مزید چار چاند لگ گئے۔ ہمیشہ خوش رہیں۔ عید میں چونکہ چند دن ہی باقی ہیں اس لیے ردا کا تفصیلی مطالعہ

...ہیں کر سکی ۔ انشاء اللہ عید کے بعد پڑھوں گی ۔
...بھی صرف کائنات غزل کی تحریر ہی پڑھی ہے ۔
...ل ڈن ڈیئر بہت اچھا لکھا ہے تم نے ۔ روزہ
...صرف بھوکے رہنے کا نام نہیں ہے ۔ پیٹ کے
...انہ جسم کے تمام اعضاء کا بھی روزہ ہوتا ہے ۔
...ل ڈن صباعبدالغنی تمہارا پیغام دل کو چھو گیا لیکن
...یئر کہیں بھی اپنی جگہ بنانے کے لیے کچھ وقت
...رکار ہوتا ہے لیکن میں آپ کی اس بات سے مکمل
...تفاق کر رہی ہوں کہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ
...فزائی ضرور کرنی چاہیے ۔ چاہے ایک سطر ہی
...کیوں نہ ہو ۔ آخر میں تمام دوستوں کے نام میرا
...یک پیغام کہ عید کی خوشیوں میں ان لوگوں کی مدد
...ضرور کریں جو مستحق ہیں ۔ یقین مانیں ان کو خوش
...کر آپ کی عید مزید رنگین ہو جائے گی ۔ مجھے
...لیے ہے کہ ردا کے تمام قارئین میرے افسانے پر
...تبصرہ ضرور کریں گے تا کہ مجھے اپنی اصلاح میں
...آسانی ہو ۔ عید کے حوالے سے اپنی تمام دوستوں
...ثمینہ فیاض، [illegible]، انشاں علی، سحرش فاطمہ، کنول
...خان، صدف آصف، کائنات غزل، عمارہ خان،
...سونیا چوہدری، صائمہ قریشی، [illegible] سیف، عمارہ
...امداد، فرحین ریاض، فرزین سید، صباعبدالغنی، قرۃ
...ین خرم ہاشمی اور اریشہ فاروق کو ایک [illegible]
...دوں گی ۔

...اور بڑھ گیا ہے عید کے دن ناز دوستی
اک [illegible] دوست عید مبارک ہو آپ کو

...[illegible] چاہوں گی ۔ اس
...عید کے ساتھ کہ [illegible] ہمارا قلمی رشتہ قائم د
...ائم رہے گا ۔

عانیہ نیازی ...... ربوہ

سویٹ صالحہ آپی اینڈ لولی لورین ملک اور
...میرے تمام پیارے پیارے قارئین اور رائٹرز کو
...عانیہ نیازی کا محبتوں اور دعاؤں بھرا اسلام اور عید
کی بہت بہت مبارک قبول ہو ۔ بہت عرصے بعد
سندیسے کی محفل میں شامل ہوں ۔ اب تو سندیسے
کی محفل میں اتنے پیارے پیارے چہرے شامل
ہوتے ہیں کہ بچ سندیسے کا مزہ دوبالا ہو جاتا
ہے ۔ پھر وہ پیاری سی انشاں علی ہوں یا ام بی سی
فریدہ فرید یا کہتی آرا، آپی کا مخصوص انداز میں
بہت اچھا تبصرہ کرتی ہیں ۔ ماشاء اللہ ۔ چلیں جی
اب بات ہو جائے جولائی کے شمارے کی تو سب
سے پہلے تو ردا کی روایت ہمیشہ کی طرح برقرار
رہی عید پر ۔ عید کی سب کہانیاں واہ مزا آ گیا اور
سب ہی رائٹرز نے کیا خوب لکھا ۔ ناز کی بستی،
ماہم کی عید، پہلی عید، میری چاند رات ہو، چھپ
گیا چاند دھند کے میں، سوری رانگ نمبر، میں
محبت اور تم، عید سنگ سجنا اور باقی سب کہانیاں بھی
بہت اچھی تھیں ۔ سب رائٹرز نے اپنی اپنی جگہ بے
مثال لکھا مگر صالحہ آپی کی کہانی مجھے اپنے دل کے
بہت قریب محسوس ہوئی ۔ بہت حقیقت پر مبنی لگی
آپی ایسے سرپرائز ہمیں دیتی رہا کریں ناں ہمیں
بہت خوشی ہوتی ہے ۔ اگست میں آپی آپ کی اور
ردا دونوں کی سالگرہ ہے تو میری جانب سے آپ
کو بہت بہت مبارک ہو ۔ آپ کی اور ردا کی
سالگرہ خدا کرے کہ آپ اور ردا ایسی ہزاروں
سالگرہ دیکھیں اور ہم سب یونہی ردا سے جڑے
خوشیاں مناتے رہیں ۔ آخر میں شاہ کنول، فریدہ
فرید، رابعہ افضال خان، کہتی آپی، انشاں علی، صبا
عبدالغنی، تبسم فیاض، حافظہ مون شاہ، نائلہ
طارق، شازیہ مصطفیٰ اور باقی سب رائٹرز کو ایک
بار بہت سا پیار دو نا میں اور عید کی خوشیاں مبارک
ہوں آپ سدا یونہی ہنستی مسکراتی اور خوش آباد
رہیں ۔ آمین ۔

......☆......

دوستوں کے نام پیغام

My Dear Husbend Jee

میرا پاک رب تمہیں ہزاروں سالگرہیں دیکھنا نصیب کرے اور مجھے تمہاری ہر برتھ ڈے منانا نصیب کرے، آمین۔ تمہاری سالگرہ کے موقع پر سعدیہ الل کاشف کی میری پسندیدہ نظم تمہارے لیے

میرے ہمدم میرے دلبر میرے جانم
ہو مبارک تمہیں جنم دن
میرے جذبوں کی پاکیزگی
نئی حیات و چاہت مبارک ہو تمہیں
میری دعا ہے......
صدا مہکے تیری چاہت کا گلشن
کامیابی صدا چومے تیرے قدم
صدا تم مسرور رہنا
غموں سے دور بہت دور رہنا
بلندی کو چھولیں تیری سب صدائیں
جو آئے کبھی تیری آنکھوں میں آنسو
تو سمیٹ لوں گی بڑھ کر دامن میں
میں اپنے
میرے محبوب ہو مبارک ہر گھڑی
کہ کرتی ہوں بس یہ دعا
تیری یہ خوشی یونہی برقرار رہے
زندہ ہمارے دلوں میں
محبت رہے

رضوان جی تمہاری شرارتی و چلبلی سی ہمسفر
ریما نور رضوان۔ کراچی

مائی ڈیئر اینڈ لولی کیوٹ سویٹ سی بھیجر رخشندہ

فاطمہ اور پیاری سی بہن سومی

کبھی میں آپ اپنے بہت بہت ہی خوشی ہوئی آپ کی شادی کا سن کر آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ آپ اپنے پیارے سے ڈارلنگ ہسبنڈ صاحب کے ساتھ ہمیشہ خوش رہیں، آمین۔

سومی آئی لو یو۔ ویسے تو تم کو یقین نہیں آتا کہ میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں اس لیے تمہارے جان سے پیارے رسالے میں کہہ رہی ہوں چلو ردا کی وجہ سے ہی یقین کرلو۔

راجکماری سارہ احسان۔ بہاول پور

صالحہ کے نام

اس بار میں نے سوچا تھا
ہاتھوں پہ تیرے نام کی مہندی لگا کر
مانگ میں تیری چاہت کی
افشاں سجا کر
تیری محبت کو آنکھوں کا کاجل بنا کر
تیری پریت کے گجروں سے
اپنی کلائیاں بھر کا کر
تیری آنکھوں میں
آنکھیں ڈال کر کہہ دوں گی
اے میرے جذبوں کے امین
عید مبارک

شہلا سحر۔ کوہاٹ

علیزے جانی کے نام

(میری گڑیا)

سب سے پیاری ہے میری گڑیا
سب سے حسین ہے میری گڑیا
لاج دلاری ہے میری گڑیا
راجکماری ہے میری گڑیا
معصوم سا جس کا چہرہ ہے
چاندنی سی جس کی آنکھیں ہیں
ریشم سی جس کی زلفیں ہیں
میٹھی سی جس کی بولی ہے
نرم پھولوں سی وہ مسکراہٹ
آنکھوں سے دل کو پہنچائے سکون
گر آنسو جو ٹپکتے میرے گڑیا کے
من کو بے چین سے کر جاتے
اس کی خوشی، ہنسی ہے مجھے عزیز
وہ نازک موم سی میری گڑیا
سب سے پیاری ہے میری گڑیا
سب سے حسین ہے میری گڑیا
لاج دلاری ہے میری گڑیا
راجکماری ہے میری گڑیا
Love you my sweet lovely
Love you my aliza jani

مدیحہ [illegible]۔ کراچی

بہت ہی پیاری دوست بہار اصغر کے نام

ملے تجھے سب کچھ زندگی میں
پھولوں کی طرح مہکے خدا کرے
زندہ رہے نام ابد تک تیرا
عید کی خوشیاں تجھے مبارک ہو خدا کرے

زندگی ثناء عباس کے نام

تیری دید جس کو نصیب وہ نصیب کا کھلا دیکھے ہے
تیرا بولنا میری زندگی تیرا دیکھنا میری عید ہے

احمد فراز، شیراز اور انجم کے نام

عید کی ہر بہار دیکھو تم
عیش لیل و نہار دیکھو تم
ایک اس عید پر ہے کیا موقوف
ایسی عیدیں ہزار دیکھو تم

جان سے عزیز امی ابو کے نام

عید کی بہت مبارک باد قبول کریں، اگست میں 21 اگست کو آپ کی ویڈنگ اینی ورسری ہے۔ میری دعا ہے اللہ پاک آپ دونوں کا ساتھ یوں ہی قائم رکھے۔ آپ دونوں کی محبت کو کسی کی نظر نہ لگے۔ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رہے، آمین۔ اس دفعہ ٹریٹ ضرور دیجیے گا (ہاہاہا) ہمیشہ خوش رہیں۔

درخشاں ضیاء۔ کراچی

دوستوں کے نام

ڈیئر سسٹ صالحہ آپی، نورین ملک، ردا اسٹاف اور تمام رائٹرز و قارئین کو عید بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ آپ سب کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے۔ سویٹ افشاں علی، فریدہ فرید، ثناء کنول اللہ دتہ، صبا عبدالغنی، مون شاہ، فرح ناز محمد رفیق آپ سب کی بہت ساری محبتوں اور دعاؤں میں یاد رکھنے کے لیے جزاک اللہ۔ پیاری فرح ناز محمد رفیق دوستوں کے نام پیغام میں آپ نے مجھے یاد رکھا، بہت خوشی ہوئی۔ سویٹ مون شاہ میرا خلوص میں دعا اور پیار ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے گا، انشاء اللہ۔ پیاری ثناء کنول اللہ دتہ آپ مجھے ہمیشہ یاد رکھتی ہیں آپ کے پیار اور خلوص کی بہت مشکور ہوں۔ آپ سب کو اللہ تعالیٰ ڈھیر ساری خوشیاں عطا کرے، صدا خوش رہو، آباد رہو، آمین۔

رابعہ افضال خان۔ کراچی

☆

گوشۂ چشم

وانیہ آفرین.................. کراچی

پیاری وانیہ آفرین! فرزین سے بات ہوئی تو معلوم ہوا آپ کی والدہ کی رحلت کا۔ ادارہ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ بچھڑنا بہت بڑا غم خدا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کی کے درجات بلند فرمائے اور ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ اپنا رکھیے گا خدا آپ کو صبر عطا کرے۔

سعدیہ اقبال.................. کراچی

پیاری ڈول سعدیہ! آپ کو ردا کی محفل میں خوش ردا کی تعریف کے لیے بے حد شکریہ اور شکریہ ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ آپ کی تحاریر ہمیں مل گئی اللہ قریبی اشاعت میں شامل ہوں گی۔

رمنا نور.................. کراچی

سویٹ رمنا! آپ کے پیار اور دعاؤں کا بے حد آپ کی تحاریر مل گئی ہیں، انشاء اللہ قریبی میں شامل ہوں گی۔ بس ایک بات کا ہمیشہ رکھیے گا کہ تحریر بامقصد اور زندگی کی امید بنی ہو۔ اور مایوسی جیسے موضوعات سے پرہیز کریں۔ رہیے اور ردا سے جڑی رہیے۔

زینب ندیم ملک.................. گوجرانوالہ

پیاری زینب! خوش رہیں سدا اور مسکراتی رہیے ردا میں خوش آمدید آپ کی تحریر میں پختگی کے لفظوں کا مناسب چناؤ ہمیں بے حد اچھا لگا۔ بات کہ تحریر مثبت ہو اور بامقصد ہو، خوش رہیں اور اپنا خیال رکھیں۔

اسویرہ علی.................. کراچی

سویٹ اسویرہ! آپ کا محبت نامہ اور ناولٹ دونوں ہمیں مل گئے ہیں۔ پہلے تو شکریہ کہ آپ ہمیں دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں اور ہم بھی محبت کرتی ہیں آپ کے لیے ڈھیروں دعائیں، خوش رہیں اور ردا میں شامل رہیے۔

زرافتہ حبیب فرزین.................. کراچی

پیاری فرزانہ! سدا پھولوں کی طرح مسکراتی رہیں۔ آپ کی تحریر ناول سے متعلق جو بھی وہ مل تو گئی تھی مگر لیٹ ملنے کی وجہ سے شامل اشاعت نہ ہو سکی مگر اطمینان رکھیے وہ ہمارے پاس محفوظ ہے، پھر لگ جائے گی اور آپ نے جو ملنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے اس کے لیے ردا فون کر لیجیے گا تو بات ہو جائے گی۔ اس موضوع پر خوش رہیں اور ردا سے جڑی رہیں۔

قمر وش شہک.................. کراچی

سویٹ قمر وش! سدا خوش رہیں آپ کی محبتوں اور چاہتوں کے لیے بہت بہت شکریہ، خوش رہیں مسند لیے کے ساتھ جو آپ نے ناول بھیجا اس کے شروع کے صفحات 1 سے 40 تک نہیں ہیں 41 سے ہیں آپ اپنا باقی کا مسودہ بھی جلد بھیج دیں۔ تاکہ قریبی اشاعت میں شامل ہو جائے۔

سدرہ شاہین.................. خانیوال

پیاری سدرہ! آپ کا افسانہ مل گیا ہے ہمیں اور باقی آپ کی تمام تحریریں بھی، ہم کوشش کریں گے کہ

قریبی اشاعت میں شامل ہو جائیں۔

ثوبیہ ملک .... کراچی

سویٹ ثوبیہ! آپ کی دونوں تحاریر ہمیں مل گئی ہیں مگر وہ عید کے حوالے سے نہیں تھیں۔ اس لیے شامل نہ ہو سکیں۔ آگے ان شاء اللہ شاملِ اشاعت ہوں گی۔ اپنا خیال رکھیے گا۔

بسمہ ناز .... کراچی

سویٹ بسمہ! آپ کی تحریر مل گئی ہے ردا میں جلد شاملِ اشاعت ہو گی۔ بس آئندہ کہانی لکھتے وقت اس بات کو ذہن میں رکھیے گا کہ کہانی طوالت کا شکار نہ ہو کہ اس سے بوریت کا عنصر غالب آ جاتا ہے۔ اور کہانی اپنے اصل موضوع سے ہٹ جاتی ہے۔ ردا سے جڑی رہیں اور خوش رہیں۔

رابعہ افضال خان .... کراچی

پیاری رابعہ! آپ کا محبتوں اور دعاؤں بھرا عید کارڈ بہت دلکش اور خوب صورت تھا۔ بے حد شکریہ اور آپ کا افسانہ مل گیا ہے ان شاء اللہ جلد شاملِ اشاعت ہو گا۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

فاطمہ خان .... لاہور

پیاری فاطمہ! خوش رہیے آپ کا ناولٹ ردا کی زینت بن رہا ہے۔ پچھلے کچھ ماہ سے آپ نے اپنے مسودے پر اپنا ایڈریس نہیں لکھا تھا جس کی وجہ سے ہم آپ کو اعزازیہ ارسال نہ کر سکے۔ آپ آئندہ اس بات کا خیال رکھیے گا کہ اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر اپنے مسودے پر ضرور لکھیں۔ تمام رائٹرز و قارئین کے ایڈریس و فون نمبر صرف ہمارے پاس محفوظ ہوتے ہیں ہم اسے کسی سے شیئر نہیں کرتے۔ آپ بلا خوف و خطر اپنا ایڈریس و فون نمبر اپنے مسودے پر لکھ سکتی ہیں امید ہے آئندہ آپ اس کا خیال رکھیں گی۔ خوش رہیے۔

رخشندہ علوی .... [illegible]

سویٹ رخشندہ! خوش رہیں آپ کی کتاب ہمیں مل گئی۔ کتاب بھیجنے کا بے حد شکریہ اور آپ اپنا قلمی سفر جاری رکھیے یقیناً آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ بس موضوعات کے چناؤ کے وقت ردا کے مزاج کو ذہن میں رکھیے گا۔ کہانی با مقصد اور مثبت پہلو پر ہو، خودکشی یا مایوسی جیسے اقدام سے دور رہ کر ہلکے پھلکے انداز میں لکھیں کہ آپ کی کہانی پڑھ کر قارئین کو خوشگواری کا احساس ہو یقیناً آپ ہماری بات کو سمجھ گئی ہوں گی۔ ردا سے جڑی رہیے ردا آپ کا اپنا ردا ہے۔

درخشاں ضیاء .... کراچی

مائی لولی ڈولی درخشاں! جتنی خوشی ردا میں آپ کو اپنا افسانہ دیکھ کر ہوئی یقین جانیے اتنی خوشی ہمیں آپ کا خوب صورت عید کارڈ دیکھ کر ہوئی آپ نے اپنے خوب صورت ہاتھوں سے ہمارے لیے اتنی محبت سے بنایا جسے دیکھ کر ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ آپ کی دعاؤں خلوص اور پیار کا بہت شکریہ، خوش رہیے۔

......☆......

نئے لکھنے والے متوجہ ہوں

☆ سلسلے وار لکھنے سے پہلے ادارے سے اجازت لینی ضروری ہے۔

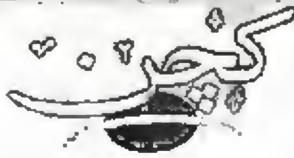
☆ تحریر صاف ستھری صفحے کے ایک طرف لکھی ہو۔

☆ پہلے مختصر افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ۔

☆ ہر تحریر کے آغاز میں اپنا نام اور اختتام پر اپنا فون نمبر اور مکمل پتہ ضرور لکھیں۔

☆ ہمیشہ اوریجنل مسودہ بھیجیں اور فوٹو اسٹیٹ کاپی اپنے پاس رکھیں۔

☆ مستقل سلسلوں سے متعلق میٹر الگ الگ صفحات پر لکھیں۔ ایک ہی صفحے پر تمام نگارشات نہ لکھیں۔



مرغ بریانی

جزاء

رغ	: ایک کلو
ِاول	: ایک کلو
ہی	: ایک پاؤ
ڈے	: چار عدد (ابال لیں)
شمش	: دس عدد
ام	: دس عدد
عفران	: آدھی چٹکی
رک	: ایک انچ کا ٹکڑا
چینی	: ایک ٹکڑا
ب	: چھ عدد
ی الائچی	: تین عدد
اش	: دو چائے کے چمچے
(درمیانی)	: دو عدد
ب	: حسب ذائقہ
ة	: حسب ذائقہ

ترکیب: پہلے سب مصالحے پیس لیں، ادرک بھی لیں، بادام بھگو کر چھیل لیں اور زعفران کو بھگو ۔اب مرغ کو اچھی طرح سے صاف کر کے سب لے دہی میں ملا کر مرغ اس میں ڈال کر دو گھنٹے ہنے دیں۔اب پیاز کو گھی میں بادامی کر کے مرغ ں ڈال دیں اور دھیمی آنچ پر پکائیں۔جب گل ُتار لیں۔
ب ایک پتیلی میں چاول دو کنی رکھ کر ابال لیں۔

پھر ایک بڑے منہ والے پتیلے میں آدھے چاول ڈال دیں پھر اس پر مرغ اور مصالحہ پھیلا دیں پھر اس کے اوپر باقی بچے ہوئے چاول پھیلا دیں اوپر سے زعفران کا چھینٹا دے کر دم پر رکھ دیں۔ بریانی ایک ڈش میں نکال کر اس کے اوپر انڈے ... کر کے خوب صورتی سے سجائیں اور کشمش بادام بھی اوپر ڈال دیں پھر سرو کریں۔

مرغ حیدرآبادی

اجزاء:

مرغ (ٹکڑے کر لیں)	: ایک کلو
پیاز	: دو عدد
لہسن	: ایک پوتھی
ادرک	: دو انچ
پپیتا	: پچاس گرام
	: (سب الگ الگ پیس لیں)
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	: ایک چھوٹا چمچہ
مونگ پھلی (پسی ہوئی)	: ایک چھوٹا چمچہ
ناریل و خشخاش (پسے ہوئے)	: دو دو چمچے
دہی	: آدھا پاؤ
نمک، مرچ، ہلدی	: حسب ذائقہ
گھی	: آدھا پاؤ

ترکیب: مرغ دھو کر اس پر پپیتا اچھی طرح سے مل دیں اور آدھا گھنٹہ پڑا رہنے دیں۔اب ایک پتیلی میں پیاز کو گھی میں بادامی کریں پھر اس میں گوشت

کے ٹکڑے ڈال دیں اور دس منٹ تک بھونیں اور پھر سب مصالحے ڈال کر خوب بھونیں اس میں دہی ڈال دیں اور جب تک اس کا پانی خشک نہ ہو جائے بھونیں جب گھی چھوڑ دے تو اس میں تھوڑا پانی ڈال دیں (اگر شوربہ رکھنا ہے تو تھوڑا پانی اور ڈالیں) گل جائے تو ہرا مصالحہ اور لیموں کا رس ڈال کر دم دیں اور اتار لیں۔

گولا کباب

اجزا:

قیمہ	: آدھا کلو
کچا پپیتا	: دو انچ کا ٹکڑا
لونگ	: چھ عدد
جاوتری	: دو ٹکڑے
خشخاش	: چار کھانے کے چمچے
بھنا چنا پسا ہوا	: چار چمچے
ہرا دھنیا	: کترا ہوا تھوڑا سا
ادرک	: ایک انچ کا ٹکڑا
پیاز	: ایک عدد (آملیٹ کی طرح باریک کتر لیں)

ترکیب: قیمے میں نمک ملا کر پپیتا پیس کر ملا لیں اور تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ پھر اس میں باقی تمام مصالحے پیس کر اور ہرا دھنیا اور باریک کٹی ہوئی پیاز ملا دیں۔ یاد رہے مصالحے پیستے ہوئے زیادہ پانی نہ ڈالیں۔ سب کچھ ملانے کے بعد دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پھر گول ٹکیاں بنا کر گھی میں فرائی کر لیں، بہت ہلکی آنچ پر ایک وقت میں چار سے زیادہ نہ ڈالیں۔ اسی طرح تمام گولا کباب تل لیں۔

قیمہ

اجزا

مٹر (دانے)	: ایک کپ
آلو	: ایک عدد (بڑا)
نمک، مرچ	: حسب ذائقہ
گرم مصالحہ (پاؤڈر)	: ایک چائے کا چمچ
لہسن ادرک پیسٹ	: ایک کھانے کا چمچ
قیمہ	: آدھا کلو
ہلدی	: آدھا چائے کا چمچ
خشک دھنیا	: ایک چائے کا چمچ
ٹماٹر	: ایک پاؤ
پیاز	: ایک پاؤ
آئل	: آدھا پاؤ

ترکیب: قیمے کو گھی میں بھون لیں۔ پیاز براؤن کر کے اس میں سارے مصالحے ڈال کر بھون لیں اب اس میں قیمہ اور آلو ڈال دیں ذرا دیر بعد مٹر کے دانے بھی ڈال دیں ایک ڈیڑھ گلاس پانی ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ جب گل جائے تو چولہے سے اتار لیں۔ باؤل میں نکال کر گرم مصالحہ چھڑک کر سلاد اور دہی کے ہمراہ پیش کریں۔

آلو کی بھجیا

اجزا:

آلو	: آدھا کلو
لہسن (باریک کٹے ہوئے)	: چار جوے
ثابت سفید زیرہ	: ایک چائے کا چمچہ
سوکھی لمبی لال مرچیں	: آٹھ عدد
پسی ہوئی ہلدی	: آدھا چائے کا چمچہ
سوکھی ہوئی کھٹائی	: چار عدد
نمک	: حسب ذائقہ
سرسوں کا تیل	: ایک پیالی

ترکیب: کڑاہی میں سرسوں کا تیل گرم کر کے لہسن سنہری کریں، پھر آلو اور نمک ملا کر ہلکی آنچ پر آلوؤں کے گل جانے تک پکائیں۔ اس میں باقی اجزا ڈالیں اور دم پر رکھ دیں۔

چنے کی دال گوشت

اجزا:

بکرے کی بوٹیاں : آدھا کلو
چنے کی دال (ابلی ہوئی) : ایک پیالی
پیاز (باریک کٹی ہوئی) : دو عدد
پسا ہوا لہسن ادرک : ایک کھانے کا چمچہ
پسی ہوئی ہلدی : ایک کھانے کا چمچہ
پسی ہوئی لال مرچ : ایک کھانے کا چمچہ
پسا ہوا گرم مصالحہ : ایک کھانے کا چمچہ
[illegible] اور پسی دار چینی : ایک چائے کا چمچہ
لیموں کا رس : ایک کھانے کا چمچہ
گرم پانی : چار پیالی
[illegible] : حسب ذائقہ
[illegible] : ایک پیالی

پودینہ، ہری مرچیں، لیموں کا رس، ادرک
[illegible] کرنے کے لیے

ترکیب: دیگچی میں بوٹیاں، 1/2 پانی، پیاز، لال [illegible] ، ہلدی، لہسن ادرک اور نمک ملا کر پکائیں۔ پانی [illegible] ہو جائے تو اس میں دال اور باقی پانی شامل کر [illegible] دال اور گوشت یکجان ہونے تک پکائیں۔ اس [illegible] باقی اجزاء ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ مزیدار دال [illegible] شت پودینہ، ہری مرچیں، لیموں کا رس اور ادرک [illegible] کر پیش کریں۔

کسٹرڈ فلڈ کریم پفس

[illegible] یسٹری کا آٹا : ایک پاؤ
[illegible] ڈ کیسٹر پاؤڈر : آدھی پیالی
[illegible] دودھ : آدھا کلو + ایک پیالی
[illegible] : آدھی پیالی
[illegible] یم : ایک پیالی

بادام، پستے (باریک کٹے ہوئے) : آدھی پیالی

ترکیب: آٹے کو بیلیں اور اسے کون کے سانچے پر لپیٹیں۔ اس عمل کو دہراتے ہوئے 6 کونیں تیار کریں۔ انہیں بیکنگ ٹرے میں رکھیں اور پہلے سے گرم اوون میں 180 سینٹی گریڈ پر 15 منٹ پکا کر نکال لیں۔ تھوڑا ٹھنڈا ہو جائے تو کون کو سانچے سے علیحدہ کر لیں۔ ایک پیالی دودھ میں کسٹرڈ پاؤڈر گھول لیں۔ باقی دودھ دیگچی میں ڈال کر ابال لیں، اس میں چینی شامل کریں، چینی حل ہو جائے تو چمچہ چلاتے ہوئے تھوڑا تھوڑا کسٹرڈ پیسٹ ملائیں۔ آمیزہ گاڑھا ہونے لگے تو کریم ملا کر پھینٹیں، پھر ٹھنڈا ہونے تک کے لیے رکھ دیں۔ کسٹرڈ کے آمیزے کو چمچے کی مدد سے کونوں میں بھریں اور بادام اور پستے چھڑک کر پیش کریں۔

مینگو لسی

اجزا:

مینگو کا گودا : دو کپ
دہی : آدھا کپ
ٹھنڈا پانی : آدھا کپ
شہد : ایک چائے کا چمچہ
لیموں کا رس : ایک چمچہ چائے کا
نمک : چٹکی بھر
آئس کیوب : حسب ضرورت

ترکیب: بلینڈر میں مینگو کا گودا، دہی، ٹھنڈا پانی، شہد، نمک اور لیموں کا رس ملا کر بلینڈ کریں، پھر اس میں آئس کیوب ڈال کر لسی مزید بلینڈ کریں یہ بہترین لسی بنے گی۔ پتلا کرنا چاہیں تو دہی کے ساتھ دودھ بھی اس میں ملا سکتی ہیں۔ گلاس میں نکال لیں، چاہیں تو مینگو کے سلائس سے ڈیکوریٹ کر کے پیش کریں۔

......☆......

شہلا شائق

سنگھار

آئی لائنر لگانا آرٹ ہے

آئی لائنر ایسا میک اپ پروڈکٹ ہے جسے ہر عمر کی خواتین لگانا پسند کرتی ہیں اور کسی بھی حال میں اسے لگانا نہیں بھولتیں۔ خواہ وہ کوئی اور میک اپ کریں یا نہ کریں لیکن آئی لائنر ضرور لگاتی ہیں۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ آئی لائنر کی محض ایک ہلکی سی لائن بھی آنکھوں کی خوب صورتی میں اضافہ کر دیتی ہے۔ تاہم اسے لگاتے ہوئے نفاست اور مہارت سے کام لینا ضروری ہے بصورت دیگر صورت میں آپ کی آنکھیں خوب صورت نظر آنے کے بجائے بدنما بھی دکھائی دے سکتی ہیں۔ آج کل انواع واقسام کے آئی لائنر مارکیٹ میں دستیاب ہیں جن میں پینسل آئی لائنر کے علاوہ جیل اور پاؤڈر آئی لائنر شامل ہیں۔ اسی طرح لگانے کے انداز بھی بے شمار ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ ہے کہ ہر ایک کی آنکھوں کی شیپ علیحدہ ہوتی ہے اس لیے آئی لائنر اپلائی کرتے وقت آنکھوں کی شیپ کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ آنکھوں کی بناوٹ کے مطابق آئی لائنر لگانے میں مہارت حاصل کرنا آسان کام نہیں۔ کیونکہ آنکھیں تب ہی اچھی لگتی ہیں کہ جب آئی لائنر ان کی بناوٹ کے مطابق ان پر سجایا گیا ہو۔ یہاں آپ کے لیے کچھ سادہ سے طریقے پیش کیے جا رہے ہیں جن کی مدد سے آپ بڑی آسانی سے آئی لائنر لگانا سیکھ سکتی ہیں۔

چھوٹی آنکھیں

اگر آنکھیں چھوٹی ہیں تو ان کے اندرونی کناروں میں آئی لائنر نہ لگائیں کیوں کہ اس طرح یہ مزید چھوٹی دکھائی دیں گی۔ اس کے بجائے صرف پپوٹوں کے اوپر ایک باریک سی لائن بنائیں۔ تاہم اگر کسی خاص تقریب میں شرکت کا موقع ہو اور آپ اپنی لُک میں تبدیلی لانا چاہیں تو اس کے لیے آنکھوں کے بیرونی گوشوں پر "ونگ شیپ" بنائیں اور آنکھوں میں کشادگی کا تاثر پیدا کرنے کے لیے آنکھوں کے اندر سفید یا کسی اور ہلکے رنگ کا لائنر لگالیں۔

کشادہ اور ابھری ہوئی آنکھیں:

اس قسم کی آنکھوں میں لائنر لگانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پوری آنکھ کے گرد لائنر کی باریک سی لائن بنائیں تاکہ یہ ضرورت سے زیادہ نمایاں نظر نہ آئیں۔ جب کہ آنکھوں کے اندرونی کناروں پر ذرا نوکیلے انداز میں اس طرح لائنر لگائیں کہ یہ گول گول نہ دکھائی دیں بلکہ قدرے شیپ میں آجائیں۔ تاہم کشادہ اور ابھری ہوئی آنکھوں میں لائنر لگانے کے لیے ماہرین یہ مشورہ بھی دیتے ہیں کہ پوری آنکھ کے گرد لائنر اپلائی کرنے کے بجائے صرف آدھی آنکھ پر لائنر لگایا جائے تو اس کا تاثر زیادہ اچھا دکھائی دیتا ہے۔

کارآمد تجاویز:

☆ لائنر لگانے سے پہلے اپنی آئی لائنر پینسل

ہوتا ہے۔ بھیڑ مردار سے حاصل کیا جانے والا جسے ڈیڈ سی سالٹ کہا جاتا ہے جلد کی خشکی دور کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ اسے اپنے شیمپو میں ملا کر استعمال کرتے ہیں تاکہ سر کی خشکی اور اس کی کھال پر جمع ہونے والی گندگی دور ہو جائے۔ اس عمل سے مختلف ہیئر پروڈکٹس کے مضر اثرات بھی آپ کے بالوں سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمالیہ سالٹ اور ایپم باتھ سالٹ کے طور پر خاصے مقبول ہیں۔ ہفتے میں دو بار ان کا استعمال تروتازگی اور توانائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ جن بچوں کو ایگزیما اور استھما کی شکایت ہو ان کے لیے بھی انہی تینوں نمکیات کا غسل بہتر رہتا ہے۔

☆ لیموں کے رس میں شہد ملا کر پانچ منٹ چہرے پر اس کا مساج کریں اور پھر بیس منٹ بعد چہرہ دھو لیں۔ اس عمل سے بہترین فیس پالش کا تاثر حاصل ہوتا ہے۔

☆ ایک کپ پانی میں دس پودینے کی پتیاں ابال کر روزانہ پئیں۔ اس سے چہرے پر نکلنے والے دانوں اور مہاسوں سے نجات ملتی ہے اور جلد تروتازہ رہتی ہے۔

☆ چہرے کے دانوں پر دن میں دو بار خالص شہد لگائیں، بہت جلد افاقہ حاصل ہوگا۔

☆ ہونٹوں کی خوب صورتی اور نرمی برقرار رکھنے کے لیے ان پر ایسی لپ اسٹک استعمال کریں جس میں وٹامن ای شامل ہو۔

☆ اگر آپ بغیر ایکسرسائز کیے اپنا وزن کم کرنا چاہتی ہیں تو چار باتوں پر باقاعدگی سے عمل کریں۔ ناشتا روز کریں، چینی کا استعمال ترک کردیں، مرچ مصالحے والے کھانے کھائیں اور پوری نیند لیں۔ ان سب باتوں پر عمل کرنے سے آپ کے وزن میں نمایاں فرق آئے گا۔

......☆......

میں سائیں اور پپوٹے کے اوپر مضبوطی سے اپنا ہاتھ رکھیں۔ اب آنکھ کے اندرونی کونے کی جانب سے اسے لگانا شروع کریں اور آگے بڑھاتے ہوئے آخری کونے تک لے جائیں اور آخر میں لائن کو قدرے بڑھا دیں۔

☆ آنکھ کے باہر کی جانب آئی لائنر لگاتے ہوئے بھی یہی طریقہ استعمال کریں۔ اس کے بعد اوپر والے پپوٹے کو پکڑیں اور اس کے اوپر نفاست کے ساتھ باریک لائن بنائیں۔

☆ آئی لائنر کو بڑے اسٹروکس میں لگانے کے بجائے چھوٹے اسٹروکس میں لگائیں۔ اس طرح آپ کی لائن نفاست کے ساتھ بن پائے گی۔

☆ اگر آپ کی جلد بہت خشک ہے اور آپ کو درست طریقے سے آئی لائنر لگانے میں دشواری پیش آرہی ہے تو آئی لائنر لگانے سے پہلے پپوٹوں پر تھوڑی سی کولڈ کریم لگالیں۔

☆ اگر آپ کے پاس آئی لائنر ختم ہو جائے تو اس کے بجائے آپ مسکارا کو بطور آئی لائنر استعمال کرسکتی ہیں۔ اسے لگانے کے لیے باریک برش استعمال کریں۔

☆ آئی لائنر پنسل کے اوپر اگر ذرا سا پاؤڈر آئی لائنر لگالیا جائے تو اس سے آئی لائنر زیادہ دیر تک برقرار رہتا ہے اور آنکھیں بھی خوب صورت دکھائی دیتی ہیں۔

آزمودہ نسخے، پرانے اطوار

☆ رات کو سونے سے قبل باتھ سالٹ کو پانی میں ملا کر غسل کرنے سے دن بھر کی تھکاوٹ دور ہونے کے ساتھ ساتھ دکھتے ہوئے جوڑوں اور پٹھوں کو بے حد آرام ملتا ہے یا اگر آپ کی جلد خشکی اور ایگزیما کا شکار ہے تو اس صورت میں بھی نمکیات ملے پانی سے غسل کرنا آپ کے لیے بہت مفید ثابت